خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اکیسویں صدی کا منفرد ماہنامہ

رِدا ڈائجسٹ

JUNE
2018

عید مبارک

ماڈل: ماہ وش

میک اپ: روز بیوٹی پارلر

فوٹوگرافی: موسیٰ رضا

رِداڈائجسٹ

چیف ایڈیٹر

صالحہ محمود

ایڈیٹرز

سعدیٰ محمود جعفری ، بلال جعفری

نمائندہ امریکہ ، فراز جعفری

E-Mail: frazjafri@aol.com

نمائندہ UAE ، عمیر علی جعفری

E-Mail: saprchit@emirates.net.ae

نمائندہ لندن ، خوشنودہ آصف خان

آرٹسٹ : جنید انصار

خط و کتابت کا پتہ

رِداڈائجسٹ

۱۳۹-ڈی-بلاک ۲

پی ای سی ایچ ایس

کراچی

لیگل ایڈوائزر : محمد صدیقی

عید مبارک

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

جون 2018ء
جلد نمبر 22 شمارہ نمبر ۶
قیمت 70 روپے

www.facebook.com/rida.digest

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
720 روپے

34535726

پبلشر و ایڈیٹر صالحہ محمود نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔
مقام اشاعت: ۱۲۹/ڈی بلاک۔2۔پی۔ای۔سی۔ایچ۔سوسائٹی، کراچی

مستقل سلسلے





زندگی ویران ویران سی لگتی تھی۔ جب اپنے اطراف میں اتنے سارے مسائل ہوں۔ انسان بے آب پرندے خشک ٹہنیوں پر چیخ رہے ہوں۔ ندی نالوں میں بھی گندا پانی خشک ہوجائے تو بنجر صحرا میں آگ برستی ہے لیکن صحرا کی راتیں تو ٹھنڈی اور خوشبو سے بھری ہیں۔ کیا کہیے کراچی کی راتوں میں اندھیری تاریک گلیوں میں کتے بھونکتے ہیں۔ گرمی سے بے حال لوگ چھتوں پر راتیں بسر کررہے ہیں۔ وہیں آپا تھاپی کا حال کوئی کسی کا نہیں۔ سرمایہ دار امیر طبقہ آسائش زندگی سے پُر ہے لیکن 80 فیصد لوگ اپنے جی سے بے زار۔ سو ہم کیا کریں ایسے میں۔ سائیں سرکار نیرو کی طرح ایک خوب صورت نغمہ الاپتے رہتے ہیں ایک دوسرے پر اختیارات کی جنگ لڑتے ہیں، کرپشن کا شور ہے یوں جیسے جنگل میں ناچ رہا ہو سور۔ کھلم کھلا سودی سرکار کی دوستی کا اعلان، کچھ نہیں تو دہشت گردی کا الزام اپنے سر لے لیا۔ لگتا یوں ہے کہ نواز شریف نے سوچ لیا ہے کہ ہم سے اقتدار گیا تو ہمیں پاکستان کی بھی ضرورت نہیں ہے اسی لیے ممبئی کیس کو اپنے کھاتے میں ڈال لیا کسی وقت ہم پر اپنا کھاتا بند کرکے بھاگ جائیں گے اور پاکستان پر دہشت گردی کا لیبل لگ جائے گا۔

جہاں ماہ وسال سونے سونے اور خوف میں گزر رہے ہیں وہیں رحمتوں بھرا رمضان آگیا۔ مہنگائی کا ایک طوفان غریب کی زندگی اجیرن، لوکرلوگل۔ سب بھول گئے کرپشن کرپشن چلیں جو ہو سو ہو، عید تو آکر رہے گی۔ ماہ صیام کی خوشیاں ہوں گی رحمتوں بھرا مہینہ آئے گا۔ اللہ تعالیٰ سے مایوس نہیں ہیں ہم۔ پھر پھول کھلیں گے اور پت ہرے ہوں گے، دیکھنا تم ایک دن ٹوٹ کر بارش برسے گی اور خلق خدا کو پانی مل جائے گا۔

لکھیے گا ضرور کہ ردا کیسا لگا۔ یہ آپ سوچ نہیں سکتے کن مراحل سے گزر کر ردا آپ تک پہنچتا ہے، دعا دیجیے انہیں جنہوں نے اسے ترتیب دیا۔

نئے لکھنے والوں کی ضرورت ہے آپ بھی قلم اٹھایئے اور لکھیے ہم ردا گائیڈ کارنر میں انہیں بتاتے ہیں کہ ایک افسانہ ناول کیسے لکھتے ہیں اور وہ کیا غلطیاں کررہے ہیں۔ غلطیوں کے بعد ہی منزل کی سمت نظر آتی ہے۔ تو آپ لکھیے ہم منتظر ہیں۔

آپی



حضرت محمد ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ''رمضان المبارک ایک ایسا مہینہ ہے کہ اس کا پہلا عشرہ رحمت ہے، یعنی پہلے دس دنوں میں رحمتوں کا نزول ہوتا ہے، دوسرا عشرہ اس کا مغفرت ہے، جس میں اللہ تعالیٰ روزہ دار کے گناہ معاف فرماتے ہیں اور تیسرا اور آخری عشرہ، عشرہ نجات ہے جو جہنم سے چھٹکارے کا ہے''۔ قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ: ''رمضان کا مہینہ جس میں قرآن نازل ہوا جو کہ ہدایت ہے لوگوں کیلئے اور جس میں واضح نشانیاں ہیں ہدایت کی اور جو حق کو باطل سے جدا کرنے والا ہے''۔

روزے کا مقصد محض بھوکا پیاسا رہنا نہیں ہے، اس حوالے سے رسول اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ: ''جس نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ کو کوئی حاجت نہیں کہ وہ کھانا پینا چھوڑ دے''۔ (صحیح بخاری) اسی طرح حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''جو شخص (روزے کی حالت میں) ناجائز کلام کرنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس کے کھانے پینے کو چھوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے''۔ (مشکوٰات) ایک اور حدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''تم میں سے جس کسی کا روزہ ہو تو نہ وہ بے حیائی کی بات کرے، نہ جہالت کا ثبوت دے اور اگر کوئی اس پر جاہلانہ طور پر چڑھ آئے تو اسے یہ جواب دے کہ میں روزے سے ہوں''۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''جو شخص رمضان کا روزہ رکھے اور اس کی حدود کی رعایت رکھے اور جن چیزوں کی نگہداشت کرنی چاہئے ان کی نگرانی کرے تو یہ اس کے گزشتہ گناہوں کا کفارہ ہوگا''۔ ایک اور موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''کتنے ہی روزے دار ایسے ہیں کہ روزے سے بھوک اور پیاس کے سوا انہیں کچھ حاصل نہیں ہوتا''۔ (مشکوٰات)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''چاند دیکھ کر روزے رکھو اور چاند دیکھ کر روزہ چھوڑو اور اگر 29 تاریخ کو چاند دکھائی نہ دے تو شعبان کی 30 کی گنتی پوری کرو''۔ (صحیح بخاری و مسلم، معارف الحدیث)
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: روزہ رکھا کرو تندرست رہوگے۔ (طبرانی)

اسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ مغرب کی نماز سے پہلے چند تر کھجوروں سے افطار فرماتے تھے اور اگر خشک کھجوریں نہ بھی ہوتیں تو چند گھونٹ پانی پی لیتے تھے۔ (ترمذی)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ''جو آدمی سفر وغیرہ کی شرعی رخصت کے بغیر اور بیماری جیسے عذر کے

بغیر رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑے گا، وہ اگر اس کی بجائے عمر بھر بھی روزے رکھے تو جو چیز فوت ہوگئی، وہ پوری نہیں ہوسکتی"۔ (مسند احمد)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ سحری میں برکت ہے، اسے ہرگز نہ چھوڑو، اگر کچھ نہیں تو اس وقت پانی کا ایک گھونٹ ہی پی لیا جائے، کیونکہ سحری میں کھانے پینے والوں پر اللہ تعالیٰ رحمت فرماتا ہے اور فرشتے ان کیلئے دعائے خیر کرتے ہیں۔ (مسند احمد)

رمضان کے اختتام پر تمام عالم اسلام عیدالفطر مناتے ہیں۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی عیدالفطر دو ہجری میں ادا فرمائی پھر اسے کبھی ترک نہ کیا اس لئے یہ سنت مؤکدہ ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو (دیکھا کہ) وہاں کے لوگ دو دن کھیل تماشے میں گزارتے تھے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ یہ دن کیا ہیں؟ انہوں نے کہا کہ ہم ایام جاہلیت میں ان دو دنوں میں کھیل تماشے کیا کرتے تھے رسولؐ نے فرمایا" اللہ تعالیٰ نے ان ایام کے بدلے میں تمہیں ان سے بہتر دو ایام یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر عطا فرمائے ہیں۔ (ابوداؤد السنن کتاب الصلاۃ باب صلاۃ العیدین) حدیث پاک میں ہے کہ جو شخص ماہ رمضان المبارک میں دن کو روزہ رکھے رات کو (قیام) نوافل ادا کرے اور عید کے دن صدقہ فطر ادا کرکے عید گاہ میں جائے تو عیدگاہ سے واپس ہونے تک اس کے تمام گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔

انسان کے لئے ہر وہ دن عید کا دن ہے جس دن انسان نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔ ذکر ہے کہ عید کے دن ایک آدمی حضرت علی المرتضیٰ شیر خدا کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت آپؓ خشک روٹی کھا رہے تھے اس شخص نے عرض کیا کہ آج تو عید کا دن ہے اور آپ سوکھی روٹی چبا رہے ہیں آپ نے فرمایا کہ آج عید ان لوگوں کی ہے جن کے روزے اللہ پاک کی بارگاہ میں قبول ہوئے اور ان کی کوشش مشکور ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کو بخش دیا اور ہماری عید آج بھی ہے اور کل بھی ہماری عید ہے اور اس دن بھی ہماری عید ہے جس دن ہم کوئی گناہ نہ کریں۔ اس لئے ہر عقلمند آدمی کو لازم ہے کہ وہ اپنی ظاہری آرائش کو نہ دیکھے اور اس کا پابند نہ ہوجائے بلکہ عید کے دن عبرت پکڑے اور آخرت کی فکر کرے اور عید کو قیامت کا نمونہ سمجھے۔ عید کو قیامت کا نمونہ سمجھنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ انسان کے دل میں خوف خدا پیدا ہو۔

حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رمضان المبارک کی آخری شب میں اس امت کی مغفرت ہوتی ہے صحابہ کرام نے عرض کیا! یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ شب قدر ہے؟ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ کام کرنے والے کو اس وقت پوری مزدوری دی جاتی ہے جبکہ وہ کام پورا کرلیتا ہے۔ (مسند احمد)

عید کی اصل خوشی تو یہی ہے کہ انسان کو بقائے دوام حاصل ہوجائے اس کی آخرت سنور جائے اس کی عبادت و ریاضت اللہ پاک کی بارگاہ میں مقبول ہوجائے اس کی زندگی کا ہر لمحہ اللہ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں گزرے تاکہ اللہ پاک کی خوشنودی حاصل ہو جب وہ دنیا سے جائے تو صاحب ایمان جائے قبر کے سوال و جواب میں آسانی ہو قبر میں مثل جنت راحت نصیب ہو پھر یوم حساب کو اس کی نجات ہو۔ اللہ رب العزت اپنی پاک کتاب قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرماتا ہے۔ ترجمہ! "اور اس لئے کہ تم گنتی پوری کرو۔ اور اللہ کی بڑائی بولو۔ اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت کی اور کہیں تم حق گزار ہو"۔ (پارہ نمبر 2 سورۃ البقرہ) اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی خوشی اور فرحت کے لئے سال میں دو اہم دن مقرر کئے ہیں جن میں سے ایک عیدالاضحیٰ اور دوسرا عیدالفطر کا دن ہے۔ ☆☆

قمر وش شہک

بانہوں کے حصار میں

''مار نا ہی ہوتا تو تم کو حویلی کیوں لایا جاتا اربش اور سب سے بڑھ کر نکاح کیوں کرتے شاہ سائیں! تم نے کا انتقام کا یہ کون سا پہلو ہے سزا دینے کا، یہ کون سا طریقہ ہے یہ صرف سائیں جانتے ہیں یا پھر شاہ سائیں ان کی حکم عدولی کرنا گویا گناہ کے زمرے میں آتا ہے۔ اب تم مزید دیر کر کے شاہ سائیں کے جلال کو آواز مت دو۔ جاؤ جلدی سے یہ سوٹ پہنو۔'' رحمت نے پلنگ سے وہ لال جوڑا تھما کے زبردستی اس کو تھما



دیا۔

ہولے ہولے دستک کی آواز پر اندر سے نہایت ہی بھاری رعب دار آواز نے گویا اربش کا رواں رواں تھرا دیا تھا۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے پاؤں تلے کی زمین دھیرے دھیرے سرک رہی ہو۔

''اندر آ جاؤ۔''

دوسری بار وہی جملہ وہی چنگھاڑتی آواز۔ اربش پوری جان سے کپکپا کر رہ گئی تھی۔ ساکت و جامد سانس روکے کھڑی اربش کو رحمت نے نہایت ہی دکھ سے دیکھتے ہوئے ناک پر ہاتھ رکھ کر دروازہ کھولا اور اس کو اندر کی جانب ہولے سے دھکیل دیا تھا۔

قسط نمبر 3



اربش دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں مروڑتی ہوئی سر کو جھکائے نظروں کو دہکتے عارض پر گرائے ۔۔۔ دل کی تیز رفتاری سے دھڑکتی دھڑکنوں کو قابو میں کرنے کی کوشش کر رہی تھی جو ناکام ثابت ہو رہی تھی۔

"کیا نام ہے تیرا؟"

وہی آواز پورے جاہ و جلال سے ابھرتی ہوئی اس کی مضبوط پسلیوں کی دیواروں کے پیچھے ننھے اور نازک دل کو مزید ہراساں کر گئی تھی۔ لبوں کا جوڑا تو جیسے زندگی بھر کے لیے سل گیا تھا، زبان تالو سے یوں جا کر چپکی کہ شاید باہر نکالی تو کاٹ دی جائے گی۔ اتنے فل اے سی ٹھنڈے کمرے میں بھی اس کا روم روم پسینے سے شرابور تھا۔ اس کا ننھا سا دل کپکپا رہا تھا۔ اس کا ہر عضو کانپ رہا تھا۔

"کچھ پوچھا ہے میں نے بولتی کیوں نہیں ہے۔" فضا کی اس گھمبیر خاموشی کو سالار شاہ کی چیختی چنگھاڑتی ۔۔۔دار آواز نے چیر دیا تھا، اربش تو پوری جان سے ہل کر رہ گئی تھی۔ خوف اور وحشت سے وہ پوری ٹھنڈی ۔۔۔ف ہو گئی تھی۔

"ا......ر......ب......ش......" سیاہ نینوں میں سمندر کا ایک ٹھاٹھیں مارتا طوفان لیے بمشکل اس نے ۔۔۔تی کانپتی آواز میں بس اتنا ہی کہا تھا۔ سالار شاہ نے بغور اربش کو اوپر سے نیچے تک دیکھا تھا۔ سرخ اور ۔۔۔ڈن امتزاج کی انارکلی فراک میں ان کلرز تلے ڈرا سہا وجود سالار شاہ کے دل کے سکون پر ٹھنڈے چھینٹے ۔۔۔ رہا تھا۔

"ادھر آ......"

اربش کا دل اس حکم پر مزید سکڑ کے سمٹا اور سمٹ کے سکڑا تھا، وہ چھوٹے چھوٹے قدم دبیز قالین پر دھرتی ۔۔۔ے بڑھنے لگی تھی۔ کبھی دانتوں سے اپنے سرخ لپ اسٹک سے سجے ہونٹوں کو بے دردی سے کاٹتی تو کبھی اپنے سرخ بھاری دوپٹے کو اپنی مٹھیوں میں مضبوطی سے پکڑتی، بیڈ سے چند قدم کے فاصلے پر وہ رک گئی تھی۔

"ادھر بیٹھ۔" سالار شاہ نے اپنے سائیڈ پر آنے کا اشارہ کیا، اربش کو تو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ اس کے دل و دماغ میں اودھم پیل ہو رہی ہو، آندھی طوفانوں کے جھکڑ چل رہے ہوں، اس کا ڈرا سہما اوسان بھی جیسے جانے لگا ہو۔ اس کے تو کبھی وہم و گمان میں بھی کبھی تصور خواب و خیالوں میں بھی نہیں تھا کہ زندگی میں کبھی سالار شاہ جیسے سامنا ہو گا اور وہ بھی اس روپ میں۔ اس نے تو بچپن سے ہی رافع کی صورت اپنے دل و دماغ میں بسا رکھی تھی اس کے سپنے اپنی سیاہ آنکھوں میں سجا لیے ہوئے تھے۔ یہ خوب صورت رات بھی تو رافع کے حوالے سے ہی سوچی تھی۔ اس کی ساری سوچیں پل بھر میں جھٹکوں کی زد میں کہیں بہت دور گہرائی کھائیوں میں دفن ہو گئی تھیں۔ سالار شاہ نے ایک ہاتھ بڑھا کر اس کو اپنی سمت کھینچا تھا۔

"کیا عمر ہے تیری؟"

"جی......بیس سال۔" بمشکل اس کے ہونٹوں میں جنبش سی ہوئی تھی۔

"پھر تو تجھے سزا دینے میں اور بھی مزہ آئے گا۔"

سالار شاہ نے اس کا سرخ بھاری آنچل ایک ہی جھٹکے میں کھینچ کے دور اچھال دیا تھا اور جس رضائی میں وہ بہت سکون سے لیٹا ہوا تھا اس کا ایک حصہ اربش پر پورا ڈال کے اپنی جانب کھینچا تھا۔

"رحم سائیں......رحم......"

تبھی سالار شاہ نے اس سارے عرصے میں اس کے منہ پر زوردار چانٹا مارا تھا کہ اربش کا پورا چہرہ گھوم کے رہ گیا تھا۔ دماغ کی طنابیں ایک دوسرے سے الجھ کر رہ گئی تھیں۔

سالار شاہ نے اس کی گدی سے موٹی سی بالوں کی چوٹی زور سے پکڑی کہ وہ کراہ کر رہ گئی۔

"اس کو میرا حکم سمجھ یا میری دھمکی، آج کے بعد کبھی مجھ سے رحم کی بھیک مت مانگنا۔ میرے اندر کا حیوان نما جانور پوری فرصت سے بیدار ہے اور وہ حیوان نما جانور اتنا بپھرا ہوا ہے کہ ہر شے کو چیر پھاڑ کے رکھ دے گا ہر چیز کو تہس نہس نیست و نابود کر دے گا اور اس حیوان نما جانور کے نوکیلے پنجوں نے تجھے نہایت مضبوطی سے جکڑ لیا ہے۔"

مٹھی کی گرفت مزید سخت ہوئی تھی کہ اربش کی روح تک بلبلا کر رہ گئی تھی۔ ایک سسکتی ہوئی کراہ کے ساتھ اس نے اپنی سیاہ آنکھیں سختی سے میچ لی تھیں۔ سالار شاہ کے گھنی سیاہ مونچھوں کے نیچے عنابی ہونٹوں پر نہایت ہی مغرور مسکراہٹ کھلی تھی۔ چہرے پر تکبر لیے وہ اربش کے چہرے پر جھکتا چلا گیا تھا۔

☆......☆

"کون ہے کیسی ہے کیا بیک گراؤنڈ ہے کچھ علم نہیں بس ایک حادثے کی طرح آپ کی زندگی میں آئی آپ نے بنا کچھ سوچے سمجھے کسی سے مشورہ لیے بنا اور کسی کو تو چھوڑیے مجھے تک انفارم کرنا ضروری نہیں سمجھا اور اس نامعلوم لڑکی سے کورٹ میرج کر لی حد ہے بے وقوفی کی رائب ملک۔"

رافعہ ملک اِدھر سے اُدھر تیزی سے چکر کاٹ رہی تھیں۔ سر درد سے ان کا سر تو جیسے پھٹا جا رہا تھا۔ ڈپریشن کا پارہ ہائی لیول پر تھا۔ کیا کیا نہیں سوچا تھا انہوں نے اپنے اکلوتے بیٹے رائب ملک کے لیے کہ ایسی شاندار شادی ہوگی کہ ہر کوئی رشک بھری نظروں سے دیکھتا ہی رہ جائے گا۔ پریس کو بلوائیں گی، ٹی وی فلم اسٹار، ایکٹر، ایکٹریسز بلوائیں گی مگر رائب ملک کی اس بے وقوفانہ حرکت نے سب کچھ خاک میں ملا دیا، سارے ان کے سپنے ملیا میٹ کر دیئے۔

رافعہ ملک کوئی عام وومن نہیں تھیں، سوشل میڈیا پر ان کا ایک نام تھا لوگوں کی نظروں میں سپر اسٹار تھیں، غریبوں کی ہمدرد اور لاچاروں بے بسوں کی مسیحا اور بے سہارا لڑکیوں کا آسرا اور امید۔ وہ عورتیں وہ لڑکیاں جو اپنے گھر سے دھکے دے کر نکالی گئی ہوں یا وہ عورتیں جو اپنے سسرال والوں کے ظلم کا شکار شوہر کے تشدد کا نشانہ بنتی ہیں ان کی مددگار...... رافعہ ملک ایسی بہت سی ناکام ظلم کا شکار عورتوں کو ایک ادارہ فراہم کرتی تھیں۔ ایک کامیاب سوشل ورکر رافعہ ملک۔ وہ رافعہ ملک جو اپنی نجی زندگی میں ایک ناکام بیوی ایک ناکام ماں تھیں۔

اس لڑکی کا کوئی بیک گراؤنڈ کوئی شاندار اسٹیٹس لگژری پاور اگر یہ سب ہے تو ہی وہ ملک خاندان کی بہو بننے کے قابل ہے ورنہ......"

"ماما جان پاور فل بیک گراؤنڈ شاندار اسٹیٹس لگژری بینک بیلنس کیا یہی سب آپ کی نظروں میں اہمیت رکھتے ہیں۔" رائب ملک اپنی ماں کو بہت اچھی طرح جانتا تھا مگر پھر بھی سوال کر رہا تھا۔

"کیوں آپ کی نظروں میں ان سب کی کوئی اہمیت کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ ہاں اور ہو بھی کیسے سکتی ہے، آنکھ کھولتے ہی سونے کا چمچہ لے کر منہ میں اس دنیا میں آئے ہیں آپ کو کیا احساس کہ یہ سب کیسے پایا

جاتا ہے۔'' رافعہ ملک نے بولا تو سچ تھا مگر ایسا لگا جیسے کسی برچھی کی طرح یہ بات اس کے دل پر لگی ہو۔

''ماما جان! آپ ٹھیک کہتی ہیں مگر میری رائے آپ کی رائے سے قدرے مختلف ہے۔ میں اپنے عالی شان محل نما گھر میں سناٹا ویرانیت تنہائی نہیں چاہتا ہوں میں مجھے بابا کی طرح زندگی اکیلے نہیں گزارنی مجھے کوئی خوب صورت چلتا پھرتا شوپیس نہیں چاہیے۔ مجھے اپنی شریکِ حیات کے روپ میں ایک بیوی چاہیے ماڈل نہیں۔''

''کیا مطلب ہے آپ کا، آپ مجھ پر طنز کر رہے ہیں۔'' رافعہ ملک نے رائب ملک کو ابرو چڑھا کے دیکھا تھا۔

''نہیں ماما جان آپ پر طنز کرنے کی گستاخی میں نہیں کر سکتا مگر یہ بھی سچ ہے کہ اپنی شریکِ زندگی اپنی ہمسفر کے لیے میرا آئیڈیل ایسا نہیں جیسا آپ سوچتی ہیں۔''

''اچھا تو پھر آپ مجھے بتائیں گے کیسی ہمسفر لڑکی چاہیے آپ کو اپنی لائف میں۔'' رافعہ ملک کی چہل قدمی ختم ہو گئی تھی وہ صوفے کی بیک پر کھڑی رائب ملک کو بغور تکنے لگی تھیں۔ رائب ملک نے ایک گہرا سانس لیا اور رافعہ ملک کو دیکھ کر گردن نفی میں ادھر اُدھر گھمانے لگا۔

''میں جانتا ہوں آپ کا ارادہ اپنی بھتیجی سجل سے میری شادی کا ہے مگر ماما جان آپ خود سوچیے جس لڑکی کے فیس بک پر ہی اس قدر واہیات فرینڈز ہیں تو وہ خود کیسی ہوگی اور چلیں سجل کے فیس بک پر فرینڈز لسٹ تو چھوڑیئے آپ نے اس کی آئی ڈی پر اس کی تصویریں دیکھی ہیں وہ سیلفی جو اپنی آئی ڈی پر لگائی ہوئی ہیں۔

''واٹ!'' رافعہ ملک تو جیسے شاکڈ کیفیت میں مبتلا ہو گئی تھیں۔

''رائب آئی کانٹ بلیو دِس۔'' رافعہ ملک چلتی ہوئی اس کے سامنے والے صوفے پر آ بیٹھی تھیں۔

''آپ کی سوچ اس قدر بیک ورڈ ہو سکتی ہے اس کا مجھے علم نہیں تھا، تو کیا ہوا اگر سجل کی فیس بک پر ایسے فرینڈز ہیں جن کو آپ واہیات کا نام دے رہے ہیں۔''

''کیا مطلب ماما جان! آپ کی نظر میں ان چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔'' رائب ملک نے حیرت بھری نظروں سے رافعہ ملک کو دیکھا تھا۔

''بالکل بھی نہیں، بھلا یہ بھی کوئی وجہ ہے سجل کو ریجیکٹ کرنے کے لیے اور آج کل یہ سب بہت عام ہو گیا ہے۔ فیس بک پر سیلفی دینا فرینڈز بنانا گپ شپ کرنا مجھے ان میں کوئی معیوب بات نظر نہیں آتی۔ سجل ایک پڑھی لکھی آزاد شہر کی براڈ مائنڈڈ لڑکی ہے۔ مجھے تو آپ کی سوچ پر حیرانی ہو رہی ہے۔'' رافعہ ملک اس کو نرمی سے سمجھانے لگی تھیں۔ ان کا پکا ارادہ تھا کہ اگر ملک ہاؤس کی کوئی بہو بنے ان کے بھائی کی بیٹی سجل ہی ہو۔ رائب ملک کی زندگی میں کوئی لڑکی آئے تو وہ سجل ہی ہو۔

رافعہ ملک کا پختہ ارادہ رائب ملک سمجھ گیا تھا اگر وہ اب بھی نہیں بولتا تو شاید وہ ہمیشہ کی طرح آج بھی رافعہ ملک کے آگے زیر ہو جاتا اور اب تو یہ اس کی زندگی کا اہم معاملہ تھا۔

''آئی ایم سو سوری ماما جان! آپ جیسا چاہ رہی ہیں ایسا ممکن نہیں ہے۔ میں کورٹ میرج کر چکا ہوں اور انشراح کے علاوہ اب میری زندگی میں کوئی لڑکی نہیں آ سکتی۔'' اس نے بھی اپنا حتمی فیصلہ سنا دیا تھا، رافعہ ملک کے چہرے پر غصے کی لکیریں نمودار ہوئیں۔

''اچھا آپ سجل کو اس کے فیس بک پر سیلفی اور اس کی فرینڈز لسٹ کی وجہ سے ریجیکٹ کر رہے ہیں اس کی کیا گارنٹی ہے کہ جس لڑکی سے آپ نے نکاح کیا ہے وہ فیس بک پر نہیں ہوگی۔'' رافعہ ملک نے طنز کا ایک اور تیز چلایا تھا۔

''ماما جان! یہ بات میں گارنٹی سے کہہ سکتا ہوں کہ اس کو فیس بک تو کیا موبائل چلانا بھی نہیں آتا ہوگا۔''

''واٹ...... اوہ مائی گاڈ...... رائب کیوں میرا ڈپریشن بڑھا رہے ہو۔ ایسی لڑکی سے تم نے کورٹ میرج کی ہے اس قدر بیک ورڈ، پھر تو میرا خیال ہے اس لڑکی کا کوئی اسٹینڈر کوئی اسٹیٹس نہیں ہوگا، اس کا کوئی ہائی فائی بیک گراؤنڈ نہیں ہوگا۔

''اوہ مائی گاڈ، میری تو سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں آپ کی باتوں پر ہنسوں یا روؤں۔'' انہوں نے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔

''آپ کچھ بھی کہیں مگر ماما جان میں اپنی زندگی انشراح کے ساتھ ہی گزاروں گا۔''

''جس کا کچھ اتا پتا نہیں ہے۔'' رافعہ ملک نے سنجیدہ نظروں سے دیکھا تھا۔

''چل جائے گا پتا بھی آج نہیں تو کل میں ڈھونڈ لوں گا انشراح کو۔'' پختہ ارادہ مضبوط سوچ، رافعہ ملک دیکھ کر رہ گئیں۔

''اس کا مطلب ہے آپ اپنے ارادے سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔''

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' رائب ملک نے نظروں کا رخ ہی پھیر لیا تھا۔

''اندازہ ہو رہا ہے مجھے کہ آپ کی سوچ جتنی دقیانوس اور مڈل کلاس والی ہے لڑکی بھی اسی ٹائپ کی ڈھونڈی ہوگی۔''

''آپ جو بھی سمجھ لیں ماما جان! مگر ماما جان میں آپ سے ایک بات ضرور کہنا چاہوں گا۔ پریپ کلاس سے لے کر میرے فیوچر تک ہر فیلڈ میں نے آپ کی پسند اور فیصلے پر اپنائی ہے۔ میں نے فیلڈ پری انجینئرنگ آپ کی پسند اور آپ کے حکم پر اپنائی جب کہ مجھے پری میڈیکل پسند تھی۔ میرا ارادہ یہیں پاکستان میں بزنس کرنے کا تھا مگر وہ بھی آپ کو پسند نہیں آیا اور آپ نے مجھے دبئی میں شفٹ کروا دیا مگر ماما جان یہ سب تو چلو میرے زندگی کے دیگر معاملات تھے مگر شادی عمر بھر کی زندگی کا فیصلہ ہے پلیز آپ سے ریکوئسٹ ہے میری خوشیوں بھری زندگی کا فیصلہ مجھے کرنے دیجیے۔''

''پچھتائیں گے۔''

''ہونہہ۔'' رائب ملک طنزیہ ہنسی ہنسا تھا۔

''آپ سے کوئی شکوہ گلہ نہیں کروں گا۔''

دل تو بہت دکھا تھا اس کا کہ اس کی اپنی سگی ماں بجائے دعائیں دینے کے اس کی جھولی میں بددعاؤں کے سکے ڈال رہی تھیں، وہ مزید وہاں ٹھہرنا نہیں چاہتا تھا۔ ٹیبل پر سے اپنی گاڑی کی چابی اور موبائل فون اٹھا کے باہر کی جانب بڑھتا چلا گیا تھا۔

''ہونہہ۔ جیسا باپ بیک ورڈ اولاد بھی ویسی ہی نکلی۔''

رافعہ ملک اس کی چوڑی پشت گھور کر رہ گئیں۔

☆......☆

وہ صبح سویرے ٹھیک ٹائم کے مطابق سات بجے بیدار ہوگئی تھی۔ اپنے دہکتے کھولتے انگارہ وجود سے بھاری بلنکٹ تکلیف سے کراہاتے ہوئے ہٹایا تھا اور اپنے جسم کے روئیں روئیں سے اٹھتے درد کو برداشت کرتی وہ بیڈ سے نیچے اتری تھی۔ خود کو بمشکل گھسیٹتی واش روم جانے لگی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جانے کتنے اژدھوں کے زہریلے ڈنک سے اس کا وجود چھلنی چھلنی ہوگیا ہو۔ پہاڑ سے بھی بھاری سِل دماغ پر رکھ دی گئی ہو۔ وہ نازک اور معصوم سی ہرنی ایک درندے کی حیوانیت کا شکار ہوگئی تھی۔ جس کے نوکیلے اور تیز ترپنجوں نے اس کے جسم کو ہی نہیں اس کی روح کو بھی چیر پھاڑ کر رکھ دیا تھا۔ وہ کسی گلاب کے پھول کی پتیوں کی طرح بکھرتی چلی گئی تھی۔

ٹھیک آٹھ بجے وہ اپنے بیڈ روم سے باہر آگئی تھی اب اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ جانا کہاں ہے جو میں اس قدر وسیع وعریض حویلی تھی کہ شاید اس کو دیکھنے میں ہی پورا ایک دن گزر جاتا، مگر اس وقت اس کو شدید ترین احساس ہوا کہ وہ تپتے صحرا کے آگ اگلتی ریت پر ننگے پاؤں کھڑی ہے سر پر اس کے آگ اور انگاروں کی بارش برساتا سورج کھڑا تھا۔ وہاں کوئی سائبان نہیں کوئی تناور چھاؤں دینے والا گھنا درخت نہیں جہاں وہ پل بھر کے لیے سائے کی ٹھنڈک میں سستا لے۔ شاید اس کی زندگی کا امتحان اور مشکل آزمائش کا وقت شروع ہو گیا تھا جس میں شاید کہیں جیت کا نام ونشان نہیں تھا، بالآخر آگے تو بڑھنا تھا۔ اس کا مقام اس کی حیثیت اور اس کی اوقات کیا تھی سالار شاہ نے ٹھیک ٹھیک جتا دیا تھا، وہ سیدھی چلتی چلی گئی پوری حویلی میں گھمبیر خاموش سناٹے کا راج تھا ہر طرف ہو کا عالم تھا کسی کی کوئی چہل پہل تو دور معمولی سی چہ میگوئیوں کی آواز نہیں آرہی تھی۔

آخر کار نیچے جانے کی سیڑھیاں مل ہی گئیں، ڈرتے ڈرتے نیچے قدم بڑھانے لگی تھی، نیچے بڑے سے ہال نما کمرے میں بڑے سے نرم وملائم کم وبیش قیمتی کاؤچ پر براجمان زبیدہ جہاں کو دیکھ لیا تھا، وہ سمجھ گئی کہ یہی اس حویلی کی مالکن ہیں۔ جھجکتی سہمتی وہ ان سے چند قدموں کے فاصلے پر آکھڑی ہوئی تھی۔

''السلام علیکم۔'' سر کو جھکائے ماربل کے فرش پر شرمندہ شرمندہ سی نظریں گاڑھے اس نے نہایت ادب سے سلام کیا تھا۔

زبیدہ جہاں نے نہایت ہی غصیلی اور تیز نظروں سے اربش کو گھور کے دیکھا تھا، جیسے اپنی تیز نظروں کی دھار سے ہی اس کے وجود کا ریشہ ریشہ الگ کردیں گی۔

''رحمت۔'' زبیدہ جہاں کی دہاڑتی آواز پر اربش کا دل بری طرح دھڑک کر رہ گیا۔ اس کے ڈر وخوف میں مزید اضافہ ہوگیا تھا۔

''حکم بڑی سرکار!'' رحمت ہانپتی کانپتی بھاگتی ہوئی آئی تھی۔ زبیدہ جہاں کی دہاڑ میں اس قدر چنگھاڑ تھی کہ انسانی وجود کے ساتھ ساتھ حویلی کے در و دیوار تک ہل کر رہ گئے تھے۔

''آج صبح کے ناشتے کا مینو سمجھا دے اس کو۔''

''جی حکم بڑی سرکار!'' رحمت نے اربش کو دیکھا اور اس کی طرف بڑھی تھی۔

''اور ایک بات اور گرہ سے باندھ لے۔'' رحمت اربش کو اپنے ساتھ کچن میں لے کر جا رہی تھی کہ زبیدہ

جہاں کے کہنے پر واپس پلٹی۔

''اس حویلی میں ہر شخص اور ہر پالتو جانور کے کھانا کھانے کے بعد اس کو کچھ کھانے کو دینا آئی کچھ سمجھ۔''

''جی بڑی سرکار۔''

رحمت کا دل دکھا تھا، وہ سمجھ گئی تھی کہ اب سے اربش کے آزمائش کے دن شروع ہوگئے تھے۔ اس کے لیے ہر درد ہر تکلیف ہر اذیت کا در کھول دیا گیا تھا، اب دیکھنا یہ تھا کہ اس کی ہمت، برداشت، حوصلہ پست پڑے گا یا وہ اپنی زندگی سے ہار مان لے گی۔

''ہٹا اس کا وجود میری نظروں کے سامنے سے۔'' زبیدہ جہاں نے ان دونوں کی طرف سے نہایت نفرت سے منہ پھیر لیا تھا۔

''گیارہ نہیں تمیں پراٹھے بنیں گے خوب سارا اصلی گھی ڈال کے، بڑے سرکار یعنی اس حویلی کے بادشاہ ہمارے کرتا دھرتا عالم شاہ سائیں ان کو پراٹھے پر دیسی مکھن ڈال کر کھانا پسند ہے اور ناشتے میں خالی چائے ہی نہیں ہوتی چائے کے ساتھ سرسوں کا ساگ پنیر ڈال کے ساتھ پھولوں کا سالن، سبز قہوہ، بھینس کا تازہ تازہ ملائی والا دودھ ہوتا ہے۔ سالار شاہ سائیں تین گلاس وہ دودھ پیتے ہیں، جب تک آٹا میدہ اور سوجی ملا کر آٹا گوندھ لو اور ہاں اس میں بھی ضرور ڈالنا اور آٹے کو پانی سے مت گوندھنا خالص دودھ سے گوندھنا، پھر آہستہ آہستہ میں تم کو بتاتی جاؤں گی کہ دوپہر اور رات کے کھانے میں کیا کیا پکانا ہے۔''

''رحمت بوا!''

''ہاں بولو۔'' رحمت نے اس کی مسکین سی صورت دیکھی۔ اس پیاری سی صورت پر ایک درد بہت واضح تھا اور اس درد کی کہانی وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ مگر وہ مجبور تھی نہ ہی اس کو کچھ مشورہ دے سکتی تھی اور نہ ہی اس کی دلجوئی کر سکتی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی اس بڑی سی حویلی کی دیواروں میں نصب ہر اینٹ کے کان ہیں۔

زبیدہ جہاں کو اگر معمولی سی بھی بھنک پڑ گئی کہ اس نے اربش سے ہمدردی جتائی ہے تو وہ اس کا حشر نشر بگاڑ دیں گی۔

''اتنا سارا ناشتا کھانے کے بعد بھی یہ لوگ سب دوپہر کا کھانا کھاتے ہیں۔'' اربش نے بہت معصومیت سے پوچھا تھا۔

''شش......!'' رحمت نے جلدی سے اس کے لبوں پر اپنی ہتھیلی دھر دی تھی۔

''جو کہی جائے وہ کرو سوال اٹھانا جرح کرنا حویلی کے خلاف ہے۔ اب تم سب چھوڑو اور جلدی سے ناشتے کی تیاری کرو، پانچ منٹ کی دیری بھی یہاں قابل معافی نہیں ہے۔''

اور پھر رحمت جیسا جیسا کہتی سمجھاتی گئی وہ کرتی چلی گئی۔

☆......☆

''السلام علیکم بی بی جان۔'' انابیہ زور سے چیختی ہوئی بی بی جان کے کمرے میں داخل ہوئی تھی۔

''وعلیکم السلام جیتی رہو خوش رہو آگئیں اور اپنے آنے کی اطلاع کیوں نہیں دی۔'' بی بی جان نے انابیہ کو اپنے سے لگا کر اس کی پیشانی پر پیار بھرا بوسہ لیا تھا۔

''ہم آپ کو سرپرائز دینا چاہتے تھے۔''

''تو پھر ہمیں یہ سرپرائز بہت اچھا لگا۔''

''السلام علیکم!'' دائم خان بھی اسی اثناء میں داخل ہوا تھا۔

''وعلیکم السلام!'' بی بی جان نے پرشفقت ہو کر دائم خان کے جھکے سر پر ہاتھ پھیرا تھا۔

''چلو آؤ لاؤنج میں بیٹھتے ہیں۔'' وہ انابیہ کے ساتھ کمرے سے باہر آنے لگیں کہ ان کو کچھ احساس ہوا ورنہ وہ انابیہ کی آمد کی خوشی میں فراموش کر گئی تھیں۔

''بلکہ تم دونوں یوں کرو اتنے لمبے سفر سے آئے ہو کچھ گھنٹے آرام کر لو اتنے میں، میں نوری سے تم دونوں کے لیے تمہاری پسند کا ڈنر تیار کروا دوں گی۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر میں کچھ دیر آپ کے ساتھ بیٹھوں گی۔'' انابیہ نے لاڈ سے کہا تھا۔

''تمہارے تو لاڈ ختم نہیں ہوں گے دائم بیٹا۔''

''جی بی بی جان۔''

''بیٹا! تم جاؤ کمرے میں آرام کرو فریش ہو جاؤ۔'' انہوں نے نرم و ملائم لب و لہجے میں دائم سے کہا جس کے چہرے سے تھکاوٹ صاف ظاہر ہو رہی تھی۔

''جی بی بی جان! میں تھوڑا آرام کر لوں گا تو فریش ہو جاؤں گا۔''

''انابیہ جاؤ پہلے دائم کو بیڈ روم میں چھوڑ کے آؤ پھر میرے پاس آنا ڈھیر ساری باتیں کرنی ہیں دائم تمہارے شوہر ہیں پہلے ان کے آرام کا خیال رکھو۔'' بی بی جان نے تنبیہہ نظروں سے انابیہ کا خوب صورت چہرہ دیکھا جہاں ان کچھ گزرے دن کے رنگ پھیلے پڑے تھے۔ دائم کی محبت نے اس کے چہرے کو مزید جلا بخشی تھی وہ تو تھی ہی خوب صورت مزید دائم کی محبت و چاہت نے کر دیا تھا۔

بی بی جان نے اپنی نظروں کا زاویہ ہی بدل لیا تھا کہ خدانخواستہ ان کی ہی نظر نہ لگ جائے۔

''جی بی بی جان! چلو دائم۔'' انابیہ دائم خان کو لے کر بیڈ روم میں لے آئی۔

''تم یہاں ریسٹ کر لو میں بی بی جان کے پاس سے ہو کر آتی ہوں۔'' انابیہ، دائم خان کو بیڈ روم میں چھوڑ کر جانے لگی تھی۔

''اوہو ہوں۔'' دائم خان نے انابیہ کی نازک کلائی تھامی اور اپنی سمت کھینچا وہ نازک شاخ کی طرح اس کے وسیع چوڑے سینے سے لگی تھی۔

''مجھے اکیلا چھوڑ کے کہاں چلیں محترمہ۔'' ان ہرنی آنکھوں میں اپنا جھلملاتا عکس دیکھا۔

''تمہیں چھوڑ کے کہاں جاؤں گی جہاں دیکھو گے مجھے ہی پاؤ گے۔'' انابیہ نے چاہ سے اس کے گلے میں ہاتھ ڈالا تھا۔

''وہ تو ہے تمہاری محبت کہ ریشمی دھاگوں میں اس قدر الجھ کر رہ گیا ہوں کہ تمہارے علاوہ کچھ نظر ہی نہیں آتا۔'' دائم خان نے اس کی کمر میں دونوں بازو ڈال کر خود سے مزید قریب تر کر لیا تھا۔

''اور میرے علاوہ تمہیں کچھ نظر بھی نہیں آنا چاہیے جانی۔''

''اچھا اتنا غرور۔''

''غرور نہیں اپنی محبت کا فخر ہے جو میری نس نس میں خون کی طرح دوڑ رہا ہے۔''

''ذرا ہم بھی تو یہ فخر دیکھیں قریب سے۔'' دائم خان نے اس کو خود سمیت پیچھے جہازی سائز بیڈ پر گرا لیا تھا۔

دونوں کی ہنسی کی کھلکھلاہٹوں کی جھنکار پورے کمرے کی دیواروں میں گونجنے لگی تھی۔

رات کے آٹھ بج گئے تھے بی بی جان نے نوری سے سارا ڈنر دائم خان اور انابیہ کی پسند کا تیار کروا لیا تھا۔ بلکہ ٹیبل بھی لگوا لی تھی۔

''جاؤ نوری انابیہ کو بلا لاؤ۔'' بی بی جان ٹیبل پر سجے کھانے پر آخری نظر ڈالتی ہوئی چیئر پر براجمان ہو گئی تھیں۔ پانچ منٹ میں دائم خان اور انابیہ بھی ٹیبل پر آ چکے تھے، دونوں نے اپنی اپنی پلیٹیں اٹھالی تھیں اور اس میں پلاؤ نکال لیا تھا۔

''بی بی جان آپ کیوں نہیں نکال رہی ہیں۔'' انابیہ نے شامی کباب اپنی پلیٹ میں ڈالا۔

''بس بیٹا تم لوگ شروع کرو میں کسی کا انتظار کر رہی ہوں۔''

''انتظار کوئی آ رہا ہے۔'' انابیہ نے سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔

''ہاں ایک بہت ہی پیاری سی بچی میرے گھر آئی ہے جسے میں نے اپنی خدمت گزاری کے لیے رکھا ہے۔''

''مطلب نئی نوکرانی۔'' انابیہ نے عام لب و لہجے میں کہا تھا۔

''نہیں نوکرانی مت کہنا اور نہ ہی سمجھنا تم لوگوں کے پیچھے پچھلے ایک ماہ سے وہ میرے ساتھ ہے، میری دیکھ بھال میری خدمت گزاری جس طرح سے خیال رکھا یوں سمجھو دل میں جگہ بنالی ہے۔'' بی بی جان کے لب و لہجے میں اس انجان لڑکی کے لیے محبت بول رہی تھی۔

''اب میرا دل نہیں چاہتا کہ اس کے بغیر کچھ کھاؤں اصل میں وہ تم لوگوں کی وجہ سے آنے سے شرما رہی ہے۔''

''پھر تو اب دیکھنا ہی پڑے گا ملنا پڑے گا ان محترمہ سے جس نے ہماری بی بی جان کے دل میں جگہ بنالی ہے گھر کر لیا ہے کیونکہ بی بی جان کو بڑی مشکل سے کوئی بھاتا ہے۔'' انابیہ نے خوش دلی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''بی بی جان آ گئی ہیں انشراح بڑی مشکل سے آنے پر راضی ہوئی ہیں آ نہیں رہی تھیں۔'' نوری کے پیچھے پیچھے سر کو قدرے جھکائے سر پر قرینے سے دوپٹے کو ٹکائے چھوٹے چھوٹے قدموں سے چلتی آ رہی تھی۔

دائم خان اور انابیہ کی نظر اس میدے جیسی رنگت والے چہرے پر اٹک کر رہ گئی تھیں، آنکھوں میں حیرانگی در حیرانگی اور خوشی غم کے ملے جلے رنگ پھوٹ پھوٹ کر باہر آ رہے تھے۔ دائم خان اور انابیہ نے انشراح کو دیکھنے کے بعد ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔

''دائم یہ تو......''

''ششش......'' دائم خان نے اشارے سے انابیہ کو آگے کچھ بولنے سے منع کر دیا تھا۔

''بی بی جان مجھے واقعی بھوک نہیں ہے۔'' جھجک کے مارے اس کی نظریں ہی اوپر اٹھ کے نہیں دے

رہی تھیں۔

''چپ کر کے بیٹھی رہو یہاں۔'' بی بی جان نے انشراح کا ٹھنڈا یخ بستہ ہاتھ تھاما اور اپنے پاس والی خالی نشست پر بٹھا لیا تھا۔

''دیکھو یہ ہے میری پوتی انابیہ۔''

''السلام علیکم!'' انشراح نے گھبراتے جھجکتے ہوئے گلابی آنکھیں اوپر کو اٹھائی تھیں۔

''وعلیکم السلام!'' انابیہ نے پرشوخ نظروں سے دیکھا تھا لبوں پر کسی کے لیے پرسکون بھری مسکراہٹ تھی اور یہی حال برابر میں بیٹھے دائم خان کا بھی تھا۔

بی بی جان نے ہی انشراح کی پلیٹ تیار کی تھی۔

رائب ملک لیپ ٹاپ کھولے بزنس کی کوئی فائل سرچ کر رہا تھا کہ اسی دوران اس کا موبائل بجنے لگا تھا۔ رائب ملک نے لیپ ٹاپ کی اسکرین سے نظریں ہٹا کے ٹیبل پر رکھا اپنا فون دیکھا تھا، جہاں چمکتی اسکرین پر دائم کی تصویر جھلملا رہی تھی، رائب ملک نے لیپ ٹاپ سائیڈ میں رکھا اور موبائل فون اٹھا لیا۔

''زہے نصیب آج تمہیں کیسے میری یاد آ گئی۔'' رائب ملک نے فون آن کر کے کان سے لگا کر سب سے پہلے یہی شکوہ کیا تھا۔

''پھر کوئی پرابلم کر دی انابیہ نے یا شاید کوئی کھلا بے باک جملہ بول دیا ہوگا یا شاید زور سے ہنس کے تم سے اپنی محبت کا کھلے عام اظہار کر دیا ہوگا یا پھر وہاں باہر تمہارا ہاتھ پکڑ لیا ہوگا مگر یار وہاں تو یہ سب کھلے عام ہوتا ہے کوئی معیوب بات نہیں وہ ان کا کلچر ہے جہاں تم ہنی مون منانے کینیڈا گئے ہو یا پھر......''

''اگر تم اپنی بک بک بند کرو گے یا اپنی شکایتوں کی پٹاری بند کرو گے تو میں کچھ عرض کروں۔'' دائم کا نہایت سلگتا بھڑکتا جواب آیا تھا۔

''ارے ٹھنڈے سرد ملک میں گئے ہو مگر ایسا محسوس ہو رہا ہے دہکتے انگاروں پر بیٹھے ہو، کہیں ایسا تو نہیں کہ تم سے پہلے انابیہ نے محبت کا عملی اظہار کر دیا ہے۔'' رائب ملک خوب مزے لے رہا تھا دائم کے سلگتے بھڑکتے لب و لہجے کا۔

''رائب! اب اگر کوئی بکواس کی تو میں موبائل سے نکل کر تجھے مار دوں گا۔'' تپا ہوا جواب۔

''ہاہاہاہا۔'' رائب ملک زوردار ہنسی چھوٹ پڑی۔

''اور تیری اطلاع کے لیے عرض ہے کہ ہم آج شام کی فلائٹ سے پاکستان آ چکے ہیں اور اس وقت میں گھر میں ہوں اور جو زبردست سی نیوز سنانے والا تھا اب قطعی نہیں سناؤں گا جا انتظار کر اس سرپرائز کا کل تک جو میں ابھی دینے والا تھا۔'' دائم نے انشراح کی مل جانے والی نیوز فی الحال کینسل کر دی تھی۔

''ارے کہیں وہ گڈ نیوز وہ تو نہیں۔'' رائب ملک نے سسپنس پھیلایا۔

''کون سی؟''

''یہی کہ تو ماں بننے والا ہے۔''

دائم کی بوکھلاہٹ، انابیہ کی دیدہ دلیری میں کہا گیا اظہار پسندیدگی اظہار محبت اس پر دائم کی جھنجھلاہٹ اس کی گھوریاں انابیہ اور رائب ملک تو خوب انجوائے کرتے تھے۔ اس وقت بھی رائب ملک کو وہ پرانا وقت

یاد آ گیا تھا دائم کی فون پر اس کی حس ظرافت اندر سے عود کر آئی تھی، اتنے دنوں سے ٹینشن میں تھا انشراح کو لے کر پریشان تھا مگر دائم کی باتوں نے تھوڑا ریلیکس کر دیا تھا۔

''رائب۔'' دائم دانتوں کو بھینچتا ہوا زور سے بولا تھا، رائب ملک کا قہقہہ ایک بار پھر دائم کو سرتاپا سلگا گیا تھا۔

''ہنستا رہے مگر اب تو وہ سرپرائز ایک ہفتے سے پہلے قطعی نہیں ملنے کا۔'' اور پھر دائم نے موبائل ہی آف کر دیا، رائب نے فون کرنا بھی چاہا مگر دائم نے نہیں اٹھایا۔

''او مطلب ناراضی چلو کوئی بات نہیں جا کر مناتے ہیں۔'' رائب ملک نے فون میں ٹائم دیکھا جہاں ابھی صرف ساڑھے نو ہی بجے تھے، مطلب زیادہ وقت نہیں ہوا، گاڑی کی چابی اٹھائی اور باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔

''بی بی جان! یہ سارے موتیے کے پھول تو مرجھا گئے ہیں۔'' انشراح نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے بڑی سی پلیٹ اٹھائی جس میں وہ ہر روز صبح فجر کی نماز و قرآن کی تلاوت کر کے اس بنگلے کے بڑے سے لان میں آ جایا کرتی تھی اور موتیے کے ڈھیر سارے پھول و کلیاں باسکٹ میں اکٹھی کر کے بی بی جان کے کمرے میں لے آتی تھی ان کی بھینی بھینی خوشبو سے پورا کمرہ معطر ہو جاتا تھا۔

''ہاں تم یوں کرو انہیں واپس اسی پودے کی مٹی میں ڈال کے آ جاؤ تاکہ اس کے بیج کھاد میں مل کر مزید اور پودے اگائیں۔'' بی بی جان جواب سونے کی تیاری کر رہی تھیں۔ انشراح کو مسکرا کے دیکھنے لگیں۔

''جی بہتر!'' انشراح نے وہ پلیٹ اٹھائی اور باہر کی جانب بڑھی تھی۔

رائب ملک کی گاڑی کے ہارن پر چوکیدار نے جھٹ دروازہ کھولا۔

''سلام صاحب جی۔''

''وعلیکم السلام! دائم اور انابیہ ہیں۔''

''جی ہیں۔'' چوکیدار نے مودب ہو کر بتایا۔

''اوکے۔''

رائب ملک اندر کی جانب بڑھا، دونوں ہی اپنی اپنی سوچوں میں گم ایک دوسرے کے سامنے سے چلے آ رہے تھے، نتیجہ یہ نکلا کہ تصادم زوردار مگر زبردست تھا، انشراح کے ہاتھ سے سوکھے موتیے کے پھولوں کی پلیٹ جو چھوٹی لیکن اگر مقابل ٹکراتے شخص نے اس کے گرد اپنے مضبوط کسرتی بازوؤں کا حصار نہ کھینچا ہوتا تو وہ زمین پر بے ہوش پڑی ہوتی۔

''انشراح۔'' رائب ملک کی روشن براؤن کانچ میں ایک زمانے کی چمک چمکی تھی، انشراح سامنے کھڑی ایک حقیقت تھی یا کوئی خوب صورت خواب، کس پر یقین کرے، یقین پر یقین کیسے آئے کیسے وہ مان لے کہ ہاں اس کی محبت اس کا جنون اس کو مل گیا ہے۔ رائب ملک نے انشراح کی میدے جیسی رنگت والے چہرے کو بغور تکا اور پھر ہاتھ بڑھا کر اس کے رخسار پر ہتھیلی پھیری۔

انشراح کو تو گویا ہزار والٹ کا کرنٹ لگا ہو اس نے رائب ملک کا ہاتھ بری طرح جھٹکا خود کو اس کی بانہوں سے آزاد کرایا اور اندر بھاگ گئی تھی۔

''انشراح! بات سنو۔'' رائب ملک بھی اس کے پیچھے بڑے بڑے ڈگ بھرتا اندر آیا تھا مگر جانے وہ کس کمرے میں گم ہو گئی تھی۔

''اف کہاں چلی گئی دائم...... ہاں دائم کو فون کروں۔'' رائب ملک نے دائم کو فون کیا جو کہ ایک دو بیل کے بعد اٹھا لیا گیا تھا۔

''سسپنس برداشت نہیں ہو رہا نا۔''

''سسپنس کے بچے باہر ہال میں آ میں یہاں موجود ہوں۔''

''واٹ۔''

''دائم باہر آ رہا ہے یا میں دندناتا ہوا تیرے بیڈ روم میں آؤں پھر مجھ سے شکایت مت کرنا کہ اطلاع نہیں دی۔''

''پاگل ہوا ہے کیا میں آ رہا ہوں۔'' دائم نے فون آف کر دیا۔

''کیا ہوا کس کا فون ہے۔'' انابیہ جو پنک نائٹی پہن کر لیٹنے کی تیاری کر رہی تھی۔ دائم کے چلانے پر اس کو دیکھنے لگی۔

''باہر ہال میں رائب آیا ہے۔''

''واٹ اس وقت...... تم نے انشراح کے بارے میں بتا دیا تھا۔''

''نہیں یار! وہ اتنی بکواس کر رہا تھا میں نے کہا اب ایک ہفتے بعد ہی بتاؤں گا۔'' دائم کے انداز میں کچھ تو ایسا تھا کہ انابیہ چونک کر رہ گئی تھی۔

''دائم۔''

''ہوں۔'' دائم جاتے جاتے رکا تھا اور پیچھے پلٹ کر دیکھنے لگا۔

''رائب نے ایسا کیا کہہ دیا جو تمہارے چہرے پر اتنی لالی ہے۔'' انابیہ نے مسکراتے ہوئے چھیڑا تھا ان تینوں کا ساتھ بورڈنگ سے یونیورسٹی تک تھا تو تینوں ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح جانتے تھے مگر انابیہ اور رائب کی بہ نسبت دائم ذرا شرمیلا سا تھا۔ لڑکیوں کی طرف تو نظر بھی اٹھا کے نہیں دیکھتا تھا۔ شرمیلا سا دائم خان کب انابیہ کے دل میں سما گیا وہ سمجھ ہی نہیں سکی کتنی بار تو وہ اقرارِ محبت کر چکی تھی جو دائم کی طبیعت پر گراں گزرتا تھا وہ رائب ملک سے انابیہ کی شکایت کرتا پھر دونوں خوب مل کر اس کا ریکارڈ لگاتے تھے۔

''بتاؤ نا۔'' وہ اس کے قریب آ کر اس کے کان میں دھیرے سے سرگوشی کرنے لگی۔ دائم نے اپنی پرسوچ نظریں انابیہ کے چہرے پر ڈالیں، جہاں شرارتوں کی ایک کہانی رقم تھی، لبوں پر شرارت ہی شرارت تھی، دائم نے نہایت گھور کے اس کو دیکھا تھا۔

''شرافت سے اگر آنا ہے تو چینج کر کے ہال میں آ جاؤ ورنہ کوئی بھی فضول بات کیے بغیر سو جاؤ۔'' دائم تپتا ہوا باہر نکل گیا، پیچھے انابیہ کا قہقہہ دائم کے کانوں میں پڑا تھا۔

دائم ہال میں انٹر ہوا جہاں رائب ملک بڑی بے صبری سے اس کا ویٹ کر رہا تھا، بے چینی سے اِدھر سے اُدھر چکر کاٹ رہا تھا۔

''او میرے بھائی دیکھ زمین میں گڑھا ہو گیا۔''

''ساری فضول بکواس کو ایک طرف رکھ کے مجھے انشراح کے بارے میں بتا جلدی۔'' رائب ملک نے دوٹوک لہجے میں کہا تھا۔

''ایسے کیسے، آرام سے بیٹھ پھر تفصیل سے بتاتا ہوں۔'' اب باری اس کی تھی بدلے لینے کا موقع ہاتھ لگ گیا تھا۔

''یار! اگر بدلہ لینے کا سوچ رہا ہے تو فی الحال کینسل کر دے ابھی تو میری پچویشن سمجھ نہیں سکتا میں کس قدر ٹینشن میں ہوں۔''

''ہاہاہا۔'' دائم کا قہقہہ پورے ہال میں گونجا تھا۔

''کیوں ستا رہے ہو دائم۔''

''انابیہ اپنے میاں کو سمجھا لو ورنہ یہ میرے ہاتھوں ضائع ہو جائے گا۔''

''ہائے اللہ نہ کرے اتنی مشکلوں کوششوں سے تو یہ مجھے ملا ہے تم یوں کرو انشراح کا بیڈ روم اوپر ہے تم وہاں جا کر خود ساری معلومات اس سے لے لو کیونکہ ہمیں بھی کچھ نہیں پتا۔''

''تھینکس یار! بہن ہو تو تم جیسی ورنہ دغا دینے والے دوستوں کی تعداد بہت ہے۔'' رائب ملک نے طنزیہ نظروں سے دائم کو دیکھا اور بغیر ٹائم ضائع کیے اوپر کی جانب بڑھا۔

دائم نے مسکراتی ہوئی انابیہ کو گھورا اور خفا ہو کر اپنے بیڈ روم میں آنے لگا۔

''ارے میرے ناراض سیاں بات تو سنو۔'' انابیہ تیزی سے اس کی طرف بڑھی۔ رائب ملک نے بغیر ناک کیے دروازہ پورا کھول دیا تھا۔

''انشراح۔'' رائب ملک تیزی سے اس کے پاس آیا تھا اور اس کو تھاما تھا۔

انشراح جو بس لیٹنے ہی جا رہی تھی رائب ملک کے اس طرح پکڑنے پر دم سٹپٹا کے رہ گئی۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے چھوڑیں مجھے۔'' انشراح نے اس کے بازوؤں کو اپنے کندھے سے ہٹا کہ بری طرح جھٹکا تھا اور اس سے فاصلے پر جا کھڑی ہوئی۔

''انشراح تم نہیں جانتی ہو میں کس قدر پریشان رہا ہوں تمہارے لیے کتنا تلاش کیا جگہ جگہ ڈھونڈا نہ صبح دیکھی نہ شام۔ مگر خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ تم مل گئی ہو۔ اب ضد چھوڑو اور گھر چلو۔'' رائب ملک نے انشراح کے اس طرح جھٹکنے کو قطعی نظر انداز کیا اور ایک بار پھر اس کے پاس آیا اور اس کا نازک سا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں کی چوڑی ہتھیلیوں میں قید کر لیا تھا۔

''کون سے گھر کس کے گھر، پتا نہیں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔'' وہ اس کی چوڑی ہتھیلیوں سے اپنا ہاتھ نکالنے لگی مگر رائب ملک اب کے چھوڑنے کو راضی نہیں تھا۔

''انشراح! تم میری بیوی ہو اور جہاں میں رہ رہا ہوں وہی تمہارا گھر ہے۔''

''اب یہ کیا بکواس ہے میں آپ کی بیوی بھی ہو گئی آپ کا دماغ تو درست ہے جانے کون ہیں میں ابھی آپ کی بی بی جان سے شکایت کرتی ہوں۔'' انشراح نے اپنی کلائی پوری جان لگا کر چھڑا ہی لی تھی اور باہر جانے کے راستے کی طرف بڑھی کہ رائب ملک نے ایک ہی جست میں اس کو بازو سے پکڑ کے کھینچا تو وہ اس کے کسرتی سینے سے آ لگی تھی۔

”چھوڑیں۔“ انشراح اپنی دونوں ہتھیلیاں اس کے کسرتی سینے پر دھر کے اس کی بانہوں سے نکلنے کے لیے مچلنے لگی تھی کہ مقابل کے کسرتی بازو اس کی نازک مرمریں کمر پر سخت ہو گئے۔

”دماغ میرا نہیں تمہارا خراب ہے، سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتی ہو ماما جان میری شادی اپنی بھانجی سے کرانا چاہتی ہیں۔ وہ نہیں مانتی ہیں کہ میں نے کوئی نکاح کیا ہے اب تم میرے ساتھ گھر چلو مجھے اس عذاب سے چھٹکارا دلاؤ۔“ رائب ملک نے اس کی گلابی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

”کسی سے بھی شادی کریں میری بلا سے مگر اللہ کا واسطہ میری جان چھوڑ دیں۔“ وہ صحیح معنوں میں رائب ملک کی حرکتوں اور باتوں سے زچ ہو گئی تھی۔

”برداشت کر لو گی سوکن۔“ رائب ملک نے آرام سے کہا تھا۔

”کبھی بیوی کبھی سوکن آپ کا دماغ واقعی ٹھکانے پر نہیں ہے۔“

”اس کا مطلب ہے تم میرے ساتھ نہیں چل رہی ہو۔“ رائب مل نے اس ضدی سی لڑکی کو بغور تکا تھا۔

”قطعی نہیں۔“ انشراح نے زور دے کر کہا۔

”اور اگر میں زبردستی اٹھا کے لے جاؤں تب؟“

”کیا..... ایسے کیسے آپ زبردستی کر سکتے ہیں میرے ساتھ۔“ وہ بوکھلا کے رہ گئی۔ پوری جان بھی لگالی تب بھی وہ اس کو چھوڑنے کو راضی نہیں تھا۔

”کیوں نہیں کر سکتا بیوی ہو میری۔“

”مگر میں نہیں مانتی۔“

”میری جان نکاح ہوا ہے ہمارا کوئی مذاق نہیں۔“

”نکاح...... میں نہیں مانتی، چھوڑیں مجھے۔“

”تو کیسے مانو گی نکاح نامے کے پیپرز دیکھو گی تب تو مانو گی ناں۔“

”جب بھی نہیں مانوں گی آپ مجھے یوں بے وقوف نہیں بنا سکتے۔“

”نہیں میری کیا مجال کہ تمہیں بے وقوف بناؤں اللہ تعالیٰ پہلے ہی یہ کام باخوبی کر چکا ہے۔“

رائب ملک کی گرفت ہلکی سی ڈھیلی کیا پڑی انشراح ایک بار پھر اس کے حصار کی قید سے رہا ہو کر دور جا کھڑی ہوئی۔

”میں کہتی ہوں آپ یہاں سے چلے جائیں ورنہ میں آپ کو جان سے مار دوں گی۔“ انشراح نے انگشتِ شہادت اٹھا کے وارن کیا۔

”اتنی سی جان میں اتنا دم ہے۔“ رائب ملک نے نہایت بھرپور نظروں سے اس کا نازک سراپا دیکھا تھا۔ اس کے یوں دیکھنے پر انشراح جھینپ کر رہ گئی اور اپنی انگلی موڑے ہاتھ کو نیچے گرا لیا تھا۔

”اس کا مطلب ہے میں اس محاذ پر اکیلا کھڑا ہوں۔“ رائب ملک نے ایک لمبی سانس بھری اور ایک دو قدم آگے بڑھا۔ رائب ملک کے آگے بڑھنے پر انشراح تیزی سے پیچھے ہوئی تھی۔

”کوئی بات نہیں، مگر یاد رکھنا کہ تم مجھے بھلے ہی اکیلا کر رہی ہو مگر انشاءاللہ جیت میری ہی ہو گی اور اس جیت کا جشن میں پرجوش طریقے سے تمہارے ساتھ اکیلے مناؤں گا۔ راہ میں جو جو پتھر، کانٹے، تکلیفیں،

آئیں گی وہ سب میں اکیلا سہہ تو لوں گا مگر اس کا بدلہ اس کی قیمت میں تم سے سود سمیت وصول کروں گا۔''
اس سے پہلے کہ انشراح اور پیچھے ہوتی رائب ملک نے اپنا ہاتھ بڑھا کر اس کی نرم و نازک گلابی کلائی پکڑ کے ایک بار پھر اپنی جانب کھینچی تھی وہ توازن برداشت نہیں کر پائی اور اس سے ایک بار پھر آ کر لگی تھی۔

''انتظار کرنا میری جیت کا اور تیار کرنا خود کو میرے سنگ جشن منانے کے لیے۔'' بے خود ہو کر وہ اس کے گلابی چہرے پر جھکا اور اس کے گلابی رخسار پر اپنے دہکتے لب رکھ دیے۔

انشراح کا تو جیسے جسم کا پورا خون نچوڑ کے چہرے پر آ رکا ہو، رائب ملک نے اس منظر کو نہایت دلکشی سے دیکھا تھا، وہ اس خوب صورت منظر کو محفوظ کر لینا چاہتا تھا اس لیے اپنا سیل فون نکالا اور یہ دلکش جان لوٹ لینے والا منظر موبائل کے کیمرے میں محفوظ کر لیا۔

''گڈ نائٹ۔'' ایک آنکھ شرارت سے دباتا وہ باہر کی جانب بڑھ گیا۔

''کیا مصیبت ہے۔'' انشراح صحیح معنوں میں جھنجلا اٹھی تھی اور پھر جلدی سے واش روم بھاگی منہ دھونے کے لیے۔

☆......☆

''ارے لڑکی!'' اربش کچن کا بکھیڑا صاف کرنے جا رہی تھی آج دوپہر کو حویلی میں بہت سے مہمان آ گئے تھے تو برتنوں کا ڈھیر جمع ہو گیا تھا۔ زبیدہ جہاں جو اپنے آرام دہ کاؤچ پر بڑے شاہانہ انداز میں براجمان تھیں، ساتھ مہمانوں سے بھی باتیں چل رہی تھیں۔

''جی......'' اربش سر کو جھکائے مودب آ کر کھڑی ہوئی۔

''سب کے لیے سبز قہوہ بنا لاؤ الائچی ڈال کر۔''

''بے بے! میرے لیے چائے۔'' ایک مہمان لڑکی نے اپنی فرمائش دی۔

''بے بے! میں بھی سبز قہوہ نہیں پیوں گا سخت برا لگتا ہے۔ پورا حلق تک کڑوا ہو جاتا ہے۔''

''ارے بے بے یہ نئی نسل ہے نا انہیں کہاں منہ لگیں گی یہ سب چیزیں۔''

''ٹھیک کہتی ہو عابدہ تم!'' زبیدہ جہاں ہولے سے مسکرا دیں۔

''تو ابھی تک یہیں کھڑی ہے سنا نہیں تو نے سب نے اپنی اپنی فرمائش کی ہے چل جا گم کر اپنی شکل میرے سامنے سے۔'' زبیدہ جہاں نے غیض و غضب کی نظروں سے دیکھتے ہوئے صحیح معنوں میں اس کو جھاڑ دیا تھا۔

''جی بڑی سرکار!'' وہ تیزی سے کچن میں بھاگ گئی تھی۔

اس وسیع و عریض کچن میں کل سات چولہے لگے ہوئے تھے۔ ٹائیل اور خوبصورت اشیاء سے سجا یہ شاندار کچن بالکل امریکن کچن کی طرح ڈیکوریٹ کیا گیا تھا جہاں دنیا جہاں کی ہر کھانے پینے کی شے مہیا تھی۔ اوپر سے اس حویلی میں آئے دن کی مہمان نوازی ان کے لیے الگ الگ پسندیدہ ڈشز تیار کرنا ہر قسم کا ٹھنڈا مشروب تیار کرنا اور جو کچھ بچ جائے وہ سب سے پہلے ڈیرے پر ملازموں کو جاتا پھر حویلی کے ملازمین کھاتے۔ یہاں پلے بڑھے پالتو جانور کھاتے آخر میں اربش کی باری آتی۔ صبح تو جیسے تیسے چائے کے ساتھ سلائس کے دو پیس کھا لیے تھے مگر دوپہر میں جس طرح گھن چکر بنی تو دوپہر کے کھانے کا ہوش ہی

نہیں رہا۔ صبح سات بجے سے ایک روبوٹ کی طرح بس کام میں جو جتی ہوئی تھی تو دو گھڑی فرصت سے بیٹھنے کا نام ہی نہیں ملا پوری حویلی کی صفائی ستھرائی ناشتہ دوپہر کا لنچ بنانا تھک کر چور چور ہو گئی تھی۔ کمر تو اتنی سخت تختہ ہو گئی تھی جیسے ابھی ٹوٹ کے دو ٹکڑے ہو جائے گی۔ بھوک کی طلب جاگی تو سوچا برتن دھو کر تھوڑا بہت جو بچا ہو گا وہ کھا لے گی مگر نئی فرمائش منہ پھاڑے اس کی بے بسی کا مذاق اڑانے لگیں۔

''اربش! پہلے کچھ کھا لیتی۔'' رحمت بوا کو بہت ترس آ رہا تھا صبح سے ایک بے جان مشین کی طرح لگی ہوئی تھی اب نئی فرمائش کہ رات کا ڈنر بھی سب یہیں کریں گے۔ وہ چائے کے برتن دھو کے بیٹھی اور جلدی جلدی رات کے ڈنر کی تیاری کرنے لگی تھی۔

''نہیں رحمت بوا جلدی سے رات کے کھانے کی تیاری ہو جائے پھر آخر میں کچھ لوں گی۔'' اس کے نرم و نازک ملائم ہاتھ تیزی سے چلنے لگے تھے۔

''مما پانی۔'' عاکفہ کا چھوٹا بیٹا پانی مانگ رہا تھا۔

''اربش! جلدی سے پانی لے کر آ۔'' عاکفہ خود کو زحمت دیے بغیر وہیں سے تیز آواز میں چیخی تھی، اربش سارے کام ایک طرف رکھ کے فریج میں سے ٹھنڈے پانی کی بوتل نکالے گلاس میں پانی ڈالے باہر نکلی تھی۔ پیاز چولہے پر تلنے کے لیے چھوڑ دیا تھا۔ سارا دھیان وہاں بھی تھا اگر معمولی سی بھی جل گئی سارا قورمہ خراب ہو جائے گا۔

''یہ لیجیے پانی۔'' پانی دیتے ہوئے اس کا ہاتھ کانپ کر رہ گیا اور نتیجہ تھوڑا سا پانی چھلک کر عاکفہ کے بالوں پر گرا تھا۔

''بدتمیز جاہل گنوار۔'' عاکفہ نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ اور زناٹے دار تھپڑ اس کے چہرے پر مار دیا۔ وہ لڑکھڑا کر گرنے ہی لگی کہ پیچھے سے کسی نے اس کو گرنے سے روکا اربش نے مڑ کر دیکھا جہاں علی شاہ کھڑا تھا آج صبح سے جو اتنا اہتمام ہو رہا تھا وہ خاص علی شاہ کے لیے ہو رہا تھا جو ابھی آیا تھا۔

''عاکفہ آپی! یہ کیا برتاؤ ہے۔'' علی شاہ کو قطعی اچھا نہیں لگا تھا۔

''علی! تمہیں اس بدذات کی حمایت یا طرفداری کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' عاکفہ نے ناگوار نظروں سے علی شاہ کو دیکھتے ہوئے اربش کو گھورا تھا۔

سالار شاہ جو دونوں بازو پشت پر باندھے مغرور چال چلتا ہوا اندر آ رہا تھا اس کی نظروں سے بھی یہ منظر پوشیدہ نہیں رہ سکا تھا۔ ماحول میں یکدم سے خاموشی چھا گئی تھی، سب کی حیران نظریں علی شاہ پر تھیں تو کوئی سالار شاہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

سالار شاہ وہاں آ رکا تھا۔

''اس کو جتنی چاہے گالیاں دو، بے عزتی کرو، برا بھلا کہو، چلچلاتی دھوپ میں لان کی مرمت کرواؤ یا ٹھٹھرتی ٹھنڈ اور سردی میں ٹھنڈے یخ پانی سے بڑا سا صحن لابی دھلواؤ۔''

عاکفہ نے فخریہ نظروں سے سالار شاہ کو دیکھنے کے بعد علی شاہ کو طنزیہ نظروں سے دیکھا اور اشارتاً کہا کہ ''بابا سالار لالہ کو برا نہیں لگا۔'' علی شاہ نے بھی اس بات پر سالار شاہ کو بڑی عجیب نظروں سے دیکھا تھا۔

''لیکن......'' سالار شاہ نے اربش کے جھکے ہوئے سر کو دیکھنے کے بعد عاکفہ کو دیکھا۔

''مجھے اس کے جسم کے کسی بھی حصے پر کوئی زخم یا کوئی نشان نظر نہ آئے۔ بس اس بات کا خیال رکھنا سب۔''

''سالار لالہ۔'' عاکفہ نے کچھ کہنا چاہا کہ سالار شاہ نے ہاتھ کے اشارے سے اس کو کچھ بھی بولنے سے روک دیا۔

''جو مجھے کہنا تھا کہہ دیا آگے کسی بات کا سوال نہیں اٹھتا۔'' اور پھر سالار شاہ نہایت تیز نظروں سے اربش کے جھکے چہرے کو گھورتا ہوا نکلتا چلا گیا تھا۔

''اب تو یہاں کھڑی کیا ٹسوے بہا رہی ہے، دفع ہو یہاں سے۔'' زبیدہ جہاں نے اربش کو بری طرح لتاڑا تھا، اربش تقریباً بھاگتی ہوئی کچن کی جانب بھاگی تھی۔ علی شاہ نے نہایت دکھ بھری نظروں سے بھاگتی ہوئی اربش کو دیکھا تھا اور پھر عاکفہ کو دیکھ کر نفی میں اِدھر اُدھر گردن ہلاتا وہاں سے نکلتا چلا گیا تھا۔

''ہونہہ۔'' عاکفہ سر کو جھٹکتی ہوئی زبیدہ جہاں کے برابر میں آ بیٹھی تھی۔

''دیکھا بے بے! آپ نے سالار لالہ کو کس قدر نا گوار گزرا ہے اس جاہل غریب کو میرا مارنا۔''

''دل پر مت لو عاکفہ! اگر سالار نے ایسا کچھ کہا ہے تو یقیناً کوئی تو محرک اور وجہ ہوگی۔'' زبیدہ جہاں نے عاکفہ کو خود سے لگایا۔

''اور اس کی فکر تم مت کرو وہ حال کروں گی کہ موت بھی پناہ مانگے گی کولہو کے بیل کی طرح محنت مشقت نہ کرائی تو میں وڈیرے اکرام چوہدری کی دھی نہیں۔'' زبیدہ جہاں نے اپنے باپ کا نام لیتے ہوئے نفرت سے اربش کا ذکر کیا تھا۔

انتقام اور بدلے کی آگ جل چکی تھی اب دیکھنا تھا کہ کون کون جھلستا ہے کون کون اس آگ کی لپیٹ میں آتا ہے، کون ہارتا ہے اور کس کی جیت ہوتی ہے، زندگی کے اس داؤ پیچ میں کون اپنی زندگی سے جاتا ہے یہ اب وقت مقرر کرے گا کسے دعاؤں کا ثمر ملتا ہے تو کون بددعائیں، آہیں، اپنی جھولی میں سمیٹتا ہے، کسی کی سسکیاں صبر، برداشت کسی کا گھر تو کسی کا دل اجاڑ دیتی ہیں۔ کچھ طے نہیں بس حالات اپنی اپنی زبان بولیں گے اپنی اپنی بولیاں بولیں گے، انتظار انتظار۔

فقط وقت کی بے رحم چالیں اپنی چال چل چکی تھیں قدم بڑھا چکی تھیں، کس کا وجود، کس کی روح اور کس کی زندگی ان بے رحم، بے حس قدموں تلے روندا جاتا ہے یہ سب آنے والا وقت آنے والی گھڑی ہی جانتی تھی۔ اربش نے رات کے سارے برتن دھو لیے تھے۔ آج حویلی میں مہمانوں کی آمد کی وجہ سے اس کا کام بڑھ گیا تھا تو ایک گھنٹہ لیٹ آنے کی اجازت تھی بیڈ روم میں۔ کھانا سارا ختم ہو چکا تھا اس نے ساری پتیلیاں دھو دی تھیں اب اس کے کھانے کے لیے کچھ نہیں بچا تھا اور یہ بھی اجازت نہیں تھی کہ کھانا بننے کے بعد پھر سے کچھ نیا بنایا جائے، بلکہ چولہا جلانے تک کی اجازت نہیں تھی۔ پلیٹ میں تھوڑے سے بوائل چاول بچے تھے، اربش نے وہ پلیٹ اٹھالی اور زخمی زخمی نظروں سے وہ چاول دیکھنے لگی تھی، تھکن سے جوڑ جوڑ دکھ رہا تھا اور بھوک پر تھکن حاوی ہو چکی تھی، بھوک تو ایسا لگ رہا تھا جیسے مرگئی ہے وہ بھی کتنی ڈھیٹ ہڈی ہوگئی تھی نا کہ اتنی تھکاوٹ کے باوجود اس کی سانسیں چل رہی تھیں، دل دھڑک رہا تھا۔ وہ زندہ تھی۔

''میں تمہارے کے لیے کچھ بنا دوں۔''

''اوں...... ہوں۔'' وہ پر سوچ نظروں سے چاول کو دیکھ رہی تھی رحمت کی آواز پر چونک کر رہ گئی۔

''نہیں میں یہی کھالوں گی۔'' اربش نیچے بیٹھ گئی یہ جگہ کھانے کے لیے پہلے ہی متعین کر دی گئی تھی۔

اربش نے ابھی ایک دو چمچے ہی کھائیں ہوں گے کہ ٹہلتا ہوا سالار شاہ وہاں آ ٹھہرا تھا اور چلتا ہوا ایک چیئر لیے اربش کے پاس ہی رکھ دی اور خود اس چیئر پر اس طرح ٹانگ پر ٹانگ رکھ کے براجمان ہوا کہ اس کی پشاوری چپل کی نوک اربش کے ماتھے سے آدھے انچ کے فاصلے پر رکی تھی۔

''تو خالی چاول کھا رہی ہے سالن وغیرہ ختم ہوگیا ہے کیا۔'' سالار شاہ نے عام سے انداز میں پوچھا تھا مگر رحمت کو یہ گمان ہوا کہ سالار شاہ فکر مند ہوگیا ہے، اس لیے وہ جلدی سے بولی تھی۔

''جی بڑے سائیں سالن سارا ختم ہوگیا ہے اگر......''

''چہ...... چہ...... رحمت کیبنٹ سے لال پسی مرچ کا جار نکال۔''

''جی!'' وہ حیرت زدہ ہوگئی۔

''کم سنائی دیتا ہے تجھے۔'' سالار شاہ بڑی بڑی آنکھوں سے گھورنے لگا تھا۔ اس سے پہلے کہ اس کی شامت آتی اس نے کیبنٹ سے لال پسی مرچ کا کانچ کا جار نکالا۔

''اب اس کو کھول اور ان چاولوں میں یہ لال مرچ انڈیل دے۔''

''جی!''

رحمت دکھ و تاسف سے اربش کو دیکھنے لگی جو کچن کے ٹھنڈے ماربل کے فرش پر رکھی بوائل چاول کی پلیٹ دیکھنے لگی تھی۔

رحمت نے جار کا ڈھکن کھول دیا اور ایک چمچ لال مرچ کا ڈال دیا۔

''پوری بوتل انڈیل دے۔'' رحمت کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور وہ پوری بوتل ان بوائل چاولوں میں انڈیل چکی تھی۔

''کھا اس کو۔''

رحمت نے مرچ اور چاول مکس کر دیا تھا۔ اربش کا چہرہ شدتِ غم سے سرخ ہوگیا تھا۔ وہ مرچیں نہیں کھاتی تھی اپنے گھر میں بھی اماں اس کے لیے صرف ایک دو کالی مرچ ڈال کے کھانا بنایا کرتی تھیں جس کو اگر تیز چٹ پٹا کھانا ہوتا تو وہ چاٹ مصالحہ ڈال کے کھا سکتا تھا مگر اب...... اب وہ کیا کرے...... کیسے کھائے مگر کھائے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔''

حکم مل گیا تھا۔ جس کی اسے ہر صورت تعمیل کرنی تھی۔

ایک لقمہ۔

دوسرا نوالہ۔

اور پھر سخت جان بے ہر احساس سے عاری وہ پانچ منٹ میں پوری پلیٹ صاف کر چکی تھی۔ آنکھوں سے زار و قطار پانی تھا یا اپنی بدقسمتی پر بہتے آنسو جو بھی تھا اس بات سے یہ تو ظاہر تھا کہ اربش کے اندر تک ایک بھڑکتی ہوئی آگ لگ چکی ہے جو اس کو خاکستر کر رہی ہے۔

سالار شاہ نے فاتحانہ نظروں سے اربش کا سرخ چہرہ دیکھا تھا جیت کا نشہ آنکھوں میں بھرے وہ چیئر سے

کھڑا ہوا تھا۔ کچن سے باہر جانے لگا کہ واپس پلٹا، اربش کو نہ ختم ہونے والا کھانسی کا دورہ پڑ چکا تھا۔ منہ پر ہاتھ رکھے وہ بری طرح کھانس رہی تھی رحمت فریج سے جلدی سے ٹھنڈا پانی گلاس میں بھر کے لے آئی تھی اور اس کے سرخ ہونٹوں سے لگا دیا۔

''رحمت۔''

''جی بڑے سائیں۔'' رحمت خوفزدہ ہوگئی۔ ڈر کے مارے پانی کا گلاس بھی نیچے گر گیا تھا۔

''اس کو میٹھا دودھ یا گڑ کا حلوہ بنا کے کھلا مجھے رات کو پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔'' سالار شاہ کی اشارے میں کی گئی بات رحمت اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔

''جی بڑے سائیں۔'' وہ تو نوکر تھے حکم کے غلام اور حکم عدولی کرنے کا مطلب عبرتناک دردناک سزا جو وہ ہی نہیں ان کی سات پشتیں بھی سہتیں۔

سالار شاہ اپنی بات کہہ کر رکا نہیں تھا سیدھا نکلتا چلا گیا۔

کڑا اور سخت امتحان تو اس کا اب شروع ہونے والا تھا۔ یہ تو دن بھر کی جسمانی محنت تھی مگر پوری رات اس کے جسم پر اس کی روح پر جو گھاؤ لگائے جائیں گے وہ تھکن وہ تھکاوٹ کیسے کم ہوگی۔ لمحہ لمحہ اذیت بھرا پل سالار شاہ اسے دیتا اس کی نسوانیت پر جو ضربیں لگتیں اس کا کیا علاج ہوتا کیا مداوا ہوتا۔

''یہ لے یہ گڑ اور شکر کا دودھ ہے پی لے میں نے اس میں ستو کا پاؤڈر بھی ڈال دیا ہے تم کو اندر تک ٹھنڈک کا احساس دے گا۔'' رحمت بڑا سا گلاس بھر کے لے آئی تھی۔

''نہیں رحمت، میرا دل نہیں ہے۔'' اربش نے رحمت کا ہاتھ پرے کیا۔

''اپنے لیے نہیں اربش بڑے سائیں کے لیے تم کو یہ میٹھا زہر اپنے حلق میں اتارنا ہی ہوگا۔'' رحمت نے زبردستی وہ گلاس اس کے لبوں سے لگا دیا تھا۔ اس کی ساری ہمدردی اربش کے ساتھ تھی مگر وہ مجبور تھی ہمدردی یا تسلی کے دو بول بھی نہیں بول سکتی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد سرخ کلر کی دیدہ زیب نائٹی میں وہ سالار شاہ کے سامنے تھی۔ اس نائٹی کا گلا اس قدر ڈیپ تھا کہ اس نے اپنا کاٹن کا پرنٹیڈ دوپٹہ پورا پھیلا کے اوڑھ لیا تھا، گھبرائی، ڈری سہمی وہ بیڈ کے پاس آ کھڑی ہوئی تھی، سالار شاہ جو بیڈ پر نیم دراز اپنے سیل فون میں کچھ دیکھ رہا تھا اربش کے آنے پر فون سائیڈ میں رکھے اوپر سے نیچے تک اس کا کپکپاتا سراپا دیکھنے لگا تھا، سرخ کلر کی دیدہ زیب نائٹی میں اس نے بڑا سا دوپٹہ اوڑھ لیا تھا۔ اہتمام سے کیا گیا میک اپ کھلے گولڈن بال اس کے جسم سے پھوٹی پرفیوم کی خوشبو اس معصوم کی معصومیت کو پیروں تلے روندنے میں دل کو تسکین ملے گی سرور ملے گا، روح کو سکون ملے گا، سالار شاہ کے اندر کا حیوان پوری طرح بیدار تھا۔ بس ہاتھ بڑھا کر اس شکار کو اپنے مضبوط شکنجے میں جکڑنا تھا۔

سالار شاہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کے جسم پر ڈھانپا دوپٹہ ایک جھٹکے سے کھینچا تھا اور سائیڈ میں پھینک دیا تھا اور اس سے پہلے کہ وہ اپنا دوپٹہ لینے آگے بڑھتی سالار شاہ نے اس کے کھلے گولڈن شہد آگیں بالوں کو مٹھی میں زور سے جکڑ کے اپنی سمت کھینچا تھا۔ وہ بے چاری کمزور بے بس اپنا توازن برداشت نہیں کر سکی اور اس درندے کی درندگی، بربریت کا شکار ہوگئی تھی۔

(جاری ہے)

جیا قریشی

کہانی محبت کی

"اب اگر آ ہی گئی ہو تو منہ تو ٹھیک کر لو یوں لگ رہا ہے میں تمہیں زبردستی کڈنیپ کر کے لے جا رہی ہوں"۔ اقراء ٹیکسی میں بیٹھتے ہی اس سے مخاطب ہوئی تھی۔



"کسر تو بس یہی رہ گئی تھی"۔ وہ بے زاری سے منہ ہی منہ بڑبڑائی۔

"میں نے تمہیں کہا تھا تھوڑا تیار ہو جانا مگر تم تو یوں اٹھ آئی ہو جیسے ہم کسی کنسرٹ میں نہیں میلاد میں جا رہے ہیں"۔ فیس کو آئینے میں اپنی آنکھوں کو مختلف زاویوں سے دیکھتے اس نے بیگ سے مسکارا نکالا تھا۔

سنگ کر فارحہ نے اپنے حلیے پر ایک نظر ڈالی تھی سیاہ کاٹن کے سوٹ پر سرخ دھاگے سے خوبصورت کڑھائی ہوئی تھی جو اس کی ماں کی مرہون منت تھی ساتھ میں سرخ و سیاہ پرنٹڈ شیفون کا دوپٹہ تھا جو تھا تو کسی اور سوٹ کے ساتھ کا مگر اس سوٹ کے ساتھ بھی میچ ہو گیا تھا آنکھوں میں خوب کاجل ڈالا گیا تھا جانے کیا تھا ان تینوں بہنوں کو کاجل سے خاصا شغف تھا شاید امی نے بچپن سے کاجل لگا لگا ان کی عادت بنا دی تھی اس کا صاف شفاف چہرہ مزید کسی بھی قسم کی آرائش سے پاک تھا بال نم ہونے کے باعث باف کیچر میں مقید پشت پر بکھرے ہوئے

مکمل ناول



تھے اقراء میک اپ کو فائنل ٹچ دینے کے بعد اب بالوں میں برش کر رہی تھی جس تواتر سے وہ ایک کے بعد ایک چیزیں نکال رہی تھی فارحہ کو لگ رہا تھا اپنی پوری ڈریسنگ ٹیبل بیگ میں بھر لائی ہے برش بیگ میں رکھ کر وہ ایک بار پھر بیگ میں گھس گئی تھی ٹیکسی ڈرائیور بیک ویو مرر سے یہ دلچسپ نظارا دیکھ رہا تھا جو فارحہ کے لئے مزید کوفت کا باعث بن رہا تھا جبکہ اقراء لاپروائی سے مصروف تھی اور اس کا مصروف رہنا ہی ٹھیک تھا اگر جو اسے ڈرائیور کی حرکت کا علم ہوتا اس نے وہ لتے لینے تھے کہ ڈرائیور ساری زندگی یاد رکھتا وہ ایسی ہی لاپرواہ تھی انجام سے ناآشنا کود نے والی ایڈوینچرس پر اعتماد من موجی کچھ کر گزرنے سے قبل سوچنے کی فکر وہ کبھی نہیں کرتی تھی اور چار سال قبل تک فارحہ ابراہیم بھی مکمل اقراء فیضان کی طرح تو نہیں مگر کچھ کچھ اس کے جیسے ہی تھی مگر اب وہ قدرے ڈرپوک اور ہر قدم پھونک کر رکھنے والی ایک محتاط لڑکی بن چکی تھی۔

''یہ لو یہ لگاؤ''۔ اقراء نے اس کے ہاتھ میں گلوس تھمایا تھا۔

''نہیں بھئی مجھے تو تم معاف ہی رکھو''۔ کہتے ہوئے اس نے گلوس اس کے ہاتھ میں واپس پکڑانا چاہا تھا۔

''تم لگاتی ہو یا میں خود لگاؤں''۔ وہ اپنے ازلی دھونس بھرے لہجے میں بولی تھی اور اس سے کچھ بعید بھی نہ تھا وہ جو کہتی کر گزرتی تھی

''نہیں اقراء پلیز اس کا کلر بہت شارپ ہے''۔ اس نے واپس پکڑانا چاہا تھا مگر اسے قطعی موڈ میں دیکھ کر کومپیکٹ اس کے ہاتھ سے لے کر اس نے گلوس کا برش ہونٹوں سے مس کیا تھا اس نے بہت ہلکی تہہ لگائی تھی مگر تازہ سرخ چیری کے کلر کا بھڑکتا سرخ کلر اس کے ہونٹوں پر لگ کر مزید بھڑک اٹھا تھا اس نے ٹشو سے ہونٹ تھپ تھپا کر گلوس کم کرنا چاہا تھا۔

''خبردار جو تم نے ہٹانے یا کم کرنے کی کوشش بھی کی تو''۔ اقراء کا خونخوار لہجہ سماعتوں سے ٹکرایا تھا گہری سانس بھرتے اس نے ارادہ ترک کر دیا۔

''بی کانفیڈنٹ اینڈ بی بریو فاری''۔ بیگ کی زپ بند کرتے وہ پوری طرح فارحہ کی طرف متوجہ ہوئی ابھی کافی راستہ باقی تھا اور اقراء کا لیکچر شروع ہوا چاہتا تھا نا چاہتے ہوئے بھی فارحہ ابراہیم نے اسے سننے پر خود کو آمادہ کیا تھا۔

''حالات کیسے بھی ہوں فاری زندگی ایسے گھٹ گھٹ کے نہیں گزاری جاتی جیسے تم لوگ گزار رہے ہو حالات کو فیس کر کے اس کا مقابلہ کرنا سیکھو اس سے ڈرنا نہیں کسی کو اپنے اوپر اتنا حاوی ہی کیوں ہونے دیتے ہو تم لوگ''۔ وہ فارحہ کی ٹینشن سمجھ رہی تھی اس لئے سمجھا رہی تھی۔

''مقابلہ وہاں کیا جاتا ہے اقراء جہاں لوگ جنگ سے واقف ہوں اور ہم امن کا پرچم لہرانے والے لوگ ہیں''۔ وہ ہنسی تھی اور اس کی ہنسی سے اقراء کو تاؤ آ گیا تھا۔

''یہ کیوں نہیں کہتیں کہ تم بزدل ہو''۔

''تم ٹھیک کہتی ہو اس جنگ کو چھیڑ کر اسے نبھانے کا نہ ہم میں حوصلہ ہے اور نہ ہی طاقت اس لئے کنی کترا کے جائز ناجائز مان کر اس سے بچنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں''۔

''کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لینے سے اگر کوئی فائدہ ہو رہا ہو تو چلو ٹھیک ہے بندہ یہ کرتا ہوا اچھا بھی لگے میں یہ بات آنٹی کو بھی سمجھا سمجھا کے تھک چکی ہوں مگر تمہارے گھر میں ایک ثمن کے علاوہ کوئی بھی سمجھدار و عقل مند نہیں میں تمہیں بتا رہی ہوں فارحہ یہ تمہارا اور آنٹی کا جی حضوری کرنا کسی دن تمہیں ایسی جگہ پہنچا دے گا جہاں

آگے کنواں ہوگا اور پیچھے کھائی مجھے تمہاری اس مکار مامی کے تیور ٹھیک نہیں لگ رہے وہ ضرور اندر ہی اندر کوئی کھچڑی پکا رہی ہیں''۔ غصے میں بولتے بولتے وہ یکدم جذباتی ہوئی تھی۔

''باپ رے تم تو ڈرا رہی ہو''۔ اس کا موڈ بدلنے کو فارحہ زور سے ہنس پڑی تھی۔

''مرو تم بھاڑ میں جاؤ میری طرف سے یہاں میں تمہاری فکر میں گھل گھل کر آدھی رہ گئی ہوں اور تم منہ پھاڑ کر ہنس رہی ہو''۔ حسب توقع وہ چڑ گئی تھی۔

☆☆☆☆

اقراء کی یونیورسٹی ایک کنسرٹ آرگنائز کر رہی تھی جسے اقراء کسی صورت مس نہیں کرنا چاہتی تھی اس لئے کئی دن سے فارحہ کا دماغ چاٹ رہی تھی کہ وہ اس کے ساتھ کنسرٹ انجوائے کرنے چلے جبکہ وہ مسلسل انکاری تھی۔

''تم فضول ضد کر رہی ہو اقراء جانتی ہو نا مجھے یہ انجوائے منٹ کتنی مہنگی پڑ سکتی ہے''۔ وہ جھنجھلائی تھی جواباً اقراء اس کے ماموں مامی کی شان میں قصیدہ خوانی کرتے ہوئے طعنوں پر اتر آئی تھی۔

''اقراء پلیز یار ابھی اس وقت میں بزی ہوں بعد میں بات کرتے ہیں''۔ ایک نظر اپنے سامنے بیٹھے توجہ کے منتظر بچے کو دیکھتے ہوئے اس نے ٹالا تھا۔

''اب میں تم سے جیتی آنٹی سے بات کروں گی''۔ اس کی کھولتی ہوئی آواز سنائی دی تھی فون بیگ میں ڈالتے ہوئے وہ اپنے اسٹوڈنٹ کی طرف متوجہ ہوئی جس کی ماں کی چبھتی نظریں اپنی پشت پر وہ گذشتہ دس منٹ سے اقراء سے بات کرتے ہوئے محسوس کر رہی تھی تقریباً گھنٹہ بھر بعد جب وہ تھکی ہاری گھر میں داخل ہوئی تو اپنے گھر کے مختصر سے ڈرائنگ روم میں صوفے پر بیٹھی وہ زور و شور سے بول رہی تھی سامنے ہی قدرے تذبذب کے عالم میں امی بیٹھی تھیں فارحہ جانتی تھی کہ وہ اب اپنی شنوائی کر رہی ہے گی گہری سانس بھرتے وہ بھی امی کے برابر ٹکی تھی اس نے اس کی آمد کا کوئی خاص نوٹس نہیں لیا تھا ثمن اسے دیکھ کر پانی لے آئی تھی چند گھونٹ بھر کر گلاس ٹیبل پر دیکھتے ہوئے وہ ماں سے مخاطب ہوئی۔

''آپ بھی کس بے وقوف کی باتوں کو اتنی سیریسلی سن رہی ہیں''۔

''تم پلیز بیچ میں ٹانگ مت اڑاؤ میں اس وقت آنٹی سے ضروری بات کر رہی ہوں آنٹی آپ اس کی مت سنیں یہ تو صبح و شام اسکول و ٹیوشن کے بچوں کو پڑھا پڑھا کے سخت خشک و بور ہو چکی ہے شکل سے ہی کرخت ٹیچر لگنے لگی ہے آپ ذرا اس کی صورت دیکھیں ساری نزاہت اور شادابی کہیں کھو گئی ہے''۔ نان اسٹاپ بولتے اس نے ان کی توجہ دلائی تھی اور اس کی طرف دیکھتے ہوئے انہوں نے افسردگی سے گردن ہلا دی تھی۔

''وہ اقراء کو کچھ سخت کہنے والی تھی کہ ثمن اس کی بات کاٹتے اس کے برابر بیٹھی تھی''۔

''اس میں حرج ہی کیا ہے آپی کچھ ہی گھنٹوں کی تو بات ہے اور کل تو ویک اینڈ ہے ویسے بھی آپ کی چھٹی ہوگی چلی جائیں تھوڑا فریش ہو جائیں گی''۔

''اچھا اور ماموں''۔ وہ جو طنزیہ لہجے میں پھر کچھ کہنے لگی تھی کہ ثمن پھر بات کاٹ گئی تھی۔

''ماموں لوگوں کو کوئی کچھ بتائے گا تو پتہ چلے گا ناں اور اگر پتہ چل بھی گیا تو کیا زیادہ سے زیادہ کیا کریں گے چلا کر بیٹھ جائیں گے امی کی تربیت کو کوئی الزام دے دیں گے اپنے ناکردہ احسان جتائیں گے تو وہ تو یہ ویسے بھی کرتے رہتے ہیں آخر آپ لوگ ڈرنا کب چھوڑیں گے''۔ ثمن نے اچکا کر لاپرواہی سے کہتی وہ اس کی چودہ سالہ بہن ثمن تھی وہ اسے اور اس کے برابر بیٹھی صبا کو دیکھ کر رہ گئی وہ بولی تو کچھ نہیں تھی مگر ثمن سے

متفق نظر آرہی تھی۔

''او جیو میری شیرنی''۔ اقراء نے نعرہ لگاتے ہوئے ثمن کو لپٹا لیا تھا۔

''اب تو مان جائیں آنٹی مما مجھے اکیلے بھیجنے پر راضی نہیں مما کی وجہ سے پاپا میرے ساتھ چلنے کو تیار بیٹھے ہیں مگر آپ سوچیں سینما فلم دیکھنے جانا ہو یا کنسرٹ انجوائے کرنے اولاد ماں باپ سے کتنی بھی فرینک کیوں نہ ہو کیا ان کی موجودگی میں انجوائے کر سکتے ہیں''۔ وہ جس طرح رونی صورت بنا کر بولی تھی صبا اور ثمن قہقہہ لگا کر ہنس پڑیں جبکہ وہ اور الفت مسکرا دی تھیں۔

''اقراء آپی کنسرٹ میں جتنے بھی سنگرز آئیں آپ نے سب سے میرے لئے آٹوگراف لینا ہے میں اپنے دوستوں کو دکھاؤں گا''۔ سعد نے اپنی چھوٹی سی ڈائری اقراء کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تھا سعد ان تینوں سے چھوٹا ان کی امیدوں کا مرکز اور ان کا لاڈلا اکلوتا بھائی تھا۔

''ضرور سعدی میں لے آؤں گی''۔ اقراء نے پیار سے اس کے گھنے بال بگاڑے تھے۔

☆☆☆☆

ٹیکسی سے اترتے ہی اقراء نے اپنے دوستوں سے ان کی لوکیشن پتا کی تھی اور پھر فارحہ کا ہاتھ پکڑے تقریباً کھینچتی ہوئی ان کے بتائے مقام تک پہنچی تھی۔

''ہیلو ایوری ون''۔ ان لوگوں پر نظر پڑتے ہی وہ دور سے ہاتھ ہلاتی چلاتی ان تک پہنچی تھی۔

''اچھا تو یہ ہیں فارحہ''۔ بیک وقت کئی آوازیں ابھریں ان سب کی نظریں فارحہ پر ہی جمی ہوئی تھیں جس طرح وہ لوگ اسے پہچان گئے تھے وہ جان گئی تھی کہ ان لوگوں سے غائبانہ طور پر متعارف ہے۔

''ہاں یہ ہے فارحہ میری ڈیئرسٹ اینڈ بیسٹ فرینڈ''۔ اقراء ان سے تقریباً چمٹی تھی۔

''ہیلو''۔ اس کا ہیلو بھی اس کی مسکراہٹ کی طرح بے حد مدھم تھا۔

''فاری یہ ثمر بھائی ہیں''۔ ہم سے سینئر ہیں مگر سارہ کی بدولت ہمارے گروپ میں شامل ہیں۔

''بوتھ آر کزنز''۔ اس نے اپنے دائیں طرف کھڑے لڑکا لڑکی کی طرف اشارہ کیا تھا لڑکے نے نیلی جینز پر وائٹ اینڈ ریڈ پل اوور پہنا ہوا تھا زلفیں کندھوں تک بڑھی ہوئی تھی قدرے بڑھی ہوئی شیو اور ہاتھوں میں ریڈ بینڈ اپنے اس حلیے میں بھی وہ خاصا اسمارٹ اور گڈ لکنگ تھا مگر فارحہ نے خاصی ناگواری سے اسے اور اس کی گھٹنوں پر سے پھٹی جینز کو دیکھا تھا کچھ ایسا ہی حال لڑکی کا تھا وہ سیاہ ٹی شرٹ اور سرخ جینز میں ملبوس ہاتھوں میں انواع واقسام کے بینڈ گلے میں جھولتی لمبی سی زنجیر بالوں کی اونچی سی پونی بنا کر رکھی تھی ماتھے پر کٹے ہوئے بال ترچھے گر رہے تھے جنہیں وہ ایک اسٹائل سے بار بار دائیں طرف کر رہی تھی۔

''ہائے''۔ لڑکے نے ہینڈ شیک کے لئے ہاتھ بڑھایا تھا وہ قدرے گھبرا کر پیچھے ہٹی اس کے اس طرح پیچھے ہٹنے پر ان سب کے قہقہے بلند ہوئے تھے۔

''یہ ہاتھ بڑا نایاب ہے ثمر بھائی آپ اسے ایسے ہی نہیں تھام سکتے''۔ اقراء نے شوخی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر لہرایا تھا۔

''یہ نومی بھائی ہے یہ فیضی بھائی اور یہ اشوک بھائی''۔ اقراء نے تعارف مکمل کیا تھا نومی اور اشوک کے علاوہ اقراء کے باقی دوست کم و بیش ایک جیسے حلیے میں تھے وہ دونوں ہی قدرے بہتر حلیے میں تھے اسے اقراء کے دوست کچھ خاص پسند نہیں آئے تھے اور یہ بات اس نے نشست پر بیٹھتے ہی باور کرا دی تھی وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی تھی۔

''ان لوگوں کے ظاہر پر مت جاؤ فاری حقیقتاً یہ سب ہی بہت اچھے اور مخلص دوست ہیں سوائے اس ماڈل سارہ کے یہ کبھی کبھی اوور ہو جاتی ہے''۔

''صرف سارہ نہیں یہ سب کے سب اوور ہیں انکل آنٹی نے تمہیں ایسے نمونوں سے دوستی کی پرمیشن کیسے دے دی''۔

''مائنڈ یو فاری یہ میرے دوست ہیں ممی پاپا کے نہیں اور پھر یہ سب اچھی نیچر کے ہیں اور اچھی فیملیز سے بی لانگ کرتے ہیں خاص طور پر ثمر بھائی بالکل مجھے بھائیوں کی طرح عزیز ہیں''۔ اقراء سنجیدہ ہو گئی تھی۔

''یار ویسے تم بھائیوں کے بارے میں خاصی خود کفیل ہو تمہیں مزید بھائیوں کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں''۔ فارحہ کو کہنا پڑا تھا اقراء اپنے دو چھوٹے بھائیوں کی اکلوتی بہن تھی۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو یہ سب بھی شروع شروع میں میرے بھائی کہنے پر خاصے بدکتے تھے مگر اب عادی ہو گئے ہیں کیا کریں یار ممی نے تربیت ہی ایسی کی ہے کہ سب اپنے باپ بھائی ہیں''۔ وہ دونوں ہی ہنس پڑی تھیں۔ کتنے عرصے بعد اسے ایسا موقع ملا تھا جب وہ کھل کر انجوائے کر رہی تھی ورنہ بابا کی ناگہانی ڈیتھ نے اس پر ذمہ داریوں کا بار ڈالا تھا کسی تفریح بلکہ کسی بھی قسم کی تفریح کا لفظ ان کی زندگیوں سے حذف ہو گیا تھا ذمہ داریاں جو تھیں سو تھیں وہ خوش اسلوبی سے وہ بار اٹھائے ہوئے تھی مگر ماموں ممانی تو ان سے کھل کر سانس لینے کا حق بھی چھین لینا چاہتے تھا معاً اس کی نظر اپنے ہاتھ میں پہنی نازک سی گھڑی پر پڑی تھی گھڑی کی سوئیاں دس کا ہندسہ عبور کر رہی تھیں جلدی سے اس نے اپنا موبائل نکالا تھا وقفے وقفے سے امی کی چادر مس کالز تھیں جھومتی اقراء کے بازو کو زور سے جھنجھوڑتے اس نے موبائل کی اسکرین اس کے سامنے کی تھی اس کے دوست ادھر ادھر چلے تھے مگر وہ اس کے خیال سے اس کے ساتھ تھی۔

''کنسرٹ بس ختم ہی ہونے والا ہے پھر ڈنر کے بعد ثمر بھائی تمہیں ڈراپ کر دیں گے''۔ وہ اس کے کان میں تقریباً چیخ کر بولی تھی۔

''خدا کو مانو اقراء گھر پہنچتے پہنچتے ہمیں ویسے ہی گیارہ بج جائیں گے تمہیں ڈنر کی پڑی ہے''۔ وہ اسی کی طرح چیخی تھی اس کے ہاتھ سے موبائل لے کر اقراء نے گھنٹے ڈیڑھ گھنٹے میں پہنچنے کا لکھا تھا رش میں جگہ بناتی اس کا ہاتھ پکڑے نظروں میں اپنے دوستوں کو کھوجتی وہ اسے لئے قدرے دور آ گئی تھی یہاں شور کم تھا وہ موبائل پر اپنے دوستوں سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''ان لوگوں کو چھوڑو یار ہم چلتے ہیں آخر آئے بھی تو خود ہی تھے''۔ وہ بے چینی سے بولی اس کا دل انجانے اندیشوں سے سکڑ سمٹ رہا تھا جبھی دوسری طرف سے کال ریسیو کر لی گئی تھی۔

''ہیلو فیضی بھائی آپ لوگ کہاں ہیں؟ ثمر بھائی آپ کے ساتھ ہیں کیا؟ اچھا ٹھیک ہے پلیز انہیں ڈھونڈیں انہیں مجھے اور فارحہ کو ڈراپ کرنا تھا وہ لیٹ ہو رہی ہے ہم لوگ مین اینٹرنس والی سائیڈ پر ہیں''۔ ابھی پانچ منٹ بھی نہیں گزرے تھے فیضی اور اشوک آتے نظر آئے تھے۔

''نومی دیکھنے گیا ہے ثمر کو''۔ فیضی قریب آتے ہوئے بولا تھا وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

''فیضی بھائی آپ فارحہ کے ساتھ رہیئے گا اشوک بھائی آپ میرے ساتھ چلیں، میں آتی ہوں فاری''۔ اچانک کچھ یاد آنے پر وہ اندر کی طرف بڑھی۔

''تم کہاں جا رہی ہو''۔ فارحہ نے لپک کر اس کا بازو پکڑا۔

''سعدی نے آٹوگراف لانے کو کہا تھا بس بیک اسٹیج وہی لینے جا رہی ہوں''۔

''اقراء پلیز ویسے ہی بہت دیر ہو چکی ہے سعد کو میں سمجھا دوں گی''۔ وہ اس کا ہاتھ تھامے پریشانی سے بولی۔

''کچھ نہیں ہوتا یار ڈونٹ وری میں بس ابھی آئی اتنے میں ثمر بھائی بھی آجائیں گے''۔ وہ تسلی آمیز لہجے میں بولتی آگے بڑھ گئی تھی۔

''آپ اتنی پریشان کیوں ہیں؟'' فیض اسے دیکھتے ہوئے بولا جو بالکل رو دینے کو تھی اب وہ اسے کیا بتاتی سو نفی میں سر ہلاتی خود پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگی اس کے انداز پر وہ شانے اچکاتا اپنے فون میں بزی ہو گیا تھا امی سے بات کر کے وہ قدرے پرسکون ہو گئی تھی۔ یکدم پیچھے سے کسی نے اس کے بالوں سے کیچر کھینچا تھا جھٹکا کھا کر وہ تیزی سے مڑی تھی بال سوکھ جانے کے بعد جوڑے کی شکل میں لپیٹ کر اس نے کیچر لگا لیا تھا مگر اب وہی کیچر ثمر کے ہاتھ میں تھا اور اس کے بال آبشار کی صورت پشت پر بکھر گئے تھے۔ وہ خاصی بے یقینی سے اس کے ہاتھ میں موجود اپنے کیچر کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا بدتمیزی ہے یہ''۔ بے یقینی کی جگہ اشتعال و ناگواری نے لے لی تھی۔

''you are so beautiful and beauty is not so hide' آپ ایسے زیادہ اچھی لگ رہی ہیں''۔ وہ ہلکے سے مسکرایا تھا۔

''شٹ اپ، جسٹ شٹ اپ آپ نہایت ہی بے ہودہ اور بدتمیز انسان ہیں آپ کو کوئی تمیز چھو کر گزری ہے''۔ وہ غرائی تھی بس نہیں چل رہا تھا اس آوارہ انسان کا منہ تھپڑوں سے سرخ کر دے اپنے تیز ہوتے تنفس پر قابو پاتے وہ تیزی سے وہاں سے نکل گئی تھی تو نومی اس کے پیچھے لپکا تھا۔

''کیا یار ثمر ہر لڑکی فری نہیں ہوتی''۔ اس بدمزگی پر فیضی نے اسے ملامت بھری نظروں سے دیکھا تھا۔

''ہائیں یہ فارحہ کہاں چلی گئی''۔ قریب آتے ہوئے اقراء نے پوچھا تھا۔

''وہ کچھ ناراض ہوئی ہے نومی گیا ہے اس کے پیچھے''۔ فیضی نے کہا تھا۔

''ناراض مگر کیوں؟'' اس نے حیرانی سے ان لوگوں کو دیکھا تھا۔

''تمہاری ڈیئرسٹ فرینڈ کے بالوں سے کیچر ہی نکالا تھا ثمر نے جس پر وہ آپے سے باہر ہو کر چلی گئی ہے''۔ سارہ تیز چبھتے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

''وہاٹ؟'' حیران نظروں سے اس نے ثمر کے ہاتھوں میں فارحہ کا کیچر دیکھا تھا پھر تیزی سے جھپٹتے وہ باہر بھاگی تھی ثمر بھی اس کے پیچھے لپکا تھا۔

''ان لوگوں کو ڈراپ کر کے ریسٹورنٹ آجانا''۔ اپنے پیچھے اس نے اشوک کی آواز سنی تھی۔

''کوئی ضرورت نہیں ہے یہ ڈیوٹی دینے کی''۔ ساتھ ہی سارہ چلائی تھی۔ کچھ ہی دور وہ دونوں نظر آگئے تھے نومی اسے کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا جب کہ وہ مسلسل نفی میں سر ہلاتی ہاتھ سے آنسو صاف کرتی کچھ کہہ رہی تھی اقراء کو آگے جانے کا کہہ کر وہ گاڑی لینے پارکنگ کی طرف بڑھ گیا تھا، اقراء کے قریب جاتے ہی وہ اس پر الٹ پڑی تھی۔

''مجھے نہیں جانا اس شخص کے ساتھ''۔ اس کے گاڑی روکنے پر وہ بولی تھی۔

''پاگل مت بنو فاری پہلے ہی کافی دیر ہو چکی ہے اور یہاں سے کنوینس بھی مشکل سے ملتی ہے''۔ اقراء نے گھرکا اور وہ مجبور ہو گئی تھی نومی فرنٹ ڈور کھول کر بیٹھا اور اقراء اس کے ساتھ پیچھے بیٹھ گئی تھی۔

''آئی ایم سوری''۔ گاڑی آگے بڑھاتے اس نے بیک ویو مرر میں اسے دیکھا تھا جس پر اس نے کوئی توجہ دی تھی لب بھینچتے اس نے اپنی توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز کر دی وہ گلی کے آغاز پر ہی گاڑی رکوانا چاہتی تھی مگر ارسل اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھا دیکھ کر چپ بیٹھی رہ گئی اس کی طرف اس کی پشت تھی اس نے اسے نہیں دیکھا تھا اس نے دوپٹہ بھی کھینچ کر آگے تک کر لیا تھا مگر اس کے ایک دوست کی نظر اس پر پڑ گئی تھی۔

''ابے یار ارسل وہ دیکھ تیری کزن ہی ہے ناں''۔

''نہیں یار وہ اس وقت یہاں کہاں''۔ جب ہی وہ گاڑی سے نکلی تھی۔

''ایکسکیوزمی''۔ وہ دروازہ کھول کر باہر نکلا تھا وہ رک گئی تھی مگر پلٹی نہیں تھی اس کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا قدم من من بھر کے ہو گئے تھے اور جی چاہ رہا تھا کہ بھاگتی ہوئی گھر کے اندر گھس جائے۔

''میرا ارادہ آپ کو ہرٹ کرنے کا ہرگز نہیں تھا لیکن آپ ہرٹ ہوئی اس لئے سوری اگین''۔ سرد و سپاٹ لہجے میں بولتا وہ گاڑی میں جا بیٹھا تھا۔

''وہ گھر کے اندر داخل ہوئی تھی اور دروازہ بند کرتی سمن کو تقریباً دھکا دیتے ارسل بھی اس کے پیچھے ہی داخل ہوا تھا جس لمحے سے وہ ڈر رہی تھی وہ لمحہ آچکا تھا۔

☆☆☆☆

صبا نے فون پر روتے ہوئے اسے جو خبر سنائی تھی اس نے اس کے قدموں تلے سے زمین کھینچ لی تھی، اس نے تو تین دن بعد اسے کال کی تھی کہ اب اس کا غصہ اتر چکا ہوگا اسے کیا خبر تھی کہ اس کی عزیز از جان دوست پر قیامت ٹوٹ پڑی تھی وہ فوراً ہی امی پاپا کے ساتھ اس کے گھر پہنچی تھی اس پر تشدد کے نشان واضح تھے۔ اس رات ارسل نے اسے گھر میں گھستے ہی مارنا شروع کر دیا تھا کہ بتاؤ وہ دونوں لڑکے کون تھے اور وہ اتنی رات کو کہاں سے آرہی تھی اسے دونوں لڑکے تو نظر آگئے تھے مگر اقراء نظر نہیں آئی تھی یا آئی تو تھی مگر وہ اسے نظر انداز کر گیا تھا کہ بخار اس نکالنے سے اچھا موقع اسے پھر کب ملنا تھا وہ جو کسی مچھلی کی طرح ہر بار اس کے ہاتھ سے پھسل جاتی تھی اس کے بہن بھائی اس کے آگے ڈھال بن گئے تھے مگر ارسل نے پھر بھی اپنا جنون پورا کیا تھا، پورا محلہ گھر کے باہر جمع تھا کسی نے اس کے ماموں مامی کو اطلاع دی تھی دو تین گھر چھوڑ کر تو ان کا گھر تھا وہ بھی آپہنچے تھے مامی نے تو جو بولنا شروع کیا تھا پیچھے ماموں بھی نہیں رہے تھے الفت کے یہ کہنے پر کہ وہ ان کی اجازت سے گئی تھی اقراء کے ساتھ مامی نے گال پیٹنے شروع کر دیئے تھے۔

''لو بھئی ہم تو بھانجی کی غلطی سمجھ رہے تھے یہاں تو اماں ہی بے غیرت و بے شرم نکلیں اے الفت کب سے بلوا رہی ہے توبہ چکر''۔ بھاوج کی زبان تھی یا دو دھاری تلوار الفت شرم سے کٹ کر رہ گئیں۔

''خدا کا خوف کریں بھائی وہ اقراء کے ساتھ گئی تھی اپنی دوست کی شادی پر اقراء بھی ساتھ تھی''۔ جھوٹ بولتے ہوئے زبان لڑکھڑائی تھی مگر انہیں اپنی بیٹی کا دفاع کرنا تھا احساس بے بسی سے وہ رو پڑیں۔

''تمہاری بیٹی بہت بے لگام ہو گئی ہے الفت اسے لگام ڈالنی ضروری ہے جمعہ کو اس کا نکاح ہے ارسل کے ساتھ میں نہیں چاہتا کہ یہ ہمارے منہ پر مزید کوئی کالک ملے''۔ وہ تنفر سے بولے تھے جہاں ان کی بات نے ان سب کو شاک لگایا تھا وہیں ارسل پر شادی مرگ طاری ہو گیا تھا اس سے پہلے وہ کچھ بولتا اماں بیچ میں کود پڑی تھیں۔

''اے ارسل کیوں اس آوارہ کو اپنائے بات کرنی ہے تو شوبی کی کریں میرا اتنا لائق بچہ کیوں قربانی کا بکرا

بنے“۔ شوبی ان کا بڑا بیٹا تھا جو نیم پاگل تھا' ارسل ماں کے پلان پر دل میں عش عش کر اٹھا تھا' شوبی کی کیا اوقات تھی اس کے سامنے وہ ابھی مار مار کر اس کا بھرکس نکال دیتا تھا' وہ تو دسترس میں آ ہی جاتی۔

”خدا کے لئے بھائی ایسا ظلم نہ کریں“۔ الفت تڑپ اٹھیں وہ فیصلہ سنا چکے تھے شبانہ کا دماغ شیطان کا کارخانہ تھا فارحہ ساری عمر انہیں کما کما کر بھی کھلاتی اور ان کی اور ان کے بیٹے کی سیوا الگ کرتی اور واہ واہ جو ہوتی وہ الگ۔ محلے والوں تک رائی پہنچا دی گئی تھی' کہ ارسل اور اس کے دوستوں نے اسے دو لڑکوں کے ساتھ دیکھا ہے باقی پہاڑ انہوں نے خود کھڑا کر لیا تھا' کچھ ایسے بھی تھے جو پہلے بھی الفت اور ان کی بیٹیوں کی شرافت پر آنکھیں بند کر کے یقین کرتے تھے اور اب بھی ان کی شرافت کی قسمیں کھاتے تھے مگر مجبور تھے ان کے گھریلو معاملات میں بول نہیں سکتے تھے۔ واپسی کے سفر میں اقراء آنسو بہاتے اپنے آپ کو کوس رہی تھی۔

”سب میری وجہ سے ہوا ہے پاپا نا میں اسے اپنے ساتھ زبردستی لے کر جاتی نا یہ ہوتا میں اسے بزدلی کے طعنے دیتے ہوئے بہادری کے سبق پڑھایا کرتی تھی یہ سوچے بغیر کہ چپ رہنا اس کی بزدلی نہیں مجبوری تھی“۔

”مجھے بچالو اقراء پلیز مجھے بچالو ماموں مامی کو بتاؤ میں نے کچھ نہیں کیا وہ مجھ پر ایسا ظلم نہ کریں“۔ وہ اس سے لپٹ کر تڑپ تڑپ کر روئی تھی اس نے اس کے ماموں کو سمجھانے کی بھی کوشش کی تھی بتایا تھا کہ وہ اکیلی نہیں تھی پر اس کی مامی کی زبان سے جو جملے نکلے تھے پاپا اسے زبردستی گھر لے آئے کہ کچھ بھی تھا انہیں اپنی اور اپنی بیٹی کی عزت ہر چیز سے پیاری تھی ممی نے تو پہلے ہی گاڑی میں ہی وارن کیا تھا کہ وہ ان معاملات سے دور رہے۔

”ممی وہ میری بچپن کی دوست ہے“ وہ ٹوٹے دلگرفتہ لہجے میں بولی تھی۔

”ہم جانتے ہیں بچے کہ وہ تمہیں بہت عزیز ہے یہ بھی جانتے ہیں کہ وہ معصوم اور شریف ہے مگر ہم کر بھی کیا سکتے ہیں بات کر سکتے تھے اور وہ کر کے دیکھ لی حقیقت کیا ہے یہ وہ لوگ بھی بخوبی جانتے ہیں مگر بے ضمیر لوگ ہیں طے شدہ پلان کے تحت اسے پھنسا رہے ہیں“۔ فیضان بولے تھے اور یہ بھی حقیقت تھی اپنی طرف سے انہیں سمجھانے کی انہوں نے بھرپور کوشش کی تھی' وہ سر ہاتھوں میں گرائے بیٹھی تھی اس مسئلے کا حل سوچ رہی تھی اس سے تو وعدہ کر آئی تھی کہ اسے سولی نہیں چڑھنے دے گی کچھ سوچتے ہوئے اس نے کچھ دور پڑا اپنا موبائل سرعت سے اٹھایا اور تیزی سے نمبر ڈائل کیا تھا' یہاں سے وہاں ٹہلتی وہ بے چینی سے کال ریسیو ہونے کی منتظر تھی۔

”ہیلو ہیلو اویس بھائی میری فرینڈ ہے ناں فارحہ آپ اسے جانتے ہیں ناں؟ آپ اس سے شادی کر لیں وہ سخت مشکل میں ہے اسے مدد کی ضرورت ہے“۔ سلسلہ ملتے ہی وہ بلا تمہید نان اسٹاپ بولی تھی۔

”وہاٹ؟“ اویس جو اس کا پھوپی زاد تھا حیرت زدہ رہ گیا تھا۔

”تم مجھے اپریل فول بنا رہی ہو اقراء“۔ کچھ پل کے توقف کے بعد وہ زور سے ہنس پڑا تھا۔

”نو نو اویس بھائی آئی ایم ناٹ جوکنگ آئی ایم سیریس اسے واقعی مدد کی ضرورت ہے“۔

”کیا؟ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے اسے مدد کی ضرورت ہے تو میں کیا کروں“۔ اس کا غصہ عود آیا تھا۔

”پلیز پلیز اویس بھائی اگر محب اور شانی فارحہ کے قابل ہوتے اور اتنا زیادہ ایج ڈیفرنس نہ ہوتا تو میں آپ سے نہ کہتی“۔

”میں تمہارے کسی بے ہودہ ایڈونچر کا حصہ ہرگز نہیں بنوں گا اور یہ شادیاں کب سے کرانی شروع کر دی ہیں تم نے کیا کرتی پھر رہی ہو تم میں ابھی مامی کو فون کرتا ہوں کہ تمہارے حواس ٹھکانے لگائیں“۔ وہ اس کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھا اس لئے اسے جھڑک کر لائن کاٹ دی اس نے دوبارہ نمبر ڈائل کیا تھا مگر نمبر بزی تھا۔

”کیا سمجھایا تھا تمہیں تمہاری عقل میں کوئی بات نہیں سماتی ہے“۔ کچھ ہی منٹوں بعد دروازہ دھماکے سے کھلا تھا اور مسز فیضان شدید غصے میں اندر آئی تھیں۔

”یہ کیا بکواس کی ہے تم نے اویس سے؟ کیوں میرا ضبط آزمانے پر تلی ہوئی ہو؟ تمہارے باپ کے لاڈ پیار نے تمہاری مت ماردی ہے“۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس کا حلیہ بگاڑ دیں۔

”تم جانتی بھی ہو اویس تمہیں پسند کرتا ہے تمہاری پھپھو کئی بار تمہاری اور اویس کے رشتے کی بات کر چکی ہیں“۔ انہوں نے اسے بازو سے پکڑ کر جھنجھوڑا تھا وہ خاموش تھی۔

”اور اگر ایسی کوئی بات نہیں بھی ہوتی تو تم کیا اپنی پھپھو کا مزاج جانتی نہیں ہو کیا سوچ کر تم نے اویس سے یہ بات کی ہاں' شادی کے لئے صرف لڑکا لڑکی کا راضی ہونا معنی نہیں رکھتا فیملی بھی بہت ویلیو رکھتی ہے“۔ طنزیہ لہجے میں بولتیں وہ کمرے سے جا چکی تھیں۔

☆☆☆☆

الفت دوبارہ اسے دیکھنے آئی تھیں آنکھوں پر بازو رکھے وہ شاید سو رہی تھی مگر نہیں وہ تو اپنے بیتے کل کو یاد کر رہی تھی جب ان کے حالات ایسے نہیں تھے ابراہیم صاحب کی ناگہانی موت کے بعد وقت نے ایسی تیزی سے پلٹا کھایا تھا کہ ان کے حواس مختل ہو گئے اور وہ اپنے آپ کو وقت کے دھارے پر چھوڑنے پر مجبور ہو گئے تھے یہ وہی ماموں ممانی تھے جن کے وجود سے بھی محبت کے سوتے پھوٹا کرتے تھے وقت وقت کی بات تھی پہلے ان کی حیثیت ایسی نہ تھی آج ان کا پلڑا بھاری تھا اس کی آنکھوں سے آنسو قطرہ قطرہ گر رہے تھے بابا کی ڈیتھ کے بعد تایا ابو نے کتنا چاہا تھا کہ وہ اپنا گھر نہ بیچیں وہ ابراہیم کے کاروبار کی ذمہ داری اٹھانے کو بھی تیار تھے مگر جب ماموں ممانی نے ان کی ماں کو جیٹھ جٹھانی اور نندوں کی طرف سے ایسا بدظن کر دیا تھا کہ الفت نے ان کی ایک نہ مانی تھی ان کے کئی بار سمجھانے پر انہوں نے سخت رویہ اختیار کر لیا تھا وہ ہمیشہ بھائی بھابی کی محبت پر آنکھیں بند کر کے ایمان لائی تھیں اور بھائی نے دماغ میں شک کا کیڑا اکسا دیا تھا کہ سسرال والے ان کی املاک پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں اور ان کی املاک تھی کیا ایک مکان اور ایک گھر جس کی ان کے سسرال والوں کو قطعاً ضرورت نہ تھی ہاں بھائی کو ضرور تھی اور یہ بات ان کو جب سمجھ آئی تب پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔

ان کا ڈبل اسٹوری بنا ہوا گھر اچھے علاقے میں واقع تھا جسے بیچ کر ماموں نے اپنے محلے میں دو کمروں اور ایک ڈرائنگ روم پر مشتمل گھر ان کے لئے خریدا تھا' گھر کو دیکھ کر فارحہ کا ماتھا پہلی بار ٹھنکا تھا اس نے ماں سے دبے لفظوں میں اپنی الجھن کا ذکر کیا تھا اور بھائی کی محبت میں ڈوبی ماں نے اسے ماموں پر شک کرنے پر بری طرح شرمندہ کر دیا تھا ان کے شوہر ابراہیم کی مین الیکٹرانک مارکیٹ میں الیکٹرانک گڈز کی دکان تھی جسے ان کے بھائی نے کرائے پر دے دیا تھا' دکان کا کرایہ اچھا خاصا آتا تھا زندگی معمول پر آ گئی تھی اور کچھ عرصے بعد غیاث صاحب بیوی کے ساتھ الفت کے پاس آئے تھے شبانہ خوب پچھاڑیں کھا رہی تھیں غیاث کچھ شرمندہ تھے پتہ چلا کہ غیاث صاحب کا جنرل اسٹور کا کاروبار حالات خراب ہونے کی وجہ سے کچھ عرصے سے ادھار مال پر چل رہا تھا اب مال آگے سے ادھار آنا بند ہو گیا اور دکان کے مالک نے کرائے کی عدم ادائیگی کی وجہ سے دکان خالی کرنے کا نوٹس دے دیا تھا' الفت کے یہ کہنے پر کہ ارسل جوان ہے آوارہ پھرنے کی بجائے باپ کا ہاتھ کیوں نہیں بٹاتا دونوں میاں بیوی نے ارسل کو کوسنا شروع کر دیا تھا۔

”خدا میرے جیسے نصیب بھی کسی کا نہ کرے الفت اللہ نے دو ہی اولادیں دیں ایک ذہنی معذور اور دوسرا نا

اہل بدتمیز آوارہ مجھے تو اپنے مستقبل سے خوف آتا ہے ہمارا مستقبل تو بس ان ہی سے وابستہ ہے''۔ الفت بھائی بھاوج کے حالات پر ملول تھیں مگر کیا کہتیں افسردگی سے گردن ہلا کر رہ گئیں اور پھر یہ تجویز بھی شبانہ نے ہی رکھی تھی کہ الفت اپنی دکان غیاث کو دے دیں جو بھی منافع ہوگا آدھا آدھا ہو جایا کرے گا' الفت یہ سن کر جہاں سوچ میں پڑ گئی تھیں وہیں غیاث آپے سے باہر ہو کر بیوی پر چڑھ دوڑے کہ مجھے بے غیرت سمجھ رکھا ہے کیا جو بیوہ بہن کی دکان پر نظر رکھوں گا' تمہاری ہمت بھی کیسے ہوئی یہ بات سوچنے کی الفت اس اچانک پڑی افتاد پر بری طرح گھبرا گئیں بھائی بھاوج میں بیچ بچاؤ کراتے انہوں نے اپنی دکان بھی بھائی کو سونپ دی تھی اس وقت تو۔

فارحہ نے ماں کو اس ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی کچھ تھا جو اسے بری طرح کھٹک رہا تھا' اور صرف سال بھر میں نتائج سامنے آ گئے تھے کچھ مہینے بھرپور منافع ملتے ملتے آخر کار کم ہوتا چلا گیا اور کاروبار خسارے میں جاتے جاتے بالکل ختم ہو گیا دکان ایک بار پھر کرائے پر اٹھ گئی تھی مگر اب کی بار کرایہ ان کو نہیں ماموں جان کو ملتا تھا کہ ان کو اپنا خسارہ بھی تو وصول کرنا تھا۔ الفت نے کئی بار جیٹھ سے رابطہ بحال کرنا چاہا تھا مگر ہر بار یہ سننے کو ملا تھا۔

''تم نے اپنی ناعاقبت اندیشی سے اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی ماری ہے اب بھگتو ہمارا تم سے کوئی واسطہ نہیں''۔ ان کے بچوں کو اپنے ددھیال سے کوئی شکوہ نہ تھا کہ غلطی تو ان کی ماں کی ہی تھی وہ دنیا کی کوئی پہلی عورت تو نہ تھیں جو بیوہ ہوئی تھیں دکان کے ساتھ گھر کی ایک منزل کرائے پر دے کر وہ اپنے اخراجات با آسانی پورے کر سکتے تھے یہ شکوہ فارحہ اکثر کر جاتی تھی مگر اب اخراجات منہ پھاڑے ہوتے اور آمدنی محدود تھی پہلے کبھی روپے پیسے کا حساب کتاب نہ رکھا تھا اب ایک ایک پائی سوچ سوچ کر خرچ کرنی پڑتی تھی۔

اقراء کی طرح اس کا ارادہ بھی انٹر کے بعد بی اے میں ایڈمیشن لینے کا تھا بابا کی اچانک موت نے حواس ایسے سلب کیے تھے کہ داخلے کی تاریخ نکل گئی تب حوصلہ کرتے ہوئے اس نے اگلے سال داخلے کا سوچا تھا جب حقیقت پوری طرح اس پر عیاں نہیں ہوئی تھی اور جب ہوئی تو اپنے خواب اور خواہش دل میں دفن کرتے اس نے پرائیویٹ بی کام میں ایڈمیشن لیا تھا' ایک پوش ایریے کے اسکول میں اس نے جاب کر لی تھی تنخواہ گو زیادہ نہ تھی مگر گلی محلے میں کھلے اسکولوں سے غنیمت تھی کچھ ہی عرصے میں اس نے اسی علاقے میں ٹیوشنز بھی تلاش کر لی تھیں اسکول کے بعد دوپہر سے شام تک وہ تین مختلف گھروں میں ٹیوشن پڑھانے جاتی تھی ساتھ ہی بی کام کی تیاری بھی جاری رکھی تھی بی کام کے بعد اس نے ایک کمپنی میں جاب بھی کی تھی مہینہ بھر میں اندازہ ہو گیا تھا کہ اسکول کی جاب ہی اس کے لئے بہتر تھی اسکول کی پرنسپل اچھی خاتون تھیں سو اس کی پرانی جاب واپس بحال کر دی گئی تھی۔

''کاش امی آپ نے ماموں کے بجائے تایا ابو پر اعتبار کیا ہوتا''۔ وہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ صاف کرتی اٹھی اور اپنے قدموں کو گھسیٹتی باہر آئی تھی۔ امی صبا سے کچھ بات کر رہی تھیں۔ ثمن بھی وہیں تھیں اور الفت کے کندھے سے لگا سہما ہوا اسعد بھی ان چار دنوں میں نہ وہ دونوں اسکول گئے تھے اور نہ ہی صبا کالج گھر کی فضا میں سوگواری سی رچی ہوئی تھی۔

''ماموں کو کہلوا دیں امی میں شوبی بھائی سے شادی کے لئے تیار ہوں''۔ سپاٹ لہجے میں کہتی وہ واپس مڑی تھی اس کی بات پر سب کو سانپ سونگھ گیا تھا۔

''یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں آپی''۔ ثمن کو سب سے پہلے ہوش آیا تھا۔

''ایسا کیا کہہ دیا ہے میں نے؟ جو ہونا ہے اس پر راضی ہو گئی ہوں اور ویسے بھی مجھے تو احسان مند ہونا چاہئے'

ماموں مامی کا کہ وہ مجھ جیسی آوارہ مزاج لڑکی جو دو لڑکوں کے ساتھ پکڑی گئی ہے اسے اپنے بیٹے کے نام سے نواز رہے ہیں جانتے نہیں ہو کیا کتنی بدنام ہو گئی ہوں میں کون بیاہنے آئے گا مجھے؟'' وہ تلخ ہو رہی تھی۔

''تو نا آئے کوئی بیاہنے شادی کوئی زندگی کا حاصل تو نہیں ہوتی''۔ صبا اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''مجھے کوئی بیاہنے نہیں آیا تو تمہیں بھی کوئی بیاہنے نہیں آئے گا کون شادی کرنا چاہے گا شہرت یافتہ لڑکی کی بہنوں سے''۔ وہ استہزائیہ مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

''تو نہ آئے کوئی نہیں کرنی ہمیں شادی پر آپ ایسا نہیں کر سکتیں آپی آپ یوں ہمت نہیں ہار سکتیں''۔ ثمن اس کے گلے لگ کر رو دی تو اس کے بھی آنسو بہہ نکلے۔

''ہاں بیٹا تم یوں ہمت مت ہارو میں بھائی صاحب کے پاس جاؤں گی ان کے پیروں میں گر کر معافی مانگ لوں گی تم ان کا خون ہو وہ ایسے نہیں دیں گے تم' تم میرے ساتھ چلو ان کے ہاں کچھ دن رہ جانا اتنے میں وہ بھائی جان سے بات کر لیں گے''۔ الفت خوش فہم ہو رہی تھیں مگر اسے ایسی کوئی خوش فہمی نہیں تھی وہ اپنے تایا کو اچھی طرح جانتی تھی سو جواب کے بولی تو لہجے میں تلخی تھی۔

''نہ میں کہیں جا رہی ہوں اور نہ آپ کہیں جا رہی ہیں امی تایا ابو ہم سے قطع تعلق کر چکے ہیں اور وہ حق پر ہیں کسی انسان کے خلوص پر شک کیا جائے تو وہ یونہی کرتا ہے' ان سے مدد مانگنا میرے ضمیر کو گوارہ نہیں کہ جسے پہلے شک کی نظر سے دیکھا ہو اپنے مشکل وقت میں اسی سے مدد مانگنے کھڑے ہو جاؤ''۔

''وہ میری غلطی تھی بیٹا''۔ وہ رو پڑیں۔

''اور آپ ہماری ماں''۔ وہ سرد لہجے میں بولی کمرے سے نکل گئی وہ خوددار تھی اپنے باپ کی طرح وہ جانتی تھی کہ اس میں اپنے تایا کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں نا ہی وہ اپنی ماں کو جھکتے دیکھ سکتی تھی۔

''ہم تایا ابا کو ضرور منائیں گے امی مگر جب ہمارا مفاد وابستہ نہیں ہوگا اپنی غرض کے لئے پلٹنا مجھے گوارہ نہیں''۔ الفت جب حالات سے گھبرا اٹھتیں وہ یہی کہا کرتی تھی۔

☆☆☆☆

''اب کیا کیا جائے''۔ مسلسل ٹہلتی وہ یہی سوچ رہی تھی صرف کل کا دن باقی تھا اور یہ تو طے تھا کہ وہ کوشش کیے بغیر ہار نہیں مانے گی مسلسل ٹہلتے ٹانگیں شل ہو گئیں تو وہ بیڈ پر بیٹھ گئی فارحہ کو بچانے کا اسے ایک ہی حل سمجھ میں آ رہا تھا اس کی فوری شادی مگر لڑکے نے ہی انکار کر دیا تھا۔

''اس دنیا میں صرف اویس بھائی ہی تو نہیں کوئی اور...... مگر اور کون؟ اور پھر فیملی والے الگ کتنے پنگے ڈالتے ہیں یہ نہیں صرف اچھی لڑکی پر اکتفا کر کے بیٹھ جائیں اور پھر فارحہ سے ریلیٹ کتنی باتیں راتوں رات مشہور ہو گئی ہیں میں کس کس کو یقین دلاؤں گی؟ اللہ پوچھے ان منحوس لوگوں سے ذرا جو خوف خدا ہو''۔ اس کی ذہنی رو بھٹک رہی تھی اس کی بڑبڑاہٹ کو بریک فون کی بیل نے لگایا تھا لپک کر فون اٹھایا۔

''ہیلو''۔ ثمر کی آواز کانوں سے ٹکرائی ساتھ ہی ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح لپکا تھا۔

''ہیلو ہیلو اقراء کیا تم مجھے سن رہی ہو''۔ وہ کچھ کہہ رہا تھا مگر اس کی مسلسل چپ سے جھنجھلا گیا تھا۔

''آپ آپ کہاں ہیں ثمر بھائی؟ مجھے آپ سے ملنا ہے ابھی اسی وقت''۔ وہ یکدم پرجوش ہوئی تھی۔

''میں...... گھر پر...... کیا ہوا؟'' وہ الجھن سے بولا۔

''میں آ رہی ہوں ابھی آپ میرا ویٹ کیجئے''۔ دوسری جانب ثمر کچھ کہتا رہ گیا تھا مگر اس نے فون بند کر کے

بیگ میں ڈالا تیزی سے سیڑھیاں اترتی نیچے آئی ٹی وی لاؤنج سے گزرتے ماں کو مطلع کیا پیچھے سے وہ چیختی رہ گئیں کہ وہ کہاں جارہی ہے؟ مین روڈ پر آ کر گزرتے رکشے کو ہاتھ دیتی وہ اس میں بیٹھ گئی تھی۔

ساری بات سن کر ثمر الجھن بھری نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا اس نے بغیر کسی کومہ اور فل اسٹاپ کے اسے ساری کہانی سنائی تھی بیچ میں ثمر نے جب جب اسے ٹوکنے کو منہ کھولا اس نے ہاتھ کھڑا کر کے روک دیا۔

''مس فارحہ کی مظلومیت کا قصہ سنانے کا تمہارا مطلب؟'' بالآخر اس نے اپنی الجھن کو الفاظ دیئے۔

''دیکھئے ثمر بھائی' آپ اس رات ساتھ تھے آپ جانتے ہیں کہ یہ محض ایک بے بنیاد الزام ہے اس لئے''۔ اس نے کھنکھار کر اپنا گلا صاف کیا۔

''میں چاہتی ہوں آپ فارحہ سے شادی کرلیں۔

''وہاٹ نان سینس''۔ وہ صوفے پر اسپرنگ کی طرح اچھل پڑا تھا۔

''This is so rediculaus''

''پلیز ثمر بھائی پلیز آپ میرے اتنے اچھے بھائی ہیں میرے دونوں بھائی فارحہ سے بہت چھوٹے ہیں ایک نائنتھ اسٹینڈرڈ میں ہے دوسرا فرسٹ ایئر میں' دوسرا فاری بہت اچھی لڑکی ہے آپ کسی سے تو شادی کریں گے ہی فارحہ میں کیا برائی ہے۔'' ثمر حیرت سے گنگ اسے دیکھ رہا تھا جو زور وشور سے رونا شروع کر چکی تھی۔

''دیکھو اقراء! اگر تم صرف اس بات کو لے کر کہ میں اس رات ساتھ تھا چاہتی ہو کہ میں اس سے شادی کرلوں تو اس رات نومی بھی ساتھ تھا تم اس سے یہ بات کیوں نہیں کہتیں''۔ وہ کافی دیر بعد بولا تھا۔

''اف..... نومی بھائی کا خاندان' کتنا بڑا ہے آپ جانتے نہیں ہیں؟ کتنے سارے چاچے' تائے' اتنے ڈھیر سارے بہن بھائی کزنز اور پھر ماں باپ وہ سب کیا کرنے دیں گے نومی بھائی کو شادی اور اتنے لوگوں کو منانے کا میرے پاس ٹائم بھی نہیں''۔ وہ بے چارگی سے بولی۔

''اور تمہیں لگا میرا تو کوئی خاندان ہی نہیں ہے ہیں نا؟ بھول رہی ہو میرا بھی ایک عدد باپ ہے''۔ اس کا لہجہ طنزیہ تھا۔

''کون سا ان کا آپ کو ڈر ہے یا آپ ان کے ساتھ رہتے ہیں''۔ تیزی سے بولتے اس نے زبان دانتوں تلے دبائی ثمر اور اس کے فادر کے کلیکشن کے بارے میں اس نے اپنے گروپ اور یونیورسٹی کے لوگوں سے سنا تھا خود ثمر نے کبھی اس بارے میں ایک لفظ نہیں کہا تھا نا وہ کبھی اپنے باپ کے بارے میں بات کرتا تھا اس کا چہرہ ایک پل میں سرخ ہو گیا تھا۔

''بہرحال میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا تا ڈیوے گو''۔ خود پر قابو پاتے اس نے کہا۔

''ثمر بھائی پلیز''۔ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے قدموں میں بیٹھتے اس نے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

''آپ کے اس فلیٹ کو آپ کی زندگی کو ایک لڑکی کی کس قدر ضرورت ہے آپ جانتے ہیں؟ جینز پھٹ جائے تو آپ اسے سی نہیں سکتے پھٹی ہوئی پہن کر یونی آجاتے ہیں''۔ اس نے اس کی گھٹنوں سے پھٹی جینز کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''یو فولش! اسٹوپڈ گرل یہ فیشن ہے''۔ اس نے بات کاٹی اس کے ریمارکس کو بمشکل ہضم کرتے اقراء نے پینترا بدلا۔

''اچھا اگر کبھی بٹن ٹوٹ جائے تو وہ تو آپ خود نہیں ٹانک سکتے نا''۔ اسے منہ کھولتے دیکھ کر تیزی سے

اپنا بیان جاری رکھا۔

''اور آپ کو بتاؤں وہ کتنی اچھی کک ہے اتنے مزے کا کھانے بناتی ہے کہ انسان اپنی انگلیاں کھا جائے اور آپ کے اس کباڑ خانے کو صفائی کی کتنی ضرورت ہے اس جیسی صفائی تو کوئی ماسی' میرا مطلب ہے کوئی بھی نہیں کرسکتا''۔ بروقت زبان کو بریک لگاتے اس نے جملہ مکمل کیا اسے دلچسپی سے سنتے دیکھ کر اس نے بیان پھر جاری رکھا۔

''اور وہ کتنی خوبصورت ہے یہ تو آپ دیکھ چکے ہیں آپ کو پسند بھی آئی تھی اب آپ یہ مت کہئے گا کہ ابھی آپ اسٹیبلش نہیں ہیں آپ کے ایگزامز تو ہونے ہی والے ہیں جلد ہی اچھی جاب مل جائے گی نہ ملی تو آپ کے فادر کا بزنس تو ہے ہی انہوں نے آخر کس کے لئے اسٹیبلش کیا ہے اور پھر ہماری لڑکی بھی جاب کرتی ہے آپ کی روکھی پھیکی زندگی میں بہار آجائے گی' اکیلے رہتے ہیں یہاں کیا جی لگتا ہوگا اس ویرانے میں ساتھ میں ہنسنے بولنے والی آجائے گی''۔ وہ یوں بول رہی تھی جیسے شادی کی سب سے زیادہ ضرورت اسے ہو اور فارحہ سے شادی نہ کرنے کی صورت میں نقصان اسی کا ہوگا۔

''اور''۔ اس کے خاموش ہوجانے پر وہ بولا۔

''اور''۔ اس نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''اور کیا خوبیاں ہیں یہ جو خوبیاں تم نے گنوائی ہیں یہ تو تقریباً ہر لڑکی میں ہوتی ہیں فارحہ صاحبہ میں کیا نیا ہے؟''

''اور اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ میرے جیسی بالکل نہیں ہے منہ پھٹ زبان دراز جھگڑالو آپ تو جانتے ہی ہیں کہ یونی میں ہی میرے آگے دن جھگڑے ہوجاتے ہیں فاری کو تو لڑنا بالکل نہیں آتا اگر آتا تو آج اپنے لئے ہی لڑ لیتی''۔

''تو پھر تو مشکل ہے کیوں کہ تم تو جانتی ہو کہ مجھے ہنگامہ پسند ہے ایڈونچرس ہوں ایک طرح سے تمہارے ہی ٹائپ کا ایسی ڈیوڈل اور بور لڑکیاں تو مجھے بالکل نہیں پسند''۔ کچھ بھر کو سوچتے اقراء نے پھر پینترا بدلا۔

''اصل میں ثمر بھائی فاری بھی کچھ ایسی تھی پہلے مگر اب تو بیچاری پر بزدلی آگئی ہے آپ چاہیں تو ڈھال لیجئے گا اسے اپنے مطابق''۔

''توبہ تو طے ہے شادی تم نے اس کی مجھ سے ہی کرانی ہے''۔ ثمر نے قہقہہ لگایا۔

''پر یار جس کا پرپوزل تم لائی ہو اس سے بھی پوچھ لو اسے میں زہر لگا تھا''۔ وہ مسکرایا تھا۔

''اس کی تو آپ فکر نہ کریں بس آپ ہاں کردیں''۔ اسے مسکراتے دیکھ کر وہ کھل پڑی۔

''اوکے''۔ چند ثانئے اس نے سوچا تھا۔

''رئیلی' آپ مان گئے؟'' اسے یقین نہ آیا۔

''ہاں' تم نے ٹھیک کہا میرے گھر کو اور مجھے ماسی دھوبن' کک اور ان نوکرانیوں کی سخت ضرورت ہے اور یہ تینوں میں افورڈ نہیں کرسکتا اب یہ آل ان ون پیکیج میں بیوی اضافی خوبی شادی کے ٹھپے کے ساتھ مفت مل رہی ہے تو Why not take it''۔ اس کے چہرے پر شرارتی مسکراہٹ تھی۔

''ثمر بھائی''۔ کچھ سیکنڈ کی خوشی صدماتی کیفیت میں ڈھل گئی۔

''کیا ہوا؟ ابھی تم کہہ رہی تھیں اسے یہ آتا ہے وہ آتا ہے ابھی تمہارے غبارے میں سے ہوا کیوں نکل گئی''۔

''اسے سب آتا ہے مگر آپ اسے خوش رکھیں گے ناں ایک بیوی کی طرح ریسپیکٹ دیں گے یا پھر آپ کو

صرف نوکرانی ہی چاہیے"۔ وہ پریشان نظر آنے لگی اتنی دیر سے ہوتی بکواس اسے رائیگاں جاتی نظر آ رہی تھی۔

"دیکھو اب تم زیادہ امیدیں مت باندھو تم نے کہا اسے ریسکیو کرنا ہے' میں تیار ہوں مگر اپنا فائدہ بھی تو دیکھوں گا آخر ایک بے چاری مظلوم لڑکی کو اس کے ماموں سے بچا کر شادی کرنے جا رہا ہوں سو فلمی اینڈ ایڈونچرس ناں آں اچھا تم یہ بتاؤ کوئی فائٹ وائٹ بھی کرنی پڑے گی مجھے' اگر ایسا ہے تو پہلے ہی بتا دو مجھے تاکہ میں تیار ہو سکوں"۔ ہکا بکا دیکھتی اقراء کے شانے کو اس نے زور سے ہلایا تھا۔

"مجھے نہیں پتا"۔ وہ بمشکل بولی۔

"نکاح کب ہے چھ تو بج ہی چکے ہیں"۔ اس نے موبائل اٹھا کر ٹائم دیکھا۔

"مجھے نہیں پتا"۔ انداز سابقہ تھا۔

"اف تو گویا سارے ارینجمنٹ بھی مجھے کرنے پڑیں گے چلو اٹھو تمہیں فارحہ کے گھر ڈراپ کر کے مولوی اور گواہوں کا بندوبست کرتا ہوں مگر پلیز یار شادی جیسے بھی حالات میں ہو رہی ہو اسے تیار ضرور کر دینا میرا تو تمہیں معلوم ہے کتنا حسن پرست ہوں"۔ وہ کھڑا ہوا ساتھ ہی اقراء کو بھی ہاتھ پکڑ کر کھڑا کیا۔

"ثمر بھائی ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ نکاح کر لیں ابھی رخصتی بعد میں دیکھیں گے ابھی تو آپ بھی صحیح طرح اسٹیبلش نہیں اور فاری بھی مینٹلی پریپیئر نہیں"۔ اس نے دماغ کے گھوڑے تیزی سے دوڑائے تھے۔

"بالکل نہیں' نکاح ابھی ہوگا تو رخصتی بھی ابھی ہوگی اور ان سب باتوں کا خیال تو تمہیں پہلے رکھنا چاہیے تھا"۔ سخت نظروں سے گھورتے اس کا لہجہ بھی سخت تھا۔

"ثمر بھائی جیسے بھی ہوں اس شوبی سے تو ہزار درجے بہتر ہیں اب آگے فاری یار تیری قسمت"۔ گہری سانس بھرتے اس نے موبائل اٹھا کر پاپا کا نمبر ملایا تھا' اگلے پندرہ منٹ پاپا کو صورتحال سمجھانے اور ڈانٹ کھانے میں لگے تھے اتنے میں ثمر لارج سائز پزا کے دو سلائس کولڈ ڈرنک کے دو کین کے ساتھ ڈکار چکا تھا' اقراء کو بھی آفر کیے تھے مگر اس کی بھوک پیاس مر چکی تھی پاپا کو ثمر کا ایڈریس سمجھا کر اس نے فون بند کیا اور ثمر کے ساتھ نیچے پارکنگ میں آ کے پاپا کے انتظار میں ٹہلنے لگی نیچے آنے کا مقصد یہ تھا کہ پاپا کو ثمر کے گھر کا دیدار نہ ہو جائے' پچھلا ڈیڑھ گھنٹہ اس نے جس طرح اس گندگی کے ڈھیر میں گزارا تھا یہ وہ ہی جانتی تھی پارکنگ میں گاڑی آ کر رکی اور فیضان کھا جانے والی نظروں سے اقراء کو گھورتے برآمد ہوئے ثمر پر نگاہ پڑتے انہوں نے پہلے سے زیادہ برہم نظروں سے اقراء کو دیکھا تھا اس کا بازو دبوچ کر وہ کچھ دور ہٹ کر اس سے مخاطب ہوئے۔

"یہ اسے چوز کیا ہے تم نے فارحہ کے لئے"۔ ان کی درشت آواز سنی اور اپنی گاڑی میں بیٹھ کر میوزک آن کیا پلٹ کر فیضان صاحب نے ایک ناگوار نظر اس پر ڈالی تھی۔

"پاپا پلیز ان کے ظاہر پر مت جائیں ثمر بھائی بہت اچھے انسان ہیں' میں تین سال سے جانتی ہوں انہیں آپ کو پتا ہے داؤد انٹر پرائز ان کے پاپا کی ہے لیکن یو امیجین پاپا اتنی بڑی بزنس ایمپائر کے وارث ہوتے ہوئے ثمر بھائی کتنے سادہ انسان ہیں"۔ اس نے انہیں متاثر کرنا چاہا تھا۔

"اچھا لیکن جب اس سادہ انسان کے باپ کو اس کے نکاح کا علم ہوگا تو وہ اپنی مڈل کلاس بہو کو اون کرے گا"۔ وہ ذرہ برابر متاثر نہیں ہوئے تھے اقراء چپ کھڑی رہ گئی' اس پوائنٹ پر تو اس نے سوچا ہی نہ تھا مگر جب کافی دیر بعد سر اٹھایا تو لہجہ مضبوط تھا۔

"پاپا شادی تو ہوتا ہی ایک جوا ہے ہار اور جیت کا ڈر بہر حال باقی رہتا ہے پھر بھی ہر انسان جانتے بوجھتے یہ

جوا کھیلتا ہے رسک تو لینا پڑتا ہے پاپا کہ رسک لئے بغیر زندگی آگے نہیں بڑھتی کیا ہو سکتا ہے اور کیا نہیں انسان اگر یہی سوچتا رہے تو آگے کیسے بڑھے گا"۔

"بہر حال میں اس لڑکے کو فارحہ کی ماں کے سامنے لے جاتا ہوں آگے وہ اپنی بیٹی کے مستقبل کا فیصلہ خود کریں گی"۔ ان کا لہجہ حتمی تھا اقراء سر ہلاتی ثمر کو بتانے آگے بڑھ گئی۔ وہ اسے لئے فارحہ کے گھر آ گئے تھے الفت کو ایک ایک بات کھول کر انہوں نے بتادی تھی اس دوران وہ اپنے موبائل پر مصروف رہا تھا یا ارد گرد نظریں دوڑانے میں الفت نے جھجکتے ہوئے اس سے چند سوالات پوچھے تھے سحن بھی اس دوران وہیں بیٹھی دلچسپ نظروں سے اس کا جائزہ لینے میں مصروف تھی الفت نے کئی بار اشارہ کیا آنکھیں دکھائیں مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی صبا کئی بار چکر لگا چکی تھی۔

"میں اس ہپی سے شادی نہیں کروں گی"۔ فارحہ سنتے ہی بدک گئی۔

"اچھا تو پھر اس پاگل سے کرو گی"۔ اقراء کو اس پر غصہ آ گیا۔

"وہ کم از کم اچھے تو ہیں' بالکل انجان تو نہیں"۔ اس کا لہجہ مدھم تھا۔

"اپنے ہونہہ..... مت بھولو کہ ان اپنوں کی وجہ سے ثمر بھائی ایک آپشن کی صورت میں تمہارے سامنے آئے ہیں خدا کرے ایسے اپنے کسی دشمن کے بھی نہ ہوں اور رہی بات انجان ہونے کی تو شادی دو انجان لوگوں کا ملن ہی ہے"۔

"مگر اقراء وہ شخص بالکل اجنبی ہے ہمارے لیے پتہ نہیں کیا کیا کہہ کر تم نے اسے راضی کیا ہوگا"۔ اس کی وئی دہیں اٹکی تھی۔

"میں نے انہیں کچھ نہیں کہا صرف تمہارے حالات بتائے تھے جو کہ ضروری تھا بتانا یہ تو ان کی اچھائی ہے کہ وہ فوراً راضی ہو گئے دیکھو فاری ثمر بھائی اچھے انسان ہیں تھوڑے ڈوڈ ہیں اور کبھی کبھی کچھ بے مروت بھی ہو جاتے ہیں مگر دل کے اچھے ہیں میں انہیں جانتی ہوں کیا تمہیں مجھ پر بھروسہ نہیں اور پھر مجھے تو تم جانتی ہو کیا کوئی ایسا ویسا شخص میرا دوست رہ سکتا ہے"۔

"تم نے اسے میرے حالات بتائے اور وہ شخص ہمدردی اور ترس میں مجھ سے شادی پر راضی ہو گیا"۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئیں اقراء کی اتنی لمبی تقریر میں اس نے صرف اپنی مرضی کے الفاظ چنے تھے۔

"ہاں تو جیسے حالات تمہارے ماموں مامی نے پیدا کیے ہیں کوئی بھی شخص ہو ترس ہی کھائے گا محبت کے ڈونگرے تو برسانے سے رہا"۔ وہ جل کر راکھ ہو گئی تھی سو تنک کر بولی' فاری نے بھیگی پلکیں اٹھا کر شکوہ کناں نظروں سے اسے دیکھا وہ نرم پڑ گئی تھی۔

"فاری شوبی سے شادی کر کے تمہاری زندگی سے امید کا ہر چراغ گل ہو جائے گا تمہاری زندگی جہنم سے بھی بدتر ہو جائے گی تمہارے ماموں مامی ایک طرف وہ ارسل' جس طرح کی نظروں سے دیکھتا ہے میرا تو دل کرتا ہے آنکھیں پھوڑ دوں کیا شوبی تمہاری حفاظت کر سکے گا جبکہ ثمر بھائی سے شادی کی صورت میں کچھ نہ سہی تحفظ تو حاصل ہوگا"۔ اور بس یہیں آ کر فارحہ ہار گئی۔ نو بج کر پچپن منٹ پر اس نے اپنی زندگی ثمر داؤد کے نام لکھ دی تھی اس کے گواہوں میں ایک ہی نام درج تھا' فیضان صاحب جبکہ ثمر نے فیضی اور نومی کو فون کر کے بلا لیا تھا اور وہ سخت شارٹ نوٹس پر حیران پریشان گرتے پڑتے پہنچے تھے۔

نکاح ہو گیا تھا دھڑکتے دل معمول پر آ گئے تھے مگر حیرانی کی بات تھی ماموں لوگوں کی طرف سے کوئی ایک

نہ ہوا تھا حالانکہ اس گھر کے دروازے کے آگے دو گاڑیاں اور ایک اسپورٹس بائیک کھڑی تھی اور گھر تو ایک ہی گلی میں تھا۔

”پتہ نہیں بیٹا تم پر بھروسہ کرکے میں نے اچھا کیا ہے یا برا مگر اپنے جگر کا ٹکڑا میں نے تمہارے حوالے کردیا ہے“۔ وقت رخصت الفت نم آنکھوں کے ساتھ ثمر سے مخاطب ہوئیں جس نے ایک بے تاثر نگاہ ان پر ڈال کر ہٹالی تھی وہ جو منتظر تھیں کہ وہ انہیں کوئی تسلی دے گا کوئی وعدہ کرے گا مایوس ہوکر فارحہ کی طرف متوجہ ہوگئی تھیں فیضان صاحب نے اسے گاڑی میں بٹھایا تھا اور یہ مختصری بارات روانہ ہوئی۔

☆☆☆☆

کی ہول میں چابی گھماتا وہ اندر داخل ہوا اس کے پیچھے ہی وہ دونوں لپکے بے چارے کب سے اس ایمرجنسی شادی کا راز جاننے کے لئے بے تاب تھے وہ دروازے کے باہر ہی کھڑی رہ گئی نہ کوئی اس کے ہاتھ تھام کر اندر لایا تھا نہ کسی نے آنے کا کہا تھا اس نے خود ہی قدم بڑھائے ثمر صوفے پر گر پڑا تھا نومی چن میں چلا گیا صوفے پر بیٹھتے فیضی کی نظر اس پر پڑی جس کی نظریں چاروں طرف گھوم پھر کر جائزہ لے رہی تھیں اس نے نظروں میں ثمر کو اشارہ کرنا چاہا تھا مگر وہ متوجہ نہ تھا مجبوراً وہ خود ہی آگے بڑھا۔

”آئیے بھابی“۔ وہ اس کا بینڈ کیری گھسیٹتے آگے بڑھ گیا ثمر نے چونک کر گردن اٹھا کے اسے دیکھا جبکہ اس نے فیضی کی معیت میں قدم بڑھائے ثمر کے بیڈروم کا دروازہ کھول کر وہ دو قدم اندر گیا اسے اندر آنے کا اشارہ کیا اور اس کے اندر قدم رکھتے ہی دروازہ بند کرتا واپس پلٹ گیا۔

”ابے او کام چور ہڈ حرام انسان اس ایمرجنسی شادی سے پہلے اپنا گھر نہ سہی بیڈروم کی حالت تو درست کرلیتا“۔ وہ تیر کی طرح لپکا تھا۔

”کیوں کیا ہوا؟“ صوفے کی پشت سے گردن اٹھاتے اس نے بھی سے اسے دیکھا۔

”کیا ہوا کمرے میں بالکل سامنے عین بیچوں بیچ پڑا موزہ اپنا دیدار کرا رہا ہے“۔ وہ دانت کچکچاتے کچن سے نکلتے نومی سے مخاطب ہوا جس کا قہقہہ چھت پھاڑ تھا۔

”قسم سے میں تو شرم سے پانی پانی ہوگیا“۔ نومی کے ہاتھ سے کوک کے کین کا کیچ پکڑتے وہ بولا۔ کمرے کا جائزہ لیتی وہ آگے بڑھی گندگی اور بے ترتیبی حد سے سوا تھی جگہ جگہ لڑھکتے کولڈ ڈرنک کے خالی کین، کافی مگ ریسٹورنٹ کے کھانے کے ڈسپوزیبل برتن جن میں ادھ کھایا کھانا بچا تھا جابجا بکھرے کپڑے جو جہاں جیسے اتارے گئے تھے ویسے ہی پڑے تھے سفید ماربل کا فرش اور فرنیچر دھول اور گندگی سے اٹا پڑا تھا اس کی باریک ہیل کسی چیز میں الجھی تھی چاروں طرف گھومتی نظروں کے ساتھ اس نے جھک کر وہ چیز اٹھائی نیلے رنگ کا انڈرویئر سامنے آتے ہی اس کا چہرہ سرخ ہوا تھا چٹکی سے پرے اچھال کر وہ بڑبڑائی۔

”یہ آدمی ہے یا جانور بلکہ نہیں اسے جانور کہنا بھی بے چارے جانوروں کی توہین ہے کتا بھی اپنی جگہ بیٹھتا ہے تو دم ہلا کر جگہ صاف کرلیتا ہے“۔ بیڈ پر بیٹھ کر سینڈل کی قید سے اپنے پیروں کو آزاد کرتی وہ چت لیٹی تھی ماضی قریب کے ناقابل یقین واقعے کو یاد کرکے جس پر وہ جتنا حیران ہوتی کم تھا یونہی اپنی نظریں گھمائیں اور پھر بدک کر اٹھ بیٹھی بھوری چیونٹیوں کی لمبی قطار پر اس نے اپنا سر رکھ دیا تھا جس سے چیونٹیوں میں کھلبلی مچ گئی تھی۔

”یا اللہ کس کچرے کے ڈرم میں پھینک دی گئی ہوں میں“۔ بالوں کو بے تحاشا جھاڑتے وہ چلائی اس سے فارغ ہوکر اس نے چیونٹیوں کی قطار کا منبع تلاش کیا جو تکیہ کے نیچے جارہا تھا تکیہ ہٹاتے اس کی طبیعت جی بھر کے

مکدر ہوئی تھی وہ برگر یا سینڈوچ اللہ جانے کس چیز کا ٹکڑا تھا جس پر ان گنت چیونٹیاں چمٹی ہوئی تھیں۔

”اف خدایا میں تو اس گندگی میں نہیں رہ سکتی“۔ تیزی سے دروازے کی سمت بڑھی مگر پھر رک گئی باہر کا حال اس سے کون سا الگ تھا، چند لمحے کھڑی کمرے میں نظریں دوڑاتی رہی پھر صفائی کا قصد کیا مگر پہلے لباس تبدیل کرنا تھا وہ گہرے سبز رنگ کی شیفون کی پاؤں کو چھوتی فراک میں ملبوس تھی جس کے گھیر پر سبز اور گولڈن کلر کی بنارسی ایپلک لگی تھی گلے پر ڈل گولڈن کام بنا ہوا تھا ہلکا سا کاٹن کا جوڑا نکال کر اس نے لباس تبدیل کیا منہ دھونے کے ارادے سے باتھ روم میں آئی اس کا حال بیڈروم سے مختلف نہ تھا سو گہری سانس بھرتی منہ دھوئے بغیر واپس کمرے میں آگئی۔ ڈھونڈ کر شاپر برآمد کیا ڈسپوزیبل برتن کین وغیرہ اس میں بھرے بیڈ کی چادر لپیٹ کر ایک سائیڈ ڈال کر تکیہ کا کور اتار کر اس کا استعمال جھاڑن کے طور پر کرتے وہ کمرے میں بکھرے پیپرز، فائل اور کتابیں بھی سمیٹتی رہی اس سے فارغ ہوکر وہ جابجا بکھرے کپڑوں کی طرف متوجہ ہوئی بیڈشیٹ کو کمرے کے وسط میں بچھا کر میلے کپڑے اس میں ڈھیر کرنے شروع کیے باتھ روم میں بھی میلے کپڑوں کا انبار موجود تھا وہ بھی لائی چادر میں کپڑے باندھے وارڈروب میں دوسری بیڈشیٹ ڈھونڈنے کے لئے اس نے دروازہ کھولا مگر کپڑوں کا ایک ڈھیر جسے زبردستی اندر دھکیل کر دروازہ بند کیا گیا تھا اس کے اوپر آرہا تھا چند پل تو وہ اپنے قدموں میں پڑے اس ڈھیر کو گھورتی رہی پھر کپڑوں کو غصے میں اٹھا کر اندر پھینکنا شروع کیا مگر کپڑے بھی ڈھٹائی کا ثبوت دینے پر تلے تھے وہ ایک اندر پھینکتی دس باہر آجاتے، وارڈروب میں ناگوار سی بو رچی ہوئی تھی جس نے انکشاف کیا کہ اس ڈھیر میں دھلے میلے سب کپڑے مکس ہیں پہلے سوچا دھلے اور میلے کپڑے الگ کرلے مگر کیا فائدہ میلوں کی بو دھلے ہوئے کپڑوں میں رچ چکی تھی مجبوراً میلے کپڑوں کی پوٹلی کھول اس ڈھیر کو بھی اس میں شامل کیا جلد ہی کپڑوں کی چھوٹی سی پہاڑی بن گئی جسے زبردستی باندھ کر اور پورا زور لگا کر ایک سائیڈ پر کھسکایا بیڈشیٹ ملی نہیں تھی اور دوسرا دروازہ کھولنے کا اس نے رسک نہیں لیا تھا، فرش کی صفائی کے لئے سامان کی ضرورت تھی جس کا مقام پتہ کرنے کے لئے اسے یقیناً باہر جانا پڑتا سو اسے ٹال دیا مگر اس ذرا سی جھاڑ پونچھ اور ترتیب سے کمرے کی شکل نکل آئی تھی باتھ روم میں پھیلی بے ترتیب کو ترتیب میں بدلنے کے بعد اس نے کموڈ، واش بیسن، باتھ ٹب اور ٹائلز کو کلینز سے رگڑ رگڑ کر دھویا پھر منہ ہاتھ دھو کر باہر نکل آئی بالکونی کا سلائیڈنگ بند کیا جو کمرے میں پھیلی بو نکالنے کے لئے کھول دیا تھا کمرے اور باتھ روم میں ڈھیر سارا ایئر فریشنر اسپرے کرنے کے بعد بیڈ پر آکر گر پڑی تھی جانے کوئی احساس تھا یا وہ کئی راتوں کی جاگی ہوئی تھی کچھ ہی منٹوں میں غافل ہوگئی تھی حالانکہ کسی نئی جگہ نیند اسے مشکل سے ہی آتی تھی۔ نومی اور فیضی کو اس نے ڈیٹیل میں پوری کہانی سنائی تھی فیضی اس کی واہ واہ کرتا اس کی قسمت پر رشک کر رہا تھا جس نے اس کی جھولی میں ایک خوبصورت حسینہ کو ڈال دیا تھا بلکہ نومی افسوس کرتا رہا ثمر کی قسمت پر نہیں فارحہ کے ساتھ ہوئے اس المیے پر جو ہوتے ہوتے رہ گیا تھا اس کے ماموں مامی پر نومی اور فیضی نے ایسے کئی نصیحتیں کی تھیں جس میں سرفہرست فارحہ کا خیال رکھنا تھا جب وہ لوگ رخصت ہوئے گھڑی ایک بجا رہی تھی مین ڈور لاک کرکے بیڈروم کی طرف آیا ڈور ناب گھمائی دروازہ اندر سے لاک تھا دو تین بار دستک دینے کے بعد وہ ٹی وی لاؤنج میں آکر صوفے پر گر پڑا۔

”چل یار ثمر آنے والی نے آتے ہی تجھے بیڈروم سے آؤٹ کردیا یہ تیری ویڈنگ نائٹ ہے اور تو گھونگھٹ اٹھانے کے بجائے یہاں صوفے پر پڑا ہے لعنت ہو تجھ پر“۔ کچھ جھنجھلاتے ہوئے اس نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کیا تھا۔

☆☆☆☆

اس کی آنکھ کھلی تو تقریباً ساڑھے چھ ہو رہے تھے چند پل وہ مندی مندی آنکھوں سے چھت کو دیکھتی رہی پھر جھٹکے سے اٹھ بیٹھی دماغ کو بیدار ہونے اور ماضی سے حال کا سفر کرنے میں بس کچھ ہی پل لگے تھے کمبل ہٹا کر وہ بیڈ سے نکلی کمرا بے حد ٹھنڈا ہو رہا تھا ریموٹ اٹھا کر اے سی آف کیا وضو کر کے قضا نماز پڑھی اور کمرے سے نکل آئی سامنے ہی وہ صوفے پر لیٹا تھا ایک ہاتھ سر کے نیچے اور دوسرا صوفے سے نیچے لٹک رہا تھا اس کی جسامت اچھی خاصی تھی قد بھی چھ فٹ سے بس کچھ ہی کم تھا صوفہ اسے سمانے میں ناکام نظر آ رہا تھا لمحہ بھر کو وہ شرمندہ ہوئی پھر سر جھٹکتی ہوئی کچن میں چلی آئی آج جمعہ تھا اسے اسکول سے چھٹیاں کرتے چار دن ہو چکے تھے آج اس کا ارادہ اسکول جانے کا تھا۔

''لیکن اگر اسے کوئی اعتراض ہوا تو''۔ اس نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

''تو ہوتا رہے مجھے کیا اس جاب سے میری ماں اور بہن بھائیوں کا پیٹ وابستہ ہے''۔ اس نے کندھے اچکاتے اور کچن کا جائزہ لینے لگی کراکری نہ ہونے کے برابر تھی چند پلیٹس چھری' چمچ' کانٹے ایک ساس پین' فرائنگ پین' دو چار گلاس یہ اس کچن کی کراکری تھی ٹوسٹر اور مائیکرو ویو سلیب پر دھرا تھا کیبنٹ کا جائزہ لینے پر جو سر بلینڈر بھی نظر آ گیا تھا فریج کا جائزہ لیا گھر کی طرح اس کی حالت بھی ناگفتہ تھی انڈے دو ہی پڑے تھے کچھ سلائسز تھے اور بھی بہت کچھ تھا مگر اس کے اپنی مطلوبہ چیزیں نکال کر فریج بند کر دیا ارادہ آملیٹ بنانے کا تھا مگر پیاز ٹماٹر ہری مرچ جیسی چیزیں اسے کہیں نظر نہیں آئی تھیں سو سینڈوچ بنانے کا سوچتے انڈے ابالنے رکھے الیکٹرک کیٹل میں پانی ڈال کر اس کا پلگ لگایا اور گھر کا جائزہ لینے کی نیت سے باہر آ گئی۔

یہ ہال نما بڑا سا کمرا تھا جو بیک وقت ٹی وی لاؤنج ڈرائنگ روم اور ڈائننگ کے طور پر استعمال ہوتا تھا ایک طرف امریکی طرز پر بنا بڑا سا کچن تھا اس سے کچھ فاصلے پر چار کرسیوں والی گلاس ڈائننگ ٹیبل تھی اس کے بالکل مخالف سمت صوفے رکھے تھے جن میں سے ایک پر وہ دراز تھا سامنے کی دیوار پر چالیس انچ کی ایل ای ڈی لگی تھی اس کے نیچے رکھی ٹرالی پر میوزک سسٹم دھرا تھا صوفوں والے حصے میں براؤن کلر کا نرم مخملی قالین بچھا تھا باقی کا فرش سفید ماربل کا تھا' دیواروں پر پینٹ ہلکے رنگوں کا تھے' دائیں طرف نظر آتے دو دروازوں میں سے ایک تو بیڈ روم تھا دوسرے کا دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوئی یہ کمرا اسٹڈی تھا اسٹور روم تھا یا کچھ اور وہ اندازہ نہ کر پائی ایک سائیڈ پر کارٹن اور دوسرا سامان ڈھیر تھا ایک سائیڈ پر بڑی سی اسٹڈی ٹیبل تھی جس پر کمپیوٹر سسٹم تھا ایک دیوار کے ساتھ میٹرس بچھا تھا فرش پر لیپ ٹاپ پڑا تھا' پیپر فائلیں کتابیں میگزین سی ڈیز یہ سب چیزیں ارد گرد بکھری تھیں یہ شخص جو چیز جہاں استعمال کرتا وہیں چھوڑ کر اٹھنے کا عادی معلوم ہو رہا تھا عجیب بے ترتیب بکھرا شخص تھا جیسا بے ترتیب خود تھا ویسا ہی گھر تھا فارحہ کو خیال آیا اگر کبھی کوئی چیز کھو جاتی ہو گی یہ تو ڈھونڈ ہی نہیں پاتا ہو گا جو کہ بالکل غلط تھا دروازہ بند کرتے باہر نکلی بائیں طرف چھوٹی سی گلی تھی جس کی سیدھ میں دروازہ تھا کھول کر دیکھا تو لانڈری تھی واپس کچن میں آئی چائے میں دودھ ڈالا انڈے ابل چکے تھے چھیلنے لگی تو خیال آیا پہلے اسے اٹھا دے قریب جا کر دو تین آوازیں دیں اثر نہ ہوا تو ہلانے کو جھکی تبھی نظر کارپٹ پر اس کے اسمارٹ فون پر پڑی سوچا گھر فون کر کے حالات پتہ کر لوں تیزی سے کمرے میں آئی بیگ اٹھا کر چھان مارا موبائل نہ ملا تو دل مسوس کے باہر آ گئی۔

کارپٹ پر پنجوں کے بل اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے اس نے کئی ''بار سنئے سنئے'' کی گردان کی کچھ اثر نہ ہوا

تو شانہ تھپتھپایا پھر ہلایا چٹکی بھرنے کی کوشش کی بازو مضبوط تھے اور کھال موٹی چٹکی میں آ کے نہ دی دل میں وہم جاگا کسی قسم کا نشہ تو نہیں کرتا کچھ اور قریب ہو کر زور زور سے سونگھا سوائے کولون کے کسی قسم کی مہک نہ آ رہی تھی ہاتھ تھوڑا بڑھا کر اوپر گال پر لے آئی ہلکی ہلکی بڑھی ہوئی شیو تھی رگ و پے میں چھوتے ہی سنسنی سی دوڑ گئی قریب تو بیٹھی تھی کچھ غور سے دیکھا صاف رنگت اونچی پیشانی بڑی بڑی آنکھیں کھڑی سیدھی ناک سرخ بھرے بھرے لب جو اس وقت مضبوطی سے آپس میں پیوست تھے اسے اعتراف ہوا کہ اگر وہ شخص بال کٹوا لے تو بہت ہینڈسم پرسنالٹی ہے وہ کچھ گھبرا اٹھی ہاتھ جو ہولے ہولے گال تھپتھپا رہا تھا زور سے پڑا تھا وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

''کون' کون ہو تم'' بند ہوتی آنکھیں کھول کر اسے دیکھنے کی کوشش کی وہ ہکا بکا رہ گئی پھر یاد آیا صبح اٹھنے پر وہ بھی ایسی ہی صورتحال سے دوچار ہوئی تھی۔ ہائے یہ ایمرجنسی شادی۔

''اوہ میں تو بھول ہی گیا میری ہی بیوی ہو کل ہی تو شادی ہوئی ہے''۔ بولتے ہوئے وہ ایک بار پھر لیٹنے لگا۔

''سنئے آپ کو یونیورسٹی نہیں جانا''۔ اسے لیٹتا دیکھ کر وہ تیزی سے بولی۔

''یونیورسٹی'' موبائل اٹھا کر ٹائم دیکھا پھر اسے سوا سات بجے کس یونیورسٹی میں جا کر بیٹھ جاؤں میں''۔

''مگر آپ کو تیار'' اس کی بات منہ میں ہی رہ گئی اس نے منہ پر کشن رکھ لیا تھا اسے بھاڑ میں جھونک کر اندر آئی' چینج کر کے بال بنائے پھر کچن میں آ کر سلائس پر چکن اسپریڈ لگا کر انڈے کے سلائس رکھے چار سلائس تھے سو سینڈوچ چار ہی بنے تھے مختصر سا ناشتہ ٹیبل پر لگا کر وہ خود بھی بیٹھ گئی ایک سینڈوچ چائے کی کچھ گھونٹوں کے ساتھ حلق سے نیچے اتارا دوسرے سینڈوچ کا ایک بائٹ لیا تھا کہ سوچا پھر سے اسے جگانے کی کوشش کرے نہ اٹھے مگر وہ یہ تو بتا دے گی کہ وہ جا رہی ہے۔ بازو پر شانہ زور سے ہلایا اب کی بار پہلی ہی باری میں وہ بیدار ہو گیا سر سے کشن ہٹا کر اسے گھورا سرخ ہوتی ہلکی براؤن آنکھیں وہ گھبرا سی گئی۔

''میں نے ناشتہ بنایا ہے آپ''۔ اس کی بات منہ میں ہی رہ گئی تھی جب وہ غرا اٹھا۔

''کس سے پوچھ کے بنایا ہے تم نے ناشتہ مجھے عادت نہیں ہے ناشتہ کرنے کی ایک ہی دن میں سونا حرام جینا حرام کر دیا ہے تم عورتیں سب کی سب ایک جیسی ہوتی ہو مردوں کو اپنے اشاروں پر نچانے کی شوقین اور ہاں آئندہ یہ سب کر کے ضائع کرنے کی ضرورت نہیں ہے نہ مجھے ایسے اہتمام کی عادت ہے میرا باپ بہت امیر ہے میں نہیں میرے اکاؤنٹ میں ہر ماہ وہ چند ہزار کی زکوۃ ڈالتے ہیں مجھے اسی میں اپنا کیریئر بھی بنانا ہے اور گزارہ بھی کرنا ہے انڈراسٹینڈ ناؤ یو ٹیک آ سائیڈ''۔ اسے بازو سے ایک طرف کرتا پاؤں پٹختا وہ کمرے میں گیا تھا اور وہ سن کھڑی رہ گئی تھی کچھ پل بعد وہ خود کو گھسیٹتی وہ آگے بڑھی سینڈوچز کی پلیٹ فریج میں پٹخی اپنی بچی ہوئی اور کیٹل کی چائے سنک میں بہا کر وہ کمرے میں آئی بیڈ پر وہ اوندھا پڑا تھا بیگ اٹھا کر وہ فلیٹ سے نکل آئی تھی لفٹ کے بجائے وہ سیونتھ فلور سے سیڑھیاں اتر کے نیچے آئی تھی دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں اور دل عجیب بے حس ہو گیا تھا وہ یہ سب ڈیزرو کرتی تھی کیونکہ وہ چاؤ اور چاہت سے اسے بیاہ کر نہیں لایا تھا بلکہ وہ تو ان چاہی تھی ترس کھا کر خیرات میں اپنا نام اسے دے دیا تھا سو وہ اس سے کسی بھی قسم کا سلوک روا رکھتا وہ حق بجانب تھا۔

چار دن کی چھٹی پر پرنسپل کو اس نے بڑی مشکل سے یقین دلایا تھا کہ وہ بیمار تھی چونکہ اس کا پچھلا ریکارڈ شفاف تھا اس لئے اسے ایک چانس دے دیا گیا تھا' سارا دن وہ ماموں کا ردعمل سوچ سوچ کر پریشان رہی تھی سو واپسی پر وہ گھر چلی آئی تھی ماحول پرسکون تھا سب اسے دیکھ کر خوش ہو گئے تھے امی نے اگلے ہی دن اسکول

پہنچنے پر ناراضی کا اظہار کیا تھا وہ جھنجھلا کر رہ گئی۔

''امی اگر آج بھی نہ جاتی تو جاب سے ہاتھ دھونے پڑ جاتے کیا کرتے پھر؟''

''بیٹا اللہ مالک ہے ہمارا ثمر کو اگر تمہاری جاب پر اعتراض ہوا تو چھوڑ دینا ہماری فکر مت کرنا''۔ بانو ٹیوشن تو پڑھاتی ہی ہے ہم سب مل کر کچھ نہ کچھ کر ہی لیں گے''۔ وہ انہیں دیکھ کر رہ گئی مزید کچھ نہ کہہ پائی یہ بھی نہیں کہ ثمر کو جاگنے کے بعد علم بھی نہ ہوگا کہ وہ کہاں گئی ہے۔ امی ہی کی زبانی اسے علم ہوا تھا کہ کل ممانی کی بھانجی کی منگنی تھی وہ سب وہاں گئے ہوئے تھے تو یوں اس کا نکاح بخیر و خوبی انجام پا گیا تھا امی شکر گزار تھیں اور صبا اور ثمن سوچ سوچ کر مزہ لے رہی تھیں کہ جب ماموں ممانی کو علم ہوگا کہ ہمارا بہنوئی اتنا اسمارٹ اور دولت مند ہے تو ان کی شکل دیکھنے والی ہوگی وہ انہیں دیکھ کر رہ گئی ثمر کی صبح کہی بات یاد آ گئی تھی۔

''بیٹا ثمر کو کال کر کے کھانے پر بلالو میں کچھ اہتمام کرلوں گی کل تو فیضان بھائی نے سب کچھ کیا تھا اللہ انہیں جزائے خیر دے''۔ الفت اس کا موبائل دیتے ہوئے بولی تھیں۔

''امی اس کی کیا ضرورت ہے؟'' وہ جھنجھلائی۔

''ضرورت کیوں نہیں وہ اب داماد ہے میرا اور یہ بات جتنی جلدی کھل جائے اچھا ہے میں تمہارے ماموں ممانی کو بھی بلالوں گی''۔ انہیں نکاح کے بعد وہ کتنی مضبوط اور مطمئن لگنے لگی تھیں۔

''میرے پاس نمبر نہیں ہے ان کا''

''تو اقراء آپی سے لے لیں ان کے پاس تو ضرور ہوگا ویسے کتنی عجیب لگیں گی آپی آپ اپنے شوہر کا نمبر اپنی دوست سے مانگتی ہوئی''۔ صبا نے شرارت سے آنکھیں گھمائیں۔

''خود لے لو تم اس سے نمبر میرا پوچھے تو کہہ دینا میں سو رہی ہوں میرا اس وقت کسی سے بات کرنے کا موڈ نہیں ہے کچھ دیر سوؤں گی''۔ وہ اس کی گود میں موبائل ڈال کر تخت پر لیٹ گئی۔

''تھینک یو سو مچ اقراء آپی اتنے شارٹ نوٹس پر آپ نے اتنا اچھا بہنوئی ڈھونڈا ہے''۔ کال ملتے ہی صبا چہکی تھی وہ آنکھوں پر بازو رکھے اسے سن رہی تھی۔

''آپی ہاں نہیں ہیں کچھ الجھی ہوئی اور ٹینشن میں ہیں آج اسکول چلی گئی تھیں واپسی پر سیدھی یہیں آ گئیں امی ثمر بھائی کو انوائٹ کریں گی اور ساتھ ماموں ممانی کو بھی آپ ناں ان کا نمبر سینڈ کردیں''۔ صبا کھلی پڑ رہی تھی۔

دوسری طرف سے اقراء نے نجانے کیا کہا تھا جو اس کا قہقہہ بلند ہوا تھا۔

''ہاں میں اور ثمن بھی صبح سے یہی سوچ کر مزہ لے رہے ہیں ارسل بھائی آئے تھے صبح یہ کہنے کے عصر میں نکاح ہوگا ممانی بازار گئی ہوئیں ہیں کچھ شاپنگ کرنے''۔ فارحہ نے چونک کر بازو ہٹایا تھا یہ خبر تو اسے کسی نے نہیں دی تھی جیسے اس خبر کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی کیا ایک ہی رات میں اس گھر کے مکین اتنے مضبوط ہو گئے تھے۔

''خدا کرے ثمر تم ویسا ہی سائبان ثابت ہو جیسے میرے گھر والے تمہیں سمجھ رہے ہیں''۔ تکیہ پر سر رکھتے اس کے دل سے دعا نکلی تھی۔

☆☆☆☆

تقریباً چار بجے وہ گھر میں گھسا تھا آتے ہی کچھ پیٹ پوجا کرنے کے لئے کچن میں چلا آیا سینڈوچز کی پلیٹ نکال کر مائیکرو ویو میں رکھی صبح دیر سے آنکھ کھلنے کے باعث الٹا سیدھا تیار ہو کر یونیورسٹی بھاگنا پڑا تھا خیر یہ تو روز کی کہانی تھی فائنل ایئر کا لاسٹ سمسٹر تھا پڑھائی زوروں پر تھی اور وہ ٹھہرا ریلیٹ اسٹوڈنٹ سو یونی میں کچھ

کھانے کا موقع نہ ملا تھا' صبح اٹھنے پر وہ ایک بار پھر اپنی بیوی کو فراموش کر چکا تھا یہ تو نوی فیضی اور اقراء کے کچھ شرارتی اور ذو معنی جملوں نے اسے یاد کرایا تھا کہ اب وہ شوہر کے منصب پر فائز ہو چکا ہے اور اس نے بہت مشکل سے انہیں جامے کے اندر کیا تھا وجہ سارہ تھی اور سارہ چونکہ اس کی خالہ زاد تھی سو اسے پتہ ہونے کا مطلب تھا پورے خاندان کو معلوم ہو جانا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ فی الحال داؤد صاحب کو کچھ بھی معلوم ہو اگر چہ اسے ان کی زیادہ پروا نہیں تھی اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ یہ ایک ایسی خبر ہے جو زیادہ دنوں تک نہیں چھپ سکتی مگر پھر بھی وہ ایکدم اپنی لائف میں بہت ساری ڈسٹربنس نہیں چاہتا تھا اور ابھی تو وہ یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ وہ کس قسم کی لڑکی ہے اور وہ اس کے ساتھ گزارا کر سکتا ہے یا نہیں ابھی تو وہ سارا وقت اس کے بارے میں سوچتا رہا تھا گھر آیا تو وہ پھر غائب تھی۔ اور جب سے وہ یہ ہی سوچ رہا تھا کہ وہ کہاں گئی ہے اقراء کو کال کرنے کے بارے میں سوچتے اس نے بوائل پانی مگ میں ڈال کر انسٹنٹ کافی ڈالی اور پلیٹ اور کافی کا مگ اٹھائے لاؤنج میں چلا آیا نمبر ڈائل کرنے کے لئے موبائل اٹھایا تھا ابھی انجان نمبر سے کال آنے لگی تھی اس کی سالی تھی اور اسے انوائٹ کر رہی تھی پہلے تو اس نے کچھ ٹال مٹول کی تھی پھر آنے کی ہامی بھر کے کال کاٹ کر سینڈوچز کی طرف متوجہ ہو گیا۔

☆☆☆☆

ماموں کے چیخنے چلانے کی آواز پر وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھی تھی ثمر کے بارے میں سوچتے نجانے کب اس کی آنکھ لگ گئی تھی دوپٹہ سنبھالتی بھاگتی ہوئی لونگ روم میں آئی تھی ماموں امی پر دھاڑ رہے تھے صبا ثمن اور سعد امی کے شانے سے لگے تھے ممانی کوسنے دیتے اپنے اوصاف کر رہی تھیں شوبی بھی وہیں تھا اور اس کی نظر گھومتی سنگل صوفے پر بیٹھے ثمر پر اٹک گئی جو ٹانگ پر ٹانگ رکھے یوں بیٹھا تھا جیسے کسی ڈرامے سے محظوظ ہو رہا ہو ہاں اس کے چہرے کے تاثرات ایسے ہی تھے وہ آگے بڑھ آئی ممانی کو اس کی شکل دیکھتے ہی الزام تراشی یاد آ گئی۔

''ارے میں...... میں نا کہتی تھی کہ کوئی چکر چل رہا ہے اس کا ورنہ نوکری تو بس بہانہ تھی جانے کہاں جا کر گلچھرے اڑاتی ہوگی اب آ گیا یقین میری بات کا شریف زادی ہوتی تو ماموں کی زبان کا پاس رکھتی کیوں شادی رچا کر بیٹھ گئی اور کیا پتہ شادی کی بھی''۔

''بس کردیں آپ لوگ خدا کو کیا منہ دکھائیں گے کل نکاح کیا ہے اور اپنی بچی کو اپنے ہاتھوں سے رخصت کیا ہے میں نے اور وہ کوئی راہ چلتا نہیں فیضان بھائی لائے تھے رشتہ آپ سے تو غیر اچھے ہیں بھائی جنہوں نے میری بچی کے سر پر ہاتھ رکھ کر رخصت کیا اور آپ بھائی ہیں میرے جن کے ڈر سے مجھے اپنی بچی کو یوں رخصت کرنا پڑا کون سی ماں چاہتی ہے کہ اس کی بیٹی ایسے چھپ کر رخصت ہو مگر آپ نے مجبور کر دیا تھا مجھے اور کن کرتوتوں کی بات کرتے ہیں آپ لوگ ایسے کون سے عیب دیکھ لئے میری بیٹیوں میں خدا سے ڈریں آپ آپ کی کوئی بیٹی نہیں ہے ناں اس لئے آپ کے دل میں بیٹی کے لئے درد نہیں ہے مگر بیٹے تو ہیں ناں اللہ جب رسی دراز کرتا ہے تو کھینچ بھی لیتا ہے ڈریں اس وقت سے''۔ بولتے بولتے وہ ہانپنے لگیں تھیں فارحہ نے سہارا دے کر انہیں بٹھایا تھا۔

''میرا شوبی کتنا خوش تھا اپنی شادی سے''۔ ممانی نے آگے بڑھ کر شوبی کا سر سینے سے لگایا تھا شوبی بظاہر ایک صحتمند نوجوان تھا مگر حقیقتاً وہ لفظ بھی ٹوٹے پھوٹے بولتا تھا۔

''مگر شادی تو ہوگی اور آج ہی ہوگی اور اپنے شوبی کی دلہن میں یہیں سے لے کر جاؤں گی' فارحہ کی شادی کردی الفت مگر یہ صبا بھی تو ہے''۔ وہ فیصلہ کن لہجے میں بولتی الفت کی طرف مڑیں جہاں وہ سب شاکڈ رہ گئے

تھے وہیں صبا کی رنگت سفید پڑ گئی تھی اور ثمر ایکسائیٹڈ ہو گیا تھا دونوں ہاتھوں کی انگلیاں باہم پھنسا کر وہ قدرے آگے کو جھک بیٹھا تھا۔

''سمجھ کیا رکھا ہے آپ نے ہمیں جا کر اپنے میکے سے لے کر آئیں اپنے پاگل بیٹے کے لئے دلہن' نکلیں ابھی کے ابھی نکلیں ہمارے گھر سے ورنہ جان سے مار دوں گی''۔ شاک سے نکلتے ہی فارحہ بپھر اٹھی تھی۔

''اری او بڑی آئی کہیں سے شوہر والی جان سے مارنے کی دھمکیاں دے رہی ہے یاد نہیں ارسل نے کیسے مار مار کر حلیہ بگاڑ دیا تھا''۔ شبانہ نے اسے دھکا دیتے ہاتھ نچائے تھے ثمر کے ہونٹ ''او'' کی شکل میں سکڑ گئے اس کے چاپ چاپ بیٹھے تماشہ دیکھنے سے تو ان کی ہمت بڑھ رہی تھی۔

''میں ارسل کو فون کرتی ہوں ارے وہ تو ہونے والی بھاوج کے لئے پھولوں کا زیور بنوانے گیا تھا''۔ شبانہ نے موبائل اٹھایا الفت بے جان سی ہو گئیں صبا نے آنسو بھری آنکھوں سے ثمر کو دیکھا جو موبائل پر کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔

''ہیروئن کو جس سچویشن سے بچانے کے لئے تم نے ہیرو کے ہاتھ پاؤں جوڑ کر نکاح پڑھوا دیا تھا سچویشن اب بھی وہی ہے البتہ اینٹی ولن نے سلسر مارا ہے ہیروئن تبدیل ہو گئی ہے' واہ یار کیا مزے دار ڈرامٹک فیملی ہے یہ شوبز میں ٹرائی کیوں نہیں کرتے''۔ محظوظ کن انداز میں اس نے ٹائپ کیا تھا آگے اسمائلی فیس تھا اور ٹیکسٹ پڑھ کر اقراء کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے تھے تھوڑے بہت ہنگامے کی تو توقع تھی مگر حالات یہ رخ اختیار کرلیں گے اس نے سوچا نہیں تھا۔

''او مائی گاڈ' ثمر بھائی کچھ کریں انہیں روکیں میں تھوڑی دیر میں پہنچتی ہوں''۔ پڑھ کر ثمر جی بھر کر بدمزہ ہوا تھا اقراء ایک تو یہ ٹارزن ہر جگہ کود پڑتی ہے اس کی زندگی کا مشن ہی شاید ان لوگوں کو ریسکیو کرنا ہے اب کوئی کیا مدد کرے ان کی جو اپنی مدد خود نہیں کرنا چاہتے''۔ ایک طائرانہ نظر اس نے سب پر ڈالی تھی ساس نڈھال سی ہو گئی تھیں ایک سالی دوسری سالی کے بازو میں سسک رہی تھی گھر والی آنکھیں رگڑ رہا تھا بیوی کبھی بے یقین نظروں سے اسے دیکھتی کبھی ماموں ممانی پر نظر ڈالتی نظریں چار ہوتے ہی بچھ کر بڑے کر پہلو بدلتے اس نے موبائل پر فوکس کیا تھا۔

''کیا کروں میں؟ اب اس کی بہن سے تو نکاح پڑھوانے سے رہا میں اور نہ ہی اس پانچ فٹ کی لڑکی کو ان کی نظروں کے سامنے سے غائب کر سکتا ہوں''۔ ٹائپ کر کے اس نے موبائل پاکٹ میں رکھا ہی تھا دروازہ دھماکے سے کھلا تھا حالانکہ پہلے ہی ادھ کھلا تھا مزید کھولنے کی قطعاً ضرورت نہ تھی مگر آنے والا دروازہ دیوار سے ٹکرا کر ثابت کرنا چاہ رہا تھا کہ وہ بہت غصے میں ہے اور ایک طرف ثمر کے لئے یہ اچھا ہی ہوا تھا کیونکہ آنے والا تیر کی طرح اس پر لپکا تھا اگر اس دھماکے سے ثمر کی توجہ مبذول نہ ہوتی تو اس کا مکا اس کا مزاج ضرور پوچھ جاتا' سرعت سے ایک جانب کو جھکتے اس کا بازو پیچھے کو جھٹکتے ثمر نے اٹھتے ہوئے اسے دھکا دیا تھا وہ لڑکھڑا کر گرا تھا سینٹر ٹیبل کا کونہ سر میں لگا تھا۔

''مجھ سے الجھو گے تو یاد رکھنا ذمہ دار خود ہو گے''۔ انگلی اٹھا کر اسے وارن کیا تھا چہرہ سرخ اور آنکھیں شعلہ اگل رہی تھیں جبکہ لہجہ سرد تھا بازو جھٹکتے وہ کمرے سے ہی نہیں گھر سے ہی نکل گیا تھا' ان بہن بھائیوں نے ڈوبتے دل کے ساتھ اسے نکلتے دیکھا تھا اور جیسے ہر امید دم توڑ گئی تھی اس سے پہلے کہ ارسل اس کے پیچھے لپکتا ماں نے بازو سے پکڑ کر روکا۔

''تو اسے چھوڑ کر جا مولوی کو بلا کر لا''۔ جہاں ثمر کی لاتعلقی سے انہیں شہہ ملی تھی وہیں اس کی حیثیت سے مرعوب بھی ہو گئے تھے اس لئے اسے نہ چھیڑنا ہی مناسب سمجھا تھا۔

''میں نہیں کروں گی کوئی نکاح''۔ صبا نے کمزور سا احتجاج بلند کیا تھا۔

''کیسے نہیں کرے گی تیرا تو باپ بھی کرے گا''۔ ارسل نے آگے بڑھ کر بے دردی سے دو تین تھپڑ مارے تھے یہ پہلی بار تھا کہ وہ ان پر یوں قہر بن کر ٹوٹ رہا تھا پہلے فارحہ اور اب صبا فارحہ نے نفرت سے اسے دھکا دیتے صبا سے دور کیا تھا اس سے پہلے کہ وہ فارحہ پر پل پڑتا غیاث نے بازو پکڑ کر اسے فارحہ سے دور کیا تھا وہ منہ پر ہاتھ پھیرتا باہر نکل گیا۔

''بھائی خدا کے لئے ہم پر یہ ظلم نہ کریں آپ کو اگر وہ دکان چاہئے تو میں آپ کے نام کرنے کو تیار ہوں مگر خدا کے لئے ایسا نہ کریں آپ جو کہیں گے میں کروں گی''۔ الفت نے ایک بار پھر ان کے آگے ہاتھ جوڑے تھے اور انہوں نے نظریں چرا لیں الفت بہن تھیں اور وہ تینوں بھانجیاں ان کا دل گداز ہو ہی جاتا مگر وہ اپنی بیوی اور بیٹے کا کیا کرتے دونوں ہی منہ زور تھے اور ان کی حیثیت کسی معزول حکمراں کی سی تھی۔

وہ گیٹ کے باہر کھڑا موبائل پر بات کرنے میں بزی تھا ارسل اسے تقریباً دھکا دے کر راستے سے ہٹا کر آگے بڑھا تھا اس نے پلٹ کر اسے جاتے دیکھا اور شانے اچکاتے موبائل جیب میں ڈال کر اندر چلا آیا' وہ خاموشی سے اسی جگہ کی طرف بڑھ گیا جدھر کچھ دیر قبل بیٹھا تھا۔

اقراء اور فیضان صاحب کی آمد کے دو منٹ بعد ہی ارسل مولوی کو لے کر چلا آیا تھا صورتحال وہی تھی جو ایسی سچویشن میں ہو سکتی تھی ولن نمبر ایک اور دو کی طرف سے بڑھ چڑھ کر حملے ہو رہے تھے ولن نمبر تین بھی ماموں دبے دبے سے تھے فیضان صاحب پسپا ہو رہے تھے ان کی ذات تک کو نشانہ بنا لیا تھا مگر بیچارے تحمل سے بیٹھے تھے ساتھ ہی ایک افسوس بھری نظر لاتعلق بیٹھے ثمر پر بھی ڈال لیتے انہیں کل ہونے والی شادی پر افسوس ہی ہو رہا تھا متوقع دولہا سینٹر ٹیبل پر رکھے مٹھائی کے ڈبے سے جو کہ اس کی اماں ساتھ لائی تھیں دھڑا دھڑ مٹھائی ٹھونس رہا تھا اور دلہن بے چاری کا رو رو کر گلا بیٹھ چکا تھا وہ خود تو وہ سنجیدگی سے دولہا کے کھانے کی رفتار پر غور کرتا جی بھر کر حیران ہو رہا تھا' اقراء نے اسے دو تین بار ٹہوکا دے کر متوجہ کیا تھا۔

''پلیز ثمر بھائی کچھ تو بولیں' آپ کی حیثیت مضبوط ہے یہ لوگ پاپا کی طرف داری کو غلط رنگ دے رہے ہیں''۔ اقراء کا لہجہ التجائیہ تھا۔

''God help those who help themselves' جتنی دیر یہ لوگ رونے اور منتوں میں ضائع کر رہے ہیں مل کر حملہ کرتے تو یہ ولنز کب کے بھاگ کھڑے ہوتے''۔ جمائی روکتے وہ بے زاری سے بولا اقراء اسے دیکھ کر رہ گئی۔ باہر بھاری بوٹوں کی دھمک ہوئی تھی اور چار پولیس والے اندر داخل ہوئے تھے۔

''ہیلو انسپکٹر''۔ سرعت سے اپنی جگہ سے اٹھتے ثمر نے مصافحہ کیا تھا۔

''میں نے تو ایس پی احمد کمال کو کال کی تھی''۔

''ایس پی صاحب کے گھر کوئی تقریب تھی انہوں نے مجھے تھانے فون کیا تھا''۔ انداز سے لگ رہا تھا جیسے اس کی کوئی پرانی واقفیت ہے۔

''آل رائٹ' یہ آپ کے مہمان''۔ اثبات میں سر ہلاتے اس نے اشارہ کیا جن کے چہرے فق ہو چکے تھے اور شاکڈ تو وہ سب بھی رہ گئے تھے۔

''او چلو بھئی مہمانوں کو احترام سے گاڑی میں بٹھاؤ زبردستی شادی کروا رہے تھے بڑا پکا کیس بنے گا''۔ کانسٹیبل کو اشارہ کرتے انسپکٹر مخصوص لہجے میں بولا تھا۔

''مم...... میرا کیا قصور مجھے تو علم ہی نہیں تھا کہ یہ مجھے زبردستی کا نکاح پڑھوانے لے جا رہے ہیں''۔ مولوی صاحب منمنائے تھے۔

''اب یہ صفائیاں تو تھانے چل کر پیش کیجئے گا مولوی صاحب''۔ انسپکٹر نے مونچھوں کو تاؤ دیا تھا۔ الفت حیران پریشان کھڑی دیکھ رہی تھیں بھائی کو لے جانے لگے تو پیچھے لپکیں مگر فارحہ نے روک لیا انہیں سنبھالتے اس کی نظر ثمر سے ملی تھی ثمر کے ہونٹوں کے گوشے میں ذرا سی مسکراہٹ چھپی تھی ڈرامے کا ڈراپ سین بہرحال اسی کے ہاتھوں ہوا تھا ایک ابرو اچکا کر اسے دیکھا اور ہولے سے شانے جھٹکتا ان کے پیچھے باہر نکل گیا۔

''کمال کا شخص ہے یہ ثمر بھی' جس طرح بے حسی سے بیٹھا سب دیکھ رہا تھا مجھے تو اس بچی کی قسمت پر ترس ہی آ رہا تھا' میں تو پولیس کو ایکدم سامنے دیکھ کر گھبرا ہی گیا تھا مگر خیر اچھا ہی ہوا ان لوگوں کے ساتھ یہی ہونا چاہئے تھا''۔ واپسی کے سفر میں فیضان اقراء سے مخاطب تھے اور اقراء نے یوں فخر سے گردن اکڑائی تھی جیسے انہوں نے ثمر کی نہیں اس کی تعریف کی ہو آخر کو ثمر اسی کی تجویز یہ پیشکش تو تھا۔

☆☆☆☆

''تھینک یو ثمر بھائی''۔ موبائل سے سر اٹھا کر ثمر نے دیکھا خوبصورت نقوش والا وہ چھوٹا سا لڑکا اسی سے مخاطب تھا گالوں پر اس کے ابھی بھی آنسوؤں کے نشان تھے کچھ پل اسے دیکھتے رہنے کے بعد اس نے اسے ساتھ بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا' موبائل پر گیم کھیلتے وہ اس سے چھوٹے چھوٹے سوالات کرنے لگا تھا اور سعد بڑی دلچسپی سے موبائل اسکرین پر بھاگتی گاڑیوں کو دیکھتا جواب دے رہا تھا۔ سعد کی کسی بات پر وہ زور سے کھلکھلا کر ہنس پڑا تھا ان چاروں نے چونک کر دیکھا وہ دونوں گردن پیچھے کو ڈالے ہنس رہے تھے اس کے بلند آہنگ مردانہ قہقہے نے جیسے کسی جمود کو توڑا تھا زندگی کی ایک لہر سی دوڑی تھی اس گھر کے در و دیوار میں سمن کے لب ذرا سے مسکائے الفت کو یاد آیا انہوں نے اسے کھانے پر بلایا تھا فارحہ کچھ حیران جبکہ صبا سر گھٹنوں پر ٹکائے آنکھوں میں دلچسپی سے انہیں دیکھ رہی تھی سمن بھی اس کے پاس جا بیٹھی تھی۔

''بڑی جلدی میں الفت نے مٹر پلاؤ اور چکن کڑھائی تیار کی تھی میٹھے میں آئسکریم تھی ایک اچھے دن کی ٹینشن کے بعد ان سب نے ہی ڈٹ کر کھایا تھا سوائے فارحہ کے وہ سوچوں میں الجھی اور گم صم سی تھی اس کا اس شخص سے جو رشتہ تھا اور جن حالات میں بنا تھا وہ پرسکون رہ بھی کیسے سکتی تھی اس کے گھر والوں نے اسے بہت جلد اپنا تسلیم کر لیا تھا مگر وہ کیسے ایک دوسرے کو قبول کریں گے؟ اور قبول کر بھی پائیں گے یا نہیں' ثمر سے رشتہ جوڑنا اس کی مجبوری تھی مگر ثمر کو کیا مجبوری لاحق تھی؟ اس کی فیملی؟ اس کا باپ؟ ایسے بہت سارے سوالیہ نشان اور مستقبل کے اندیشے اس کے دماغ میں کلبلا رہے تھے۔ کھانے کے بعد صبا کافی بنا کر لے آئی تھی۔

''اف ایک تو یہ میرے گھر والے سارا راشن آج ہی ختم کر دیں گے پتہ بھی ہے مہینہ ختم ہونے میں پورے چھ دن باقی ہیں''۔ صبا کو گھورتے فارحہ نے سوچا تھا۔ کافی ختم کر کے وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا الفت نے روکنا چاہا پر اس نے معذرت کر لی تھی فارحہ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا ''میں رکوں گی'' وہ جلدی سے بول پڑی۔

''ایز یو وش''۔ شانے اچکا تا وہ دروازے کی سمت بڑھا تھا۔

''نہیں بیٹا''۔ الفت نے فارحہ کو آنکھیں دکھاتے ساتھ جانے کا اشارہ کیا تھا کہ کل ہی تو شادی ہوئی تھی۔

''اٹس او کے آنٹی نو پرابلم''۔ سنجیدگی سے بولتا وہ باہر نکل گیا تھا۔

سمن کچن سمیٹنے میں لگ گئی تو وہ صبا کو بستر لگانے کا کہہ کر سمن اور سعد کے مشترکہ کمرے میں چلی آئی۔

''میری بات سنو سعد''۔ سعد کا ہاتھ تھام کر اس نے اٹھایا تھا اس کی آنکھیں نیند بھری تھیں وہ اس سے گیارہ سال چھوٹا تھا چند لمحے وہ اپنے ہاتھوں میں دبے اس کے چھوٹے سے ہاتھ کو دیکھتے سوچتی رہی کہ پتہ نہیں وہ صحیح بھی کر رہی ہے یا نہیں سعد جوان کا اکلوتا اور لاڈلا بھائی تھا جس نے زندگی کے محض چھ سال ہی باپ کی شفقت اور محبت کو محسوس کیا تھا جو فرمائش کرنے کی عمر کو پہنچا تو مہربان باپ ساتھ چھوڑ گیا تھا' سعد جس کے بارے میں اس نے سوچا تھا کہ وہ اس کے بچپن کو رخصت نہیں ہونے دے گی وہ اسے قابل انسان بنائے گی وہ ہمارا بننے کی اس وقت تک جب تک وہ ان کا سہارا بننے کے قابل نہ ہو جائے مگر آج یہ سب کچھ کہنا ناگزیر ہو گیا تھا اس نے گہری سانس بھری پیشانی پر بکھرے اس کے بال پیار سے سمیٹے اور کہنا شروع کیا۔

''تم دس سال کے ہو سعد مگر تمہیں بیس سال کا بننا پڑے گا' تم یتیم ہو اور یتیم بچوں کا کوئی بچپن نہیں ہوتا''۔ الفت نے تڑپ کر کچھ کہنا چاہا مگر اس نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روکتے اپنی بات جاری رکھی تھی۔

''تم سب سے چھوٹے ہو سعد مگر تمہیں سب سے بڑا بننا پڑے گا اپنی بہنوں کی حفاظت کے لئے اس گھر کی حفاظت کے لئے کیونکہ تم اس گھر کے واحد مرد ہو تمہیں اتنا مضبوط بننا ہے کہ کوئی تمہارے گھر کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے ہمت نہ کر سکے''۔

''مگر ثمر بھائی''۔ سعد نے اس کی بات کاٹ کر کچھ کہنا چاہا تھا۔

''ثمر اس گھر کے مرد نہیں ہیں اس گھر کے مرد تم ہو اور سربراہ بھی تمہیں سہارا بننا ہے نہ کہ سہارے کے لئے کسی کی طرف دیکھنا ہے کوئی ہماری جگہ نہیں لڑتا سعد ہمیں اپنی جنگ خود لڑنی پڑتی ہے''۔ آخر میں اس کا لہجہ تھکن زدہ ہو گیا تھا امن کا پرچم لہرانے والے خود جنگ کی بات کر رہے تھے خاموشی ہر جگہ کام نہیں آتی کہیں تو ہتھیار اٹھانا ہی پڑتا ہے اور یہ بات آج اسے بخوبی سمجھ آ گئی تھی جب کئی بار اس نے ثمر کی طرف دیکھا تھا اور اسے لاتعلق پایا تھا' ٹھیک ہے اس نے مدد کر دی تھی مگر وہ اور اقراء آخر کب تک انہیں بچانے آتے انہیں اپنا سروائیول خود بننا تھا ثمر سے اس کا رشتہ نجانے کس نہج پر پہنچتا ابھی تو وہ خود بے یقینی کا شکار تھی اپنے گھر والوں کو کیسے اس کا عادی بننے دیتی۔

☆☆☆☆

اس گھر سے کل پولیس ہو کے گئی تھی سو یہ گھر محلے والوں کی دلچسپی کا محور کیوں نہ بنتا صبح سے تانتا بندھا ہوا تھا الفت شرمندگی سے ہر ایک کو کہانی سناتیں داماد کا پولیس بلانا اور پولیس کا بھائی کے گھر کو پکڑ کر لے جانا یہ ان کے نزدیک قابل فخر بات تو نہ تھی محلے والوں کے نزدیک فارحہ کی اچانک شادی بھی باعث حیرت تھی وہ جانتی تھیں کہ اس بارے میں بھی نئی کہانی جنم لے گی مگر بے یقین تھیں کل اس گھر کو کوئی جانتا نہ تھا آج اس گھر کی کہانی زبان زد عام تھی' دوپہر سے پہلے اقراء آ گئی آتے ہی بولی۔

''چلو بھئی کھڑی ہو جاؤ آج تمہارے سگھڑاپے کا امتحان ہے''۔ وہ ناسمجھی سے اسے دیکھے گئی تو اس نے وضاحت دی تھی۔

''اپنے گھر کی حالت تو تم ملاحظہ کر ہی چکی ہو گی اور میں تمہارا حال بھی جانتی ہوں کہ قیامت تک تم سے وہ گھر صاف نہ ہو گا اس لئے سوچا تمہاری مدد کی جائے کم از کم ثمر بھائی کے سامنے جھوٹی تو نہ پڑوں گی آگے تو پھر

تم سنبھال ہی لوگی"۔ اقراء سدا کی منہ پھٹ تھی وہ کھول کر رہ گئی بات کچھ اتنی غلط بھی نہ تھی بابا کے دور میں الفت کی مدد کے لئے دو کل وقتی ملازمائیں آ جاتی تھیں اس پر کوئی خاص ذمہ داری نہ تھی اور بابا کے بعد اس پر فکر معاش کی ذمہ داری آن پڑی تھی۔ الفت اور سعد کو گھر چھوڑ کر وہ تینوں اقراء کے ساتھ فیضان صاحب کی گاڑی میں نکل پڑیں جن کی چابی اقراء اڑا لائی تھی نیچے ریزیڈنسی آفس سے فلیٹ کی چابی لیتی وہ لفٹ سے اوپر آ گئی تھیں صبا اور سمن بلڈنگ دیکھ کر جتنا خوش اور پر جوش ہو رہی تھیں گھر دیکھ کر ان کے لٹکے منہ دیکھ کر فارحہ کو ہنسی آنے لگی چند منٹ کو چاروں سوچتی رہیں کہ کہاں سے شروع کیا جائے پھر اقراء اور سمن نے صفائی کا بیڑا اٹھایا تو فارحہ نے کپڑوں کا انبار دھونے کا فیصلہ کیا اور صبا نے کچن کی صفائی کا ذمہ لیا کپڑے دھونے سے پہلے اس نے صبا کے ساتھ مل کر لانڈری کی ضروری صفائی کی پھر مشین لگائی تھی گھر کے کونوں کھدروں سے مزید کپڑے نکل کر اس کے پاس پہنچنے لگے تھے۔

"اف اللہ شمر بھائی تو لگتا ہے کپڑے دھونے دھلوانے کے جھنجھٹ میں پڑتے ہی نہیں ہوں گے سیدھا جا کر نئے ہی خرید لیتے ہوں گے" کپڑوں کا ذخیرہ دیکھ کر صبا کی آنکھیں پھٹنے کو بے تاب ہونے لگی تھیں وہ کچن میں چلی آئی کیبنٹ اور سلیب وغیرہ کی صفائی کرنے کے بعد اس نے فریج میں جمع شدہ سامان باہر ڈھیر کرنا شروع کیا تھا اقراء اور سمن گھر چمکانے کے ساتھ چیزیں ترتیب دے رہی تھیں سب سے برا حال فارحہ کا تھا کپڑوں سے نبرد آزما ہونے کے ساتھ وہ کبھی اقراء کے پکارنے پر اس کی طرف بھاگتی اور کبھی صبا آواز دیتی گھر آخر کو اس کا تھا اور انہوں نے اس کی مرضی سے ترتیب دینا تھا شام ڈھلے وہ لوگ کاموں سے فارغ ہو گئیں نہانے سے فراغت کے بعد فارحہ کھانا جو الفت نے آتے وقت دیا تھا گرم کرنے کچن میں چلی آئی کھانے کے بعد وہ لوگ فوراً ہی جانے کے لئے تیار ہو گئیں کہ گھر سے کئی فون آ چکے تھے پورا دن گزر چکا تھا شمر کا کہیں پتہ نہ تھا ان کے جانے کے بعد فارحہ کچھ دیر ٹی وی دیکھتے کپڑے تہہ کرتی رہی پھر اس نے پریس کر کے ہینگ کئے تھے تھکن حد سے سوا تھی مگر انجانی مسرت بھی رگ و پے میں دوڑ رہی تھی کئی دفعہ گھوم پھر کر اس نے گھر کا جائزہ لیا تھا صاف شفاف چمکتا خوبصورت گھر ان لوگوں کے ساتھ مل کر اس نے لاؤنج کی سیٹنگ بھی تھوڑی سی تبدیل کی تھی اپنے گھر کا احساس ہر لڑکی کی طرح اس کے لئے بھی جان فزاء تھا اس نے خود کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کیا تھا' کچھ جھجکتے ہوئے اس نے شمر کا نمبر ملایا تھا بیل جا رہی تھی اور ساتھ ہی اس کی دھڑکنوں کا شور بھی بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

"ہیلو"۔ آخر کار اس کی مصروف آواز سنائی دی تھی۔

"مم میں فارحہ"۔ گلا صاف کرتے وہ بمشکل بولی تھی۔

"جی میرے موبائل میں یہ نمبر وائف کے نام سے Save ہے"۔ وہ یوں بولا جیسے کہہ رہا ہو کہ مجھے پتہ ہے اب آگے بولو۔

"آپ آپ کہاں ہیں؟" خاصے سرعت سے سوال کیا گیا تھا۔

"کیوں؟"

"یونہی پوچھ رہی تھی"۔ وہ گڑبڑا گئی۔

"میں گھر آ گئی تھی سوچا آپ کو بتا دوں آپ کب تک آئیں گے"۔ گھبراہٹ میں وہ جلدی جلدی بول گئی۔

"مجھے معلوم ہے کہ آپ گھر آ گئی ہیں آفس والوں نے مجھے کال کر کے آپ کو چابیاں دی تھیں"۔ اس کے جواب پر اسے یاد آیا کہ اقراء کے یہ بتانے پر کہ یہ مسز شمر ہیں اور انہیں شمر کے فلیٹ کی چابیاں چاہئے اسے خاصی

مشکوک نظروں سے گھورا پھر شمر کو کال کی اور اس کے کہنے پر ہی انہیں چابیاں دی تھیں۔

"اور میں اس وقت بہت بزی ہوں اپنے گروپ کے ساتھ ایک پریزنٹیشن تیار کر رہا ہوں لیٹ آؤں گا اب مجھے کال کر کے ڈسٹرب مت کریئے گا اوکے بائے"۔ فون بند ہو گیا تو اس نے کان سے ہٹا کر فون کو گھورا پھر ڈور لاک چیک کر کے روم کا ڈور لاک کر کے بیڈ پر آ گئی۔

☆☆☆☆

صبح وہ اٹھ کر باہر آئی وہ لاؤنج میں نہیں تھا دوسرے کمرے کا دروازہ کھلا سامنے ہی وہ بے ترتیب انداز میں بیڈ پر نظر آ گیا تھا قریب لیپ ٹاپ کھلا پڑا تھا ارد گرد کاغذات بکھرے پڑے تھے کل جو کتابیں بک ریک میں جوڑ کر رکھی گئی تھیں اب ٹیبل پر اور میٹرس کے گرد پڑی تھیں حال دیکھ کر وہ کھول اٹھی تھی دروازہ پٹختی کچن میں آ گئی فریج کھولا صاف ستھرا خالی فریج منہ چڑانے لگا فریج کے دروازے کو پٹختی وہ ڈائننگ ٹیبل کی چیئر گھسیٹ کر بیٹھی بھوک سے پیٹ میں اینٹھن ہو رہی تھی کھانا کل شام سات بجے کا کھایا ہوا تھا۔

"اس سے تو اچھا تھا کہ کچا مٹی کے تیل کے چولہوں والا گندا سا کچن ہوتا پر کچھ کھانے کو تو ہوتا"۔ ایک زہر بھری نظر صاف ستھرے چمکتے نفاست سے سجے کچن پر ڈالتے اس نے سوچا۔ کہنیاں ٹیبل پر ٹکائے وہ جانے کس گہری سوچ میں غرق تھی جب وہ چیئر گھسیٹتے اس کے قریب بیٹھا تھا وہ چونک کر سیدھی ہوئی۔

"ناشتہ نہیں بنایا تم نے"۔ جمائی روکتا وہ کسلمندی سے بولا۔

"کیوں آپ تو ناشتہ نہیں کرتے"۔ اس کا لہجہ تیکھا تھا وہ ہڑبڑا اٹھا معلوم نہ تھا کہ وہ یوں یاد رکھے ہوگی اور اپنے جملہ لوٹائے گی وہ خاموش ہی رہا تھا۔

"گھر میں کچھ بھی نہیں ہے"۔ اب کے وہ روہانسی ہو گئی تھی وہ چپ چاپ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہونہہ شادی کر کے اس خالی ڈھنڈار گھر میں آ کر پٹخ دیا۔ خالی گھر سے اس کی مراد یقیناً خالی کچن تھا' یہ نہیں پتہ کہ بیوی بھی انسان ہے کچھ تو کھاتی پیتی ہوگی"۔ اس کی پشت کو گھورتے اس نے خاصا بدلحاظ ہو کر سوچا تھا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد اس نے شاپرز ڈائننگ ٹیبل پر اس کے سامنے پٹختے تھے ٹیبل سے سر اٹھا کر اس نے دیکھا اور پھر جس تیزی سے اس نے شاپرز اٹھا کر جائزہ لینا شروع کیا تھا مقابل کی آنکھیں پھیل گئیں۔

"بھوکی"۔ وہ زیر لب بڑبڑایا اور واپس روم میں جانے کے لئے قدم بڑھائے

"ایک منٹ"۔ انداز خاصا تحکمانہ تھا وہ ایڑھیوں کے بل واپس گھوما ایک مرحلہ سر ہو چکا تھا وہ شاپرز چھوڑ چھاڑ دوسرا مرحلہ سر کرنے اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

"اس گھر کو سیٹ کرتے اور اس کوڑے دان کو گھر کی شکل دیتے میری ہڈیاں چورا ہو گئیں اب تک تھکن نہیں اتری ہے میری اور آپ کو ذرہ برابر احساس نہیں ہوا میرا"۔ انگوٹھے اور شہادت کی انگلی ملا کر ذرہ بناتے اس نے ہاتھ اس کے سامنے لہرایا شمر کی آنکھیں مارے حیرت کے حلقوں سے ابل پڑیں تو دماغ اس کی روتی گڑبڑاتی مسکین صورت فلم چلانے لگا تھا وہ کس پر یقین کرتا جو گزر چکا تھا اس پر یا جو حالیہ فلم اس کی آنکھیں دکھا رہی تھیں اس پر۔ ایک اور حیرت کا جھٹکا لگا تھا اسے جب وہ اسے بازو سے پکڑ کر کھینچتی اسٹڈی میں لے آئی تھی۔

"میں اس گھر کو صاف کرتے کرتے فوت ہو چکی ہوتی اگر اقراء صبا اور سمن میری ہیلپ کے لئے نہیں آتیں"۔ تو یہ اکیلے ان محترمہ کا کارنامہ نہیں تھا وہ تو کل رات جگمگاتا گھر دیکھ کر امپریس ہو گیا تھا اور محترمہ پر فدا بھی کل رات محترمہ مورچہ بند ہو کر سو نہ رہی ہوتیں تو مکمل ہی فدا ہو جاتا۔

"اب جب تک میں ناشتہ بناتی ہوں آپ ان سب چیزوں کو ٹھکانے پر رکھیئے"۔ ایک اور بیان جاری ہوا تھا ثمر ہڑبڑا کر حیرت سے جاگ اٹھا۔

"اور اگر نہ کروں تو"۔ چہرے پر دل جلانے والی مسکراہٹ پھیلا کر اسے دیکھا وہ جو حکم چلا کر دروازے کی سمت بڑھ چکی تھی پلٹ کر اسے گھورنے لگی آنکھیں بات نہ ماننے پر جیسے صدماتی کیفیت کے زیر اثر آ گئیں پھر دیکھتے دیکھتے آنکھیں پرسوچ انداز میں سکیڑیں اور وہ تیر کی طرح ثمر کے ہیپر زیر پڑی۔

"تو پھر میں ان سب کو چولہے میں جھونک دوں گی"۔ تیز تیز ہاتھ مارتی وہ کاغذ جمع کرنے لگی کاغذوں کے بعد اس نے لیپ ٹاپ پر پڑی سی ڈی کی طرف ہاتھ بڑھایا جس میں واقعی ثمر کی جان تھی وہ گذشتہ بیس دنوں سے اس پروجیکٹ پر کام کر رہا تھا اور اب تو پراجیکٹ اختتامی مراحل میں داخل تھا لپک کر کلائی تھامتے ثمر نے اس کے ہاتھ سے سی ڈی لینی چاہی تھی مگر اس کی گرفت مضبوط تھی اس نے اپنے ہاتھ کو جھٹکا دیا تھا اور ثمر نے اس خیال سے کہ کہیں بیس دنوں کی محنت کریک نہ ہو جائے اپنی گرفت سی ڈی پر لوز کی تھی ایک ہاتھ میں اس کی کلائی تھی اور پیروں میں لیپ ٹاپ کا چارجنگ وائر الجھا تھا نتیجتاً وہ اس کے ہاتھ کھینچنے پر اپنا توازن برقرار نہیں رکھ پایا تھا اور اس سمیت میٹرس پہ آ گرا تھا گو کہ سی ڈی اپنے قبضے میں لیتے وہ اس کی سمت متوجہ ہوا اس کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا' ہاتھ میں پکڑے کاغذ ان دونوں پہ ہی بکھر گئے تھے اس کی زلفیں جو پہلے جوڑے میں لپٹی تھیں اب کسی جال کی صورت میٹرس پر اور کچھ اس کے چہرے پر بکھر گئی تھیں اور ثمر لمحہ بہ لمحہ خود کو اس جال میں پھنستا محسوس کر رہا تھا۔

"تم میری محنت چولہے میں جھونکو گی"۔ زلفیں اس کے چہرے سے ہٹاتے مسکراہٹ دبائے اس کا لہجہ محظوظ کن تھا۔

"نہیں تو' بالکل بھی نہیں' میں تو یونہی مذاق' بولنے کی کوشش کرتے محض چار انچ کے فاصلے پر موجود اس کی بھوری آنکھوں پہ جونہی نگاہ اٹھی اس کی زبان کو بریک لگا تھا چہرے کی رنگت مزید سرخ ہوئی تھی' شیرنی بھیگی بلی بن چکی تھی ثمر نے زوردار قہقہہ لگایا تھا اور وہ اس گھڑی کو کوسنے لگی جب اس نے کہا تھا آ بیل مجھے مار۔

"دیکھئے' مجھے بھوک لگ رہی ہے بہت سخت قسم کی آپ کو بھی تو"۔ اس نے ایک کوشش مزید کرنی چاہی۔

"ہاں بھوک تو مجھے لگ رہی ہے مگر ذرا دوسری قسم کی"۔ اپنی آنکھوں کو شرارتی انداز میں گھماتے اس کے چہرے پر صاف لکھا تھا کہ وہ اس کی بے بسی پر جی بھر کے لطف اندوز ہو رہا ہے فارحہ کی آنکھیں پھٹنے کو بے تاب ہو گئیں اس سے پہلے کہ وہ دھاڑیں مار کر رونا شروع کرتی اس کے لبوں کو آہستگی سے چومتے ثمر خود پیچھے ہٹ گیا تھا۔

☆☆☆☆

شام کو وہ ثمر کے ساتھ ایک ڈپارٹمنٹل اسٹور میں موجود تھی کچھ ضروری چیزوں کی شاپنگ کے لئے اور اپنے گھر کے لئے خریداری کرتی وہ جتنی پرجوش تھی ثمر اتنا ہی بیزار ہو رہا تھا۔

"میں ایک غریب آدمی ہوں"۔ وہ غالباً کوئی چھٹی بار اس کے کان میں چلایا تھا مگر غریب آدمی کی بیوی ان سنی کرتی شاپنگ سے لطف اندوز ہوتی دھڑا دھڑ ٹرالی بھرے جا رہی تھی۔

"میرے خیال میں پہلی بار کسی ڈپارٹمنٹل اسٹور میں چہل قدمی کا شوق پورا کر رہی ہو"۔ اب وہ طنز پر اتر آیا تھا وہ پرسکون انداز میں اس کی طرف گھومی۔

"ہاں آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں شوہر کے ساتھ پہلی بار اور ویسے بھی کوئی ساڑھے چار سال بعد"۔ انگلیوں پر حساب کرتی بولتی وہ اسے سرتاپا جھلسا گئی۔

جوں جوں ٹرالی میں اشیاء کا حجم بڑھتا چلا جا رہا تھا ثمر کا بی پی لو ہوتا جا رہا تھا اس کی نظر میں وہ سراسر غیر ضروری چیزیں بھر رہی تھی آٹا' دالیں' چینی' چاول' گھی' تیل' ڈش کلینز' ہاتھ کلینز' شیمپو کچھ مختلف قسم کے اسپرے کچھ ساز مرچ مصالحے' سبزیاں' گوشت' چکن فش فروٹ اس نے ہیئر برش بھی نہ چھوڑا تھا اور اب وہ کراکری سیکشن کی طرف چلی آئی تھی وہ تھوڑا سا آگے بڑھتی اور کچھ نہ کچھ ٹرالی میں ڈال لیتی اسے ہر چیز ضروری اور ثمر کو ہر چیز غیر ضروری لگ رہی تھی' اس نے ماربل کا چکلا بیلن ٹرالی کے نچلے حصے میں ڈالا تھا ثمر نے اٹھا کر واپس اسی جگہ پٹخا اور اسے جتایا کہ وہ غریب آدمی ہے۔

"آپ غریب نہیں آپ کنجوس آدمی ہیں"۔ چکلا بیلن واپس ٹرالی میں ڈالتے وہ تلملا کر بولی آواز اتنی اونچی تھی کہ قریب کھڑے چار پانچ لوگ مڑ کر انہیں دیکھنے لگے تھے ثمر نے خجل ہوتے رخ موڑ لیا جب کہ دل تو شدت سے یہ چاہ رہا تھا کہ یہی بیلن اٹھا کر اس کے سر پر دے مارے چند ثانئے فارحہ نے سوچا پھر چکلا اٹھا کر واپس اسی جگہ جمایا۔

"سلیب پر بیلا کروں گی روٹی"۔ احسان جتاتی نظروں سے ثمر کو دیکھا تھا بے چارے غریب مظلوم شوہر نے گہری سانس بھری اور ٹرالی گھسیٹتے بیوی کے پیچھے پیچھے چل دیا۔ وہ ایک اسٹوڈنٹ تھا جو کہ عموماً غریب ہوتے ہیں اور اپنی فیملی پر ڈپینڈنٹ بھی اس کے ڈیڈ ایک معمولی سی رقم ہر ماہ اس کے اکاؤنٹ میں جمع کراتے تھے بس ایک پاکٹ منی کے طور پر بلکہ انہیں ہر ماہ یہ احسان کرنا کہاں یاد رہتا ہوگا یہ تو ان کا بیچارہ شریف منیجر تھا جو ہر ماہ اسے یاد کر لیتا تھا وہ ایک مہنگی یونیورسٹی کا ایم بی اے کا اسٹوڈنٹ تھا جس کی سمسٹر فیس وہ بمشکل افورڈ کرتا تھا ایک طرح سے دادا دادا سے خود سے الگ ہونے کی سزا دے رہے تھے' ٹھیک ہے اگر یہ سزا تھی تو اسے منظور تھی وہ ضدی تھے تو وہ بھی ان کا بیٹا تھا' انہوں نے کون سا اسے ہمیشہ ساتھ رکھا تھا جواب وہ چاہتے تھے کہ وہ ان کے ساتھ رہے اسے جو ملتا تھا وہ لوٹا رہا تھا' اس کا گزارا تو ایک پیزا یا ایک برگر پر ہو جاتا تھا یا کبھی عیاشی کا موڈ ہوتا تو وہ کسی اچھے سے ریسٹورنٹ کی سستی سی ڈیل سے فیض یاب ہو جاتا اسے تو یہ سب غیر ضروری لگنا ہی تھا۔

بل ثمر کی توقع کے مطابق اتنا زیادہ نہیں بنا تھا لیکن اس نے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ وہ پرسکون ہو گیا ہے۔

"دیکھا میں نے کچھ فالتو نہیں خریدا"۔ اس کی بیوی نے بل لہراتے ایک بار پھر احسان جتایا تھا' وہ اس پر احسان جتانے اسے لئے ریسٹورنٹ چلا آیا تھا جس کا ماحول خوبصورت تھا کھانا مزیدار اور قیمت نہایت ہی مناسب مینیو کارڈ اس کے آگے رکھ کر وہ بظاہر ادھر ادھر کا تفصیلی جائزہ لے رہا تھا مگر ساری حسیات درحقیقت اسی پر لگی تھی کہ وہ کیا منتخب کرتی ہے اور اس کی بیوی نے کچھ وقت لگا کر چن کر ایک سستی Meal ان دونوں کے لئے منتخب کی تھی تو گویا ثابت ہوا کہ اس کی بیوی اتنی بھی فضول خرچ نہیں تھی جتنا کہ وہ سمجھا تھا۔ اور ابھی وہ کھانے سے صحیح طرح لطف اندوز بھی نہ ہو سکے تھے کہ اسے اپنے دائیں طرف دو لوگوں کی موجودگی کا احساس ہوا تھا ذرا سی گردن موڑ کر اس نے نظر ڈالی سیاہ نیٹ کی ساڑھی اور سرخ بھڑکتی لپ اسٹک میں شعلہ جوالہ بنی اس کی سوتیلی ماں گرے سوٹ میں ملبوس اس کے باپ کے بازو میں بازو پروئے کھڑی تھی۔

"ہیلو مائے ڈارلنگ"۔ انگوٹھی سے مزین دائیں ہاتھ کی تین انگلیاں اس کے گال پر پھیر کر کہا گیا تھا جسے اس نے بمشکل ہضم کیا تھا کانٹا پلیٹ میں رکھ کر اس نے اپنے باپ پر نظریں جمائی تھیں اس کا باپ کچھ جانچتی اور کچھ شعلہ اگلتی نظروں سے اپنے سامنے بیٹھی لڑکی کو گھور رہا تھا جیسے فیصلہ نہ کر پا رہا ہو کہ "ایسی لڑکی کا اس کے ساتھ کیا کام وہ جانتا تھا کہ اس کے ساتھ لڑکی کا ہونا حیران کن نہیں

(جاری ہے)

عائشہ الیاس

عید ملن

ڈلاس شہر کی ڈھلتی شام کے ملگجے سائے گہرے ہونے لگے تھے جس کی جگہ مصنوعی روشنیوں نے شہر کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا' جوں جوں رات بڑھ رہی تھی لوگوں کے جم غفیر نائٹ کلبز کی جانب بڑھ رہے



تے کہنے کو اس جگہ عیش و عشرت کا ہر سامان میسر تھا مگر پھر بھی ہر دوسرا شخص بے سکون اور نفسیاتی امراض کا شکار تھا جس کا واحد حل خود کو دنیا سے کچھ لمحوں کے لئے بیگانا کر دینا تھا اور یہ وبا اس شہر کی حدود تک نہ تھی صرف اس نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا بس فرق اتنا تھا جو ملک زیادہ ڈیولپ بنتا جا رہا تھا وہاں کا تناسب بھی بڑھ رہا تھا وہ خود ایک سائیکولوجسٹ تھا معاشرے کی برائیوں کے سبب جاننے کے باوجود وہ خود بھی اس کی لپیٹ میں آ گیا تھا جانے کیسی خود غرض بے حس ہوائیں تھیں جو وجود کو چھوتے ہی بے سکون سا کر رہی تھیں وہ اس گھٹن سے صرف آزادی چاہتا تھا وہ تشنگی کا شکار تھا جانے اداسیوں کے کیا اسباب تھے اس کی خود کی سمجھ سے بھی بالاتر تھا وہ جذبوں سے عاری اپنی فلائیٹ کے لئے بھاری قدم اٹھاتا تا ائیر پورٹ کے اندر داخل ہوا تھا۔ ایک عرصے بعد وہ پاکستان اس مرتبہ عید کرنے جا رہا تھا حالانکہ اس کا دل نہیں تھا لیکن وہ ابا جی کو انکار نہ کر سکا تھا ابا جی کی بھی اسے آج تک سمجھ نہ آئی جوانی کے



وقتوں میں امریکہ آبسے پھر دن رات محنت کر کے اولادوں کو اعلیٰ مقام پر بھی کھڑا کر دیا لیکن خودساری زندگی عجیب بے سکونی کا شکار رہے اسے تو یاد بھی نہ پڑتا تھا کے اس نے کبھی ان کو کھل کر ہنستا ہوا دیکھا ہو پھر اماں کے گزر جانے کے بعد تو وہ اور بھی گم صم رہنے لگے ان کی اولادیں علیحدہ رہنے کے باوجود بھی ان کو خوش کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی خدمت ضرور پیش کرتیں تھیں۔

''ابا جی آپ گارڈننگ کیا کریں''۔

''ابا جی آپ میرے ساتھ چلئے گا میں آپ کو ایک کلب کی ممبر شپ دلوادوں گا''۔

''ابا جی آپ ورلڈ ٹور پر چلے جائیں''۔ سب کے اپنے اپنے مشورے تھے لیکن ابا جی کی چپ کوئی نہ توڑ پا تا وہ انھیں بغور دیکھ رہا تھا اور اس نے فوری طور پر بھانپ لیا تھا کے ان کے ساتھ کوئی نفسیاتی معاملہ ہے پھر ڈاکٹر کی خصوصی ہدایت پر عمل بھی کیا لیکن ان کی حالت جوں کی توں تھی ایک دن انھوں نے کہہ ہی دیا۔

''مجھے میرے ملک واپس بھیج دو''۔ وہ متانت سے بولے۔

''اور آپ کے بغیر میں کیسے رہوں گا؟'' وہ ان کی آخری اور لاڈلی اولاد تھا اور اب تو اماں بھی نہ تھیں باقی سب بھی اپنی زندگیوں میں مگن تھے وہ ابا جی کا لاڈلا تھا اتنی آسانی سے سب میں گھل مل نہیں پاتا نہ تبدیلیوں کو قبول کرتا تھا ان کے بغیر رہنا ایک مشکل عمل تھا اس کے لئے لیکن ان کی حالت کو دیکھتے ہوئے اس نے ضد نہ باندھی اور انھیں پاکستان بھیج دیا' اس لئے شاید یہی وجہ تھی کے ان سے ملنے کے لئے وہ چل پڑا تھا اس بات سے بے خبر اس شہر سے اٹھتے قدم اس کی واپسی کی راہ مٹا چکے ہوں گے۔

☆☆☆☆

وہ رات ایسا بے خبر ہو کر سویا جیسے کسی ریشم کے بستر پر سویا ہو حالانکہ تبدیلی اسے راس نہیں آتی تھی مگر یہاں ایسا نہ ہوا یہ تو فجر سے جاری مرغے کی بانگ تھی جس نے اسے جگا کر رکھ دیا اور 8 بجے تو حتمی طور پر اس کی نیند کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ وہ آنکھیں مسلتا ہوا کمرے سے باہر نکل کر بالکونی میں آ کھڑا ہوا اور ایک بھرپور نگاہ اجلی صبح پر ڈالی تھی ٹھنڈی ہوا کے تازہ جھونکوں نے جسم کو تقویت بخشی تھی۔ وہ حویلی کی تیسری منزل پر کھڑا اردگرد کے نظارے لے رہا تھا آج بھی تقریباً سب کچھ ویسا ہی تھا وہی اٹھتے اردگرد سے لوگوں کی شوروغل کی آوازیں گھروں کی چمنی سے اٹھتی پراٹھوں کی اشتہا انگیز خوشبوئیں یہاں پر تقریباً سب ہی مکان ساتھ ساتھ جڑے بنے ہوئے تھے پرانا علاقہ تھا اس لئے کوئی خاص ردوبدل نہ ہوئی تھی البتہ پورے محلے میں ان کی آبائی حویلی تھی جو سب میں بڑی اور ہمیشہ سب کے دیکھنے کے توجہ کا باعث ہوتی تھی۔ ابا جی بچپن میں تو انہیں لاتے لے جاتے رہا کرتے تھے لیکن پھر جوں جوں بڑے ہونے لگے تو تعلیمی اور معاشی سرگرمیوں نے وقت ہی نہ دیا یا یوں کہنا بھی غلط نہ ہوگا کے اس کے بہن بھائیوں کو کوئی دلچسپی نہ تھی یہاں آنے میں اور رہا وہ تو اسے اب کچھ محسوس نہ ہوتا تھا کے کیا چاہتا ہے وہ البتہ تایا جی کے بچوں سے اس کی ہمیشہ سے بہت بنتی تھی اور پھر انٹرنیٹ کی سہولت نے بھی اسے برقرار رکھا تھا۔ اب رات کافی دیر سے آنے کے باعث وہ کسی سے مل نہ پایا تھا البتہ ابا جی اس کا انتظار کر رہے تھے ساتھ میں تایا جی نے ان کے انتظار کا ساتھ دیا تھا اس نے آنے کی اطلاع تو دی تھی لیکن کس وقت یہ نہ بتایا۔ کافی دیر وہاں کھڑے رہنے کے بعد وہ نہانے چل دیا تھا۔ نہانے کے بعد وہ سیدھا نیچے کی جانب بڑھ گیا سیڑھیاں اترتے ہوئے سب سے پہلے ملاقات ہسپتال جاتے ہوئے ولید بھائی سے

...ملی تھی۔

''ماشاءاللہ بھئی تم تو صحیح گھبرو جوان ہو گئے ہو''۔ وہ اس سے گلے ملتے ہوئے بولے آگے سے وہ دھیما ...سکرا دیا۔

''معذرت کے ساتھ یار رات تم سے ملاقات نہ ...ہو سکی اور ابھی بھی مجھے ایک ضروری سرجری کے لئے فوری طور پر جانا ہے پر وعدہ ہے شام میں تم سے ضرور ...گپ شپ لگائی جائے گی''۔

''ارے نہیں کوئی بات نہیں آپ کا کام زیادہ ضروری ہے''۔ وہ برا مانے بغیر خوشدلی سے بولا۔ وہ ...الوداع کہتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ ...لیکن بھائی نہ جانے کیا یاد آنے پر ان کے پیچھے ...ہیں تھیں مگر اسے مسکراتے ہوئے سلام کرتے اندر ...جانے کا کہنا نہ بھولیں وہ بھی لبوں پر مسکراہٹ سجاتے ...اندر کی جانب بڑھ گیا۔

''آؤ جوان آؤ''۔ اندر ہال میں داخل ہوتے ...تایا جان نے بھاری آواز میں پکارا تھا اسے وہ ...سلام کرتا ہوا ان کی جانب بڑھا تھا تائی جان نے بھی ...دیتے ہوئے اس کے ماتھے کا بوسہ لیا۔

''ماشاءاللہ کتنا بڑا ہو گیا ہے ایک عرصے بعد دیکھ ...رہی ہوں''۔ وہ محبت سے بولیں۔ وہ وہیں ان لوگوں ...کے پاس ڈائننگ کی کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''میں دیکھوں یہ ناشتہ کیوں نہیں آیا ابھی''۔ تائی ...جان اس کے بیٹھتے ہی کچن کی طرف چل دیں تھیں ...تایا جی اس سے سفر کے متعلق پوچھنے لگے ...تھوڑی ہی دیر میں آسی ملازمہ کے ساتھ ناشتے کی ...ٹرے اٹھا لائی تھی۔

''یہ لیجئے بھئی گرم گرم قیمے کے پراٹھے بس اب ...آپ شروع ہو جائیں''۔ وہ تیزی سے ہاٹ پاٹ ...سے پراٹھے نکال کر پلیٹ میں ڈالنے لگی۔

''آسی آرام سے بیٹا پہلے سعد کو تو سلام کرو''۔ ...تایا جی نے اسے ٹوکا تو وہ چونکی اور چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

''آپ...... آپ کب آئے بھئی''۔ سلام کرتے ہوئے اس نے حیرت سے کہا' اور اس نے فقط سلام کا جواب ہی دیا۔

''اور چچا جان آپ نے بھی ہمیں نہیں بتایا''۔

''بھئی بیٹا جی اس نے مجھے کونسا بتایا جو میں آپ کو بتاتا''۔ وہ مسکراتے ہوئے بولے۔

''چلیں جو بھی ہے اتنے عرصے بعد ہی سہی سعد آئے تو''۔ وہ اس کی جانب مسکراتے ہوئے دیکھ کر بولی تو جواباً وہ بھی دھیما سا مسکرایا وہ صمد اور سعد ایک ہی ایج گروپ کے تھے بچپن سے ہی تینوں کی بنتی تھی لیکن وہ پھر بھی اسے ہمیشہ احترام سے ہی پکارتی تھی۔

''آسی جاؤ دیکھو صمد اٹھا کے نہیں یہ لڑکا آج پھر دیر کرے گا''۔ آسی کو بیٹھتے ہوئے تائی جان نے دیکھا تو یاد آنے پر بولیں وہ بھی اٹھنے ہی لگی کہ صاحبزادے کی آمد ہو گئی اپنی مستی میں آتے اس کی نظر سعد پر پڑی تو جیسے سوواٹ کے جھٹکے کی مانند جھٹکا لگا اسے۔

''اوئے تو!'' سعد پراٹھے کا نوالا توڑتے توڑتے رکا۔

''کتنا خبیث ہے نہ آنے کی خبر نہ پتا اور آنے کو آ گیا تو بجائے ملنے کے یہاں بیٹھا نوالے توڑ رہا ہے''۔ اس نے جھٹکے سے اسے کھڑا کیا آگے سے وہ فطرت کے مطابق ہلکا سا مسکرا کر اس کے گلے لگ گیا پردیس کی دوری سہی لیکن ان کی محبتوں میں کمی نہ آئی تھی۔ ہال میں بیٹھے موجود سب ہی لوگوں کے لبوں پر مسکراہٹ در آئی تھی۔

''بچوں اس وقت تو مجھے آفس کے لئے لیٹ ہو رہا ہے لیکن شام میں آکر میں تیری کلاس ضرور لینے والا ہوں''۔

''جو حکم میرے سرکار کا''۔ آگے سے وہ بھی سینے

پر ہاتھ رکھتے ہوئے خادم کی طرح بولا۔ اسے رخصت کرنے کے لئے وہ بھی دروازے تک اس کے ساتھ چل دیا تھا۔

☆☆☆☆

ابا جی تایا جی کے ساتھ دکان پر روانہ ہوگئے تھے یہ ان کا روز کا معمول تھا اس بات سے تعجب ہوا تھا وہیں وہ خوش بھی ہوا تھا شکر تھا کے وہ زندگی کے معمول کی طرف لوٹ آئے تھے اب تو ابا جی کے لبوں پر صرف مسکراہٹ اور سکون نظر آتا تھا یہ دیکھ کر وہ اندر تک مطمئن ہو گیا تھا ورنہ کچھ عرصے سے تو ان کی طبیعت کی وجہ سے مایوس سا ہو گیا تھا۔ حویلی کا چکر لگاتے ہوئے اس نے سوچا تھا جن در و دیوار سے آج بھی پہلے جیسی ہی مہک تھی محبت کے دھاگے میں پروئے رشتے خوشیوں سے سجے آنگن کے دروازے آج بھی سب کے لئے ویسے ہی کھلے تھے اسے یہ تو پتا تھا تایا اور تائی جان بڑے سخی اور عاجز انکسار والے لوگ تھے لیکن اس سے بھی اچھی بات یہ تھی پیسے کی ریل پیل بچوں کی اعلیٰ تعلیم اور بدلتے زمانے کی ہوا کسی بھی چیز نے انھیں متاثر نہ کیا تھا ان کا رہن سہن آج بھی وہی تھا وہی طرز عمل وہی حسن سلوک شاید یہ اس کی ذات کی مضبوطی کا ہی نتیجہ تھا اسی لئے لوگ انھیں آج بھی اسی طرح عزت دیتے تھے آج بھی تائی جان کے پاس محلے کی عورتیں آئی بیٹھی تھیں یہ اس نے ہمیشہ ہی دیکھا تھا محلے کی تمام خواتین اپنے مسائل لے کر ان کے پاس حاضر ہوتی تھیں جنہیں وہ بڑی خوش اسلوبی سے سلجھاتی تھیں دادی کو جس طرح لوگ عزت دیتے تھے اسی طرح انہیں بھی دیتے تھے یہی حال تایا جان کا تھا محلے میں کوئی بھی مسئلہ ان کے بغیر حل نہ ہوتا تھا یہ ان لوگوں کی ذات کا خاصہ تھا تہواروں پر بٹتی پورے محلے میں نظر و نیاز مہمانوں کے لئے سجے وسیع دستر خوان ان کی مہمان نوازی کی وجہ سے آنا جانا بندھا رہتا تھا اس کے لئے یہ سب یوں بھی حیران کن تھا جس دیس کا وہ باسی تھا وہاں کی مصروف ترین زندگی اس بات کی اجازت دیتی ہی نہ تھی کے اپنے اردگرد والوں کی خبرگیری ہی کر لی جائے مشین کی طرز زندگی صرف اس بات کا ہی درس دیتی نظر آتی تھی کے جینا ہے تو اپنے لئے وہ کوئی کوئی ہوتا ہے جو دوسروں کے لئے جیتا ہے یقیناً وہ اللہ والے لوگ ہی ہوتے ہیں جن کا ہر قدم آخرت کے انجام کا سوچ کر اٹھتا ہے ورنہ جس تیزی سے وہ دنیا کو بدلتے دیکھ رہا تھا اس میں اس نے انسان کا سب سے بڑا دشمن تنہائی کو پایا تھا جو پل پل کی اذیت دے کر مارتی ہے۔ جس کا شکار اس کی ذات بھی ہوتی جا رہی تھی۔ وہ حویلی میں یونہی پھرتا پھراتا پچھلے حصے کی طرف آ گیا تھا جہاں اس نے ایک بھرپور نگاہ ڈالی تھی حویلی کے اس پچھلے حصے میں گائیں بکروں کا باڑھا بنا ہوا تھا اور آدھا حصہ باغ پر مشتمل تھا جہاں پیڑ پودے لگے ہوئے تھے ہوا کے زوروں پر جھومتے پودے اندر تک سکون اتار رہے تھے وہ نیچر کے ویسے بھی بہت قریب انسان تھا اس لئے خود کو یہاں تر و تازہ محسوس کر رہا تھا اصل میں تو یہ شوق دادی کا تھا اسے یاد تھا جسے تایا تائی نے آج بھی قائم رکھا ہوا تھا اسے یاد تھا عید پر بھی ان کے ہاں باہر سے جانور نہیں آیا تھا ہمیشہ ان کے گھر کے پلے جانور ذبح ہوتے تھے اور اس وقت بھی اونچے صحت مند بیل دیکھ کر وہ سراہے بنا نہ رہ پایا تھا۔ یونہی نظر دوڑاتے ہوئے اس کی نظر گوڈی کرتی آسی پر پڑی تھی جو بڑے انہماک سے اپنے کام میں مشغول تھی۔

''کچھ مدد کروا سکتا ہوں''۔ وہ اس کے قریب آ کر بولا تو اس نے چونک کر دیکھا۔

''ارے نہیں مجھے تو عادت ہے کر لوں گی''۔ وہ دھیما سا مسکرا کر بولی۔

''ویسے مجھے تو یہاں اس وقت ہر موسمی پھل سبزی نظر آ رہی ہے تم کس چیز کو اگانے کی مشقت کر رہی ہو

اس نے پودوں پر نگاہ دوڑاتے ہوئے کہا۔

''لیموں آپ نے شاید غور نہیں کیا وہ نہیں ہیں اور جب تک لیموں کی مہک نہ ہو تو مجھے بالکل مزہ نہیں آتا''۔

''یعنی لیموں بے حد پسند ہیں''۔ وہ بولا۔

''جی کچھ ایسا ہی ہے''۔

''ویسے مجھے دیکھ کر خوشی ہوئی دادی کی روایت کو آپ نے بھی قائم رکھا ہوا ہے ورنہ اس بدلتی دنیا میں لوگوں کے پاس اتنا وقت ہی کہاں ہے جو یہ سب محنت کریں''۔

''بدلتی دنیا میں ہوتا ہوگا لیکن ہم تو وہ لوگ ہیں جو آج بھی اپنی روایت سے جڑے رہنا پسند کرتے ہیں''۔ وہ فخریہ بولی۔

''لیکن آئندہ آنے والے سالوں میں یہاں بھی ایسا نہیں رہنے والا ڈیولپمنٹ ہر چیز کو بدل دیتی ہے اور انسان کو چار و ناچار اسے قبول بھی کرنا پڑتا ہے''۔ وہ اپنے مشاہدے کے مطابق بولا۔ اور جواباً وہ بس پھیکا سا مسکرائی تھی۔

''خیر جانے دیں آپ اس بات کو یہ بتائیں آپ کی امریکہ میں کیا مصروفیات ہیں''؟ اس نے سلیقے سے بات کو گھمایا تھا کیوں؟ بس یہ غور اس نے نہیں کیا تھا۔

''کچھ خاص نہیں جاب سے گھر اور گھر سے جاب بس''۔

''ہم م م''۔ وہ بیجوں پر مٹی ڈال کر پانی کا چھڑکاؤ کر کے اٹھ گئی اس کے چہرے پر کوئی سوچ نمودار ہوئی تھی اور یہ بات سعد کی نگاہوں سے چھپ نہ سکی لیکن اس نے پوچھا نہیں۔

''چلیں بتائیں کونسا پھل کھائیں گے یہاں سے؟'' اب کے وہ بالکل ہشاش بشاش ہو کر بولی۔

''ارے نہیں بھئی توبہ کرو صبح کا کیا ہوا ناشتہ اب تک نیچے نہیں ہوا اور تم مزید کھلانے کی بات کر رہی ہو''۔ اس کی بات پر وہ ہنس دی۔

''بہت ڈیٹ کونشس معلوم ہوتے ہیں آپ''۔

''دو پراٹھے کھانے والے کو تم ڈائیٹ کونشس سمجھتی ہو''۔ وہ اچنبھے سے بولا۔

''اور نہیں تو کیا یہاں کے لوگوں کے لئے یہ تو معمول کی غذا ہے''۔ وہ اس کے ساتھ ٹہلتے ہوئے مزے سے بولی اور وہ حق دق سا دیکھ کر رہ گیا جس پر وہ مسکرا رہی تھی۔

☆☆☆☆

صمد نے اسے ملتان کا چپا چپا گھما ڈالا چاہے وہ ایک بڑے سے ریسٹورینٹ کا لنچ تھا یا ریڑھی والے کی چاٹ یا پھر پکوڑے، سموسوں کا صفایا ابھی بھی وہ دونوں کھڑے دودھ کی قلفی سے لطف اندوز ہو رہے تھے ساتھ ہی ساتھ صمد کے چٹکلے جاری تھے جس پر اس کے قہقہے گونجتے تھے وہ جو تن تنہا پرسکون ماحول تلاش کرتا اس وقت نہ ریڑھی والوں کی پکار کی خبر تھی نہ دوکان، ہوٹلوں، ٹریفک کے شور کی وہ کب اس شور کا خود بخود حصہ بن گیا اس بات سے وہ بالکل بے خبر رہا تھا۔

☆☆☆☆

رات کافی بارش برستی رہی تھی ساون کے دن تھے اس لئے اب تو یہ روز کا معمول محسوس ہونے لگا تھا آج چھٹی کا دن تھا اس لئے شام کے اس پہر سب ہی کشادہ صحن میں ڈیرہ جمائے بیٹھے تھے۔ ہلکی ہلکی پھوار کے بعد موسم نے ماحول کو مزید خوشگوار کر دیا تھا۔ وہ اور صمد صحن میں بنے پرانے مٹی کے چولہے پر بھٹے بھون رہے تھے اور آسی اندر سے پکوڑے تل کے لا رہی تھی ساتھ ہی گرم گرم چائے نے مزہ دوبالا کر دیا تھا ساتھ ہی صمد کی شوخیاں جاری تھیں۔

''تائی جان میری بات مانیں تو اب اس کی پکڑ کر شادی کر دیں تب ہی یہ سدھرے گا''۔ سعد نے بھٹا چھیلتے ہوئے شرارت سے مسکراتے ہوئے صمد کی طرف اشارہ کیا تھا۔

''ارے بیٹا میں تو آج ہی پکڑ کر اس کی شادی کردوں پر یہ جو تمہارے تایا ہیں ناں سب ان کی چھوٹ ہے''۔ اس نے تو جیسے تائی جان کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔

''کیا واقعی تایا جان!'' اس نے چونک کر تایا جی کی طرف دیکھا تھا جس پر وہ چائے کا کپ لیتے ہوئے دھیما سا مسکرائے تھے جس پر تائی جان نے گھورا تھا اور اس منظر میں صمد فخر یہ بھٹا کھاتے ہوئے مسکرا رہا تھا پیچھے سے سعد نے ان کی گردن دبوچ لی تھی۔

''تو نہیں سدھرے گا''۔

☆☆☆☆☆

دن بڑی تیزی سے گزر رہے تھے اسے آئے ہوئے اب بیس دن سے زیادہ ہوگئے پتا ہی نہ چلا عید کے چوتھے روز اس کی واپسی تھی یہ اس کی زندگی کا اب تک کا یادگار سفر تھا تنہائی کے آشیانوں میں ان خوبصورت یادوں نے کچھ تو دل کو تقویت دینی تھی۔ انہی دنوں اباجی نے اس سے اس کی شادی کے متعلق بھی بابت دریافت کی تھی یوں تو دوست بہت تھے لیکن کبھی کوئی ایسا ملا ہی نہ جس کے لئے وہ شادی کے متعلق سوچتا اس بات سے اباجی بھی خوب واقف تھے لیکن پھر بھی انھوں نے اپنی خواہش بتانے سے پہلے جان لینا بہتر سمجھا تھا انہوں نے اس کے آگے آسی کا آپشن رکھا تھا وہ انہیں شروع سے ہی پیاری تھی اس بات سے وہ بھی بخوبی واقف تھا اور اس میں کوئی شک نہیں تھا وہ ایک بہترین لڑکی تھی شادی تو اسے بھی کسی نہ کسی سے کرنی تھی اور یہ ایک اچھی بات تھی وہ اس کی ہم مزاج بچپن کی دوست بھی تھی شاید اس سے بہتر آپشن کوئی نہ تھا اس لئے اس نے بھی رضامندی دے دی تھی لیکن اگلا دھچکا جو اباجی نے کیا تھا وہ کم از کم اس کے لئے تو ناممکن تھا اباجی کے مطابق آسی یہیں رہے گی وہ یہ ملک نہیں چھوڑے گی۔

''تو کیا مطلب شادی کر کے وہ یہاں اور میں وہاں رہوں یہ کیا مزاق ہے اباجی''۔ وہ بھونچکا گیا۔

''نہیں بیٹا جی اس کا آسان حل یہی ہے کہ آپ بھی یہاں رہو اپنا دیس اپنے لوگ سب کچھ ہے یہاں''۔ اباجی کا سکون دیکھنے لائق تھا۔

''اباجی وہاں میں سیٹل ہوں اور یہاں آ کر رہنا آسان نہیں ہے یہ سب''۔

''کیوں کیا یہ انسانوں کے رہنے کی جگہ نہیں ہے''۔ اباجی کا لہجہ سخت ہوگیا۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا''۔ وہ شرمندہ سا ہوگیا۔

''بیٹا جی تمہارے پاس دو ہی آپشن ہیں یا تو میری بات مان لو یا پھر اپنے بہن بھائیوں کی طرح اپنی مرضی سے زندگی بسا لو''۔ اب کے اباجی نے معاملہ ختم کیا آگے سے وہ بھی کچھ نہ بولا اٹھ کر چلے جانے میں ہی عافیت جانی۔

☆☆☆☆

وہ ایک ضروری فون کال سننے کے لئے سگنل نہ ہونے کے باعث چھت پر چلا آیا تھا پر جاتے ہوئے بے ساختہ نظر سامنے ٹیبل پر بکھرے سفید کاغذوں پر پڑی تھی ہوا کے باعث پھڑ پھڑاتے کاغذ پیپر ویٹ کے وزن کے باعث اڑ نہیں پا رہے تھے وہ آہستہ قدموں سے چلتا ہوا ٹیبل کے قریب چلا آیا اور ایک اچٹتی نگاہ اردگرد پر ڈالی تھی گرین شیڈ کے نیچے قطار سے مختلف پھول پودوں سے گملے سجے ہوئے تھے دو چھت کے درمیان میں رکھے تخت کے قریب لکڑی کی کرسیاں رکھی ہوئی تھیں جن پر خاص ملتانی کڑھائی کے بنے لال غلاف نفاست سے چڑھائے گئے تھے چھت پر ہوئی تازہ دھلائی کے بعد سفید سیاہ کبوتر دانہ چگنے کے لئے منڈلا رہے تھے جن کے لئے تازہ پانی اور باجرہ مٹی کے پیالوں میں ڈالا گیا تھا تیز ہوا کے زوروں پر گملے پودے جھوم رہے تھے اسے معلوم تھا یہ سب شوق آسی کے ہیں وہ ایسی ہی تھی نفاست اس کی

...یت کا خاصہ تھی اس کی اس محنت نے جہاں ماحول ...خوبصورت بنایا تھا وہیں تروتازہ بھی کر دیا تھا ہر ...یک چیز میں جیسے زندگی ڈال دی ہو اس نے جیسے ...انحراف کیا پھر یونہی ایک کاغذ اٹھا کر پڑھنے لگا جس ...پر وہ کوئی ادھوری تحریر چھوڑ کر گئی تھی چونکا تب جب ...ی نے پیچھے سے پکارا۔

''آپ یہاں!'' وہ حیران ہوئی تھی۔

''وہ ایکچوئیلی ایک ضروری کال سننے آیا تھا تو ...اس طرف چلا آیا آئم سوری''۔ اس نے لجالت ...نے پیپر کور کھ دیا۔

''ارے نہیں کوئی بات نہیں میں مائنڈ نہیں ...تی اور ویسے بھی یہ تحریریں میں لوگوں کے لئے ...لکھتی ہوں اور جب میں قلم اور تحریر کے لئے ...آزادی کی قائل ہوں تو اس میں چھپانا کیا''۔ وہ ...کاغذات سمیٹتے ہوئے بولی۔

''اچھا'' اور وہ حیرانی کے ساتھ متاثر بھی ہوا۔

''آسی''۔ جاتے ہوئے وہ کچھ سوچ کر مڑا۔

''جی''۔ وہ بھی متوجہ ہوئی پھر وہ اس کے سامنے ...دوبارہ آ کھڑا ہوا۔

''آسی اگر میں یہ کہوں کے میری زندگی میں ...ب سے زیادہ قریبی دوست تم اور صمد ہو تو غلط نہ ہوگا ...ہم ایک دوسرے کو بہت اچھے سے جانتے بھی ہیں ...اور جس وقت اباجی نے میرے اور تمہارے رشتے کی ...بات کی تو مجھے خوشی اس بات کی ہوئی کے تم جیسی لڑکی ...اگر میری جیون ساتھی بنے گی تو یقیناً میں خود کو خوش ...نصیب سمجھوں گا''۔ اس نے بڑی تمہید سے اپنی بات ...کا آغاز کیا تھا۔

''میری بھی آپ کے بارے میں یہی رائے ...ہے یہی اپنے بڑوں کا فیصلہ قبول بھی کیا''۔ آگے سے ...اس نے بھی صاف اعتراف کیا۔

''اگر ایسا ہے تو پھر تمہاری اس عجیب سی شرط کی ...کیا وجہ ہے تم جانتی ہو یہ سب اتنا آسان نہیں ہوتا''۔

وہ الجھا سا بولا۔

''آسان نہیں ہے میرا نہیں خیال یہ کچھ مشکل ہے میں نے تو اپنے ماں باپ کے آگے اول روز سے ہی یہ شرط رکھ دی تھی''۔

''مجھے تمہاری باتوں کی کچھ سمجھ نہیں آرہی''۔

''میں شاید آپ کو سمجھا بھی نہ پاؤں سعد بس صرف اتنا کہہ سکتی ہوں میں نے کبھی عام لڑکیوں جیسی خواہشات نہیں پالیں اور مجھے تو یہ سوچ کر سانس بھی نہ آئے کے میں صرف اپنی ذات کے لئے جیوں''۔ وہ بول کر رکی نہیں جبکہ وہ بس حیران پریشان سا کھڑا رہ گیا۔

☆☆☆☆

''تو تم رک جاؤ یہاں''۔ وہ اور صمد ڈھلتی شام کے وقت نہر کے پاس بیٹھے تھے اس نے اپنی پریشانی اس کے آگے رکھ دی تھی اس کے جانے میں صرف چار دن باقی تھے اور اس مسئلے کا کوئی حل نکل نہیں پایا ایسا بھی نہ تھا کے یہ کوئی محبت کا معاملہ تھا جس کے لئے وہ بے چین ہوتا لیکن یہ ضرور تھا کے اب دل میں آسی سے شادی کی خواہش جاگی تھی یا شاید وہ متاثر ہوگیا تھا اور ان سب سے بھی عجیب بات یہ تھی کے جانے انجانے طور پر ہی وہ خود کو یہاں پرسکون اور خوش محسوس کرنے لگا تھا لیکن جاب اور مستقبل ایسا معاملہ تھا جس نے پاؤں میں زنجیریں باندھ لی تھیں۔

''کیا یہ اتنا آسان ہے؟''

''پتا نہیں شاید تمہارے لئے نہ ہو''۔ صمد نے بھی کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

''آسی کی بھی مجھے سمجھ نہیں آرہی''۔ وہ مزید الجھ گیا تھا۔

''آسی بالکل بھی مشکل لڑکی نہیں ہے سعد وہ میری بہن سے زیادہ دوست ہے اس لئے اچھے سے واقف ہوں اور جانتا ہوں وہ جو کچھ کرتی ہے اپنی

خواہشوں کے لئے نہیں کرتی"۔ اس نے سیدھے صاف کہا۔

"کیا مطلب؟" وہ الجھا۔

"مطلب صاف ہے میرے بھائی وہ ان لوگوں میں سے ہے جو زندگی کی ہر چیز میں مقصد تلاش کر لیتے ہیں۔ اور سچ پوچھو تو اس سب کا ذمہ دار بابا جی ہیں انہوں نے ہمیں زندگی کی اسی راہ پر چلنے کی درس دیا ہے بابا جی ایک محب وطن انسان ہیں اور شاید عشق کی حد تک اپنی سرزمین سے محبت کرتے ہیں۔ اب کہنے کو بھائی جان کا شمار پاکستان کے بیسٹ سرجنز میں ہوتا ہے انہیں باہر سے بہت آفرز آئیں چاہتے تو وہ قبول کر کے ایک بہترین مستقبل بنا لیتے بابا جی کی بھی کوئی پابندی نہیں تھی بلکہ وہ تو کہتے ہیں جب اللہ نے اپنے بندوں کو دنیا کے اعمال سر انجام دینے میں آزاد چھوڑا ہے تو پھر میں کیوں تم لوگوں کو اپنا پابند بناؤں لیکن پھر جس طرح خدا ایک مدت کی چھوٹ کے بعد پکڑتا ہے اسی طرح تمہارا عمل۔ تمہیں صحیح غلط فیصلے کا انجام دیتا ہے۔ انہوں نے ہمیں ایک طرف اعلیٰ تعلیم دلوائی اور دوسری طرف محبت اور سادگی کی بیڑی ڈال کر آزاد چھوڑ دیا اس لئے ہم جانتے ہیں ہم دنیا میں مدغم ہونا بھی چاہیں تو نہیں ہو سکتے کیونکہ پھر شاید سکون ہمارا مقدر کبھی نہ بنے گا"۔ ہمیشہ چلبلا رہنے والا صمد اتنا گہرا اور سنجیدہ ہو سکتا ہے وہ اس کی بات سن کر دنگ ہوا تھا۔

"تم آزاد ہو سعد اپنے فیصلوں میں اس لئے خود کو اتنا مت الجھاؤ آسی نہیں تو تمہیں کوئی اور بھی بہت اچھی لڑکی مل سکتی ہے کیونکہ تم اس کے اہل ہو"۔ اب کے وہ جانے کے لئے اٹھ کھڑا ہوا تھا جبکہ وہ نہر کے بہتے پانی میں خود کو جیسے ڈوبتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔

☆☆☆☆

گھر میں آج گہما گہمی کا ماحول چھایا ہوا تھا آج چاند رات ہوئی تھی اور کل عید کے لئے قربانی کی تیاریوں کے انتظامات کئے جا رہے تھے ولید بھائی حسب معمول اپنے ہسپتال میں تھے جب کے تایا جی کے ہاتھ صمد چڑھ گیا تھا یوں لگتا تھا جیسے سارے کام اس پر لاد دیئے گئے ہوں اس کی حالت پر ہنسی آ رہی تھی ابھی بھی وہ سیخوں کی صفائی کر رہا تھا کیونکہ باقی تمام کام تو انجام پا ہی گئے تھے۔ وہ اوپر دوسری منزل کی چھت پر کھڑا نیچے کی طرف جھانکتا اسے ہی دیکھ رہا تھا لبوں پر ایک شرارتی مسکان خود بہ خود در آئی تھی۔

"بہت خبیث ہے صرف دیکھ رہا ہے یہ نہیں کے آ کر کچھ مدد کروا دے"۔ صمد نے سارا غصہ اسی پر نکالا آگے سے وہ محظوظ ہوتا ہوا قہقہہ لگایا تھا۔

"ہنس ہنس لیکن کل قصائی کی جگہ تجھے ہی کھڑا کروں گا"۔ وہ منہ پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔

"جو حکم میرے سرکار"۔ آگے سے آنکھ دباتے ہوئے شرارتی لہجے میں بولا جس پر وہ مزید کھول گیا تھا۔ کچھ ہی دیر میں آسی بھی پڑھانے کے لئے بچوں کو صحن میں لے آئی تھی شاید بجلی کے جانے کی وجہ سے اس نے سوچا' اس نے بغور دیکھتے ہوئے سوچا تھا یہ لڑکی ایک گولڈ میڈلسٹ تھی لیکن اس کی زندگی سادگی کی ترجمانی تھی وہ اس وقت ایک اچھے ادارے میں کسی افسر کی کرسی پر ہو سکتی تھی لیکن اس نے اس زندگی کو ترجیح دی تھی جسے شاید آج کوئی بھی گزارنا نہیں چاہتا اپنی زندگی کے مشاہدے کے مطابق اس نے انسانوں کو دولت' اسٹیٹس کے پیچھے بھاگتے ہوئے دیکھا تھا جس میں لوگ اتنے بے حس بن جاتے ہیں کے کسی انسان پر تو کیا اپنے خونی رشتوں کو بھی اہمیت نہیں دیتے وہ اندازہ ہی نہ لگا پایا تھا کے ابا جی پیسہ کما کر بھی خوش نہ ہوئے تھے اور یہ کیفیت اندر ہی اندر انہیں کھانے لگی تھی اور اسی کا شکار وہ خود بھی تو ہونے لگا تھا' اپنوں کے بیچ جہاں خلوص کی چاشنی اس کی زندگی میں مٹھاس گھول گئی تھی اس کی وجہ وہ جان ہی نہ پایا آج اس کو ان لفظوں کی سمجھ آ گئی تھی اپنے لئے جینا

کوئی جینا نہیں ہوتا لیکن وہ تو اب تک اپنے لئے ہی جیتا آیا تھا' جبھی سکون کے لئے ترستا رہا تھا اور آج جب ضمیر نے جھنجھوڑا تو اپنا آپ بڑا چھوٹا محسوس ہو رہا تھا اتنے خوبصورت لوگوں پر اس نے اپنے عزت و مقام کو فوقیت دی تھی اور اگر آج سب جان کر بھی اسے ایسا کرنا تھا تو شاید پھر بھی خوشی کو محسوس نہیں کر پاتا' شام کے ملگجے سایوں میں آسمان پر اڑتے پرندوں کے غول کو اپنے آشیانوں کی طرف جاتے ہوئے بڑے غور سے دیکھا تھا در حقیقت آج اسے بھی صحیح آشیانے کے ٹھکانے کا پتا معلوم چل ہی گیا تھا۔

☆☆☆☆

بیلوں کی قربانی حویلی کے کشادہ صحن میں کی گئی تھی اور آج تو قربانی میں وہ بھی شامل تھا صمد نے کہا پورا کیا تھا' قربانی کے گوشت کی تقسیم کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا لوگوں کا ایک ہجوم جمع تھا حویلی میں پہلے قربانی دیکھنے کے لئے پھر گوشت لینے کے لئے گوشت بنانے سے لے کر بانٹنے تک کی تگ و دو میں سب ہی ہلکان ہو گئے تھے' کافی کام نمٹ جانے کے بعد اسے اب نہانے کی بے چینی ہونے لگی تھی سفید شلوار قمیص اس کی خون کے دھبوں سے لت پت ہو گئی تھی' اس لئے فوری طور پر اپنا حلیہ درست کرنے کے لئے چل دیا تھا۔

"آسی بیٹا جاؤ ذرا' سعد کو تولیہ دے آؤ بے چارے نے کب سے کہا ہے مجھے کاموں کی وجہ سے دھیان ہی نہ رہا"۔ کلیجی بھونتی آسی کو تائی جان نے پکارا تھا' چولہا ہلکا کر کے وہ اوپر کی جانب بڑھی تھی کہ صحن میں ہی کھڑا وہ انتظار کر رہا تھا اس کی آمد پر وہ ٹھٹکا تھا' کاسنی رنگ کی کڑھائی والی شلوار قمیض میں ملبوس کانوں میں موتیے کے آویزوں اور سیاہ ریشمی بالوں کو ڈھیلے سے جوڑے میں قید کئے وہ بے حد سادی اور دلکش لگ رہی تھی نجانے یہ اس پر غور کرنے کا نتیجہ تھا یا اس جڑے گئے رشتے کا جو بھی تھا بس اب وہ دل کے قریب محسوس ہونے لگی تھی۔

"تمہیں خواہ مخواہ زحمت ہوئی پہلے ہی تم کاموں میں کافی مصروف تھیں"۔ اس سے تولیہ لیتے ہوئے وہ معذرت خواہ سا بولا۔

"ارے نہیں کوئی بات نہیں یہ کام پہلی مرتبہ تھوڑی کرنا پڑ رہے ہیں عادت ہے مجھے ان سب کی"۔ وہ خوشگوار لہجے میں بولی۔

"آسی"۔ وہ جانے کے لئے پلٹی تو اس نے پکارا اور وہ چونک کر مڑی۔

"میں اب یہیں رہوں گا"۔ وہ کسی بات کا اشارہ دے رہا تھا وہ صحیح سمجھ نہ سکی اور یہ اس نے محسوس کر لیا تھا۔

"یہ مت سمجھنا کہ یہ فیصلہ میں نے کسی دباؤ میں لیا ہے بلکہ مجھے سمجھ ہی اب آیا ہے جن خوشیوں کو میں ایک عمر تک تلاش کرتا رہا وہ میرے اتنے قریب ہو کر بھی دور تھیں' تم ٹھیک تھیں اپنے لئے جینا کوئی کمال بات نہیں ہے"۔ اس کی بات پر وہ دھیما سا مسکرائی تھی یہی اس کی کہی گئی بات کا جواب تھا۔ وہ کہہ کر کمرے کی جانب بڑھا اس کے پیچھے سے گزرتے ہوئے وہ ایک پل کے لئے ٹھہرا۔

"اور ہاں عید مبارک"۔ اس کے کان میں اس نے ہلکی سی سرگوشی کی اور کمرے کی جانب بڑھ گیا جبکہ اس کا دل ایک عجیب لے پر دھڑکا تھا یوں لگا جیسے کوئی ہوا کا جھونکا گزرا ہو جس میں محبتوں کے پیام کا عندیہ دے گیا ہو محبت کے جھروکوں میں نئے جذبے امڈ کر داخل ہونے لگے تھے مترنم ملن کی ہوائیں جس کے استقبال کی تیاری کے لئے کھڑی ہو چکی تھیں اور آج ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ اس خوبصورت دن میں محبت باد صبا ملن کی پوری تیاری کر چکی تھی۔

☆......☆......☆

سیدہ عروج فاطمہ

تم اب بھی خوبصورت ہو

''میں تیرے سنگ کیسے چلوں سجنا
تو سمندر ہے میں ساحلوں کی ہوا''

سانولے رنگ کی لڑکی جو اکثر کہا کرتی تھی کہ مجھ پر تیز رنگ سوٹ نہیں کرتا، آج آسمانی رنگ کی شال میں بے حد پرکشش لگ رہی تھی۔ سبزی کاٹنے کے ساتھ ساتھ میڈم نور جہاں کا گایا ہوا نغمہ گنگنا رہی تھی۔ گہری سیاہ آنکھوں کے گرد کاجل ہلکا سا پھیلا ہوا تھا۔ جیسے ہی ماہ رو نے اپنا سر اوپر کی جانب اٹھایا تو اپنے سامنے اسہاب کو کھڑا پا کر خاموش ہو گئی۔

''آپ کب آئے، کھڑے کیوں ہیں بیٹھ جائیں''۔ ماہ رو نے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''میں نے سوچا اتنی سریلی آواز سننے کا شرف پھر نجانے کب حاصل ہو، اس لئے اپنی مداخلت ضروری نہیں سمجھی''۔ یہ کہنے کے دوران اسہاب کا دھیان اب بھی ماہ رو کے پھیلے ہوئے کام کی جانب تھا۔

''اور سنائیں کیسے ہیں آپ؟'' ماہ رو ہر بار حال ضرور پوچھتی تھی۔

''میں تو ٹھیک ہوں یہ بتاؤ میرے آنے سے قبل تم رو کیوں رہی تھیں؟'' اسہاب وجہ معلوم کرنا چاہتا تھا۔

''کچھ نہیں جناب! جب پیاز سامنے ہوں تو ایسا ہی ہوتا ہے ناں، میں کچن میں رکھ آتی ہوں کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی آنکھوں میں بھی بلاوجہ آنسو آجائیں''۔ ماہ رو اسہاب سے نظریں چرا کر کچن میں آ گئی تھی۔

''محبت تو تم بھی کرتی ہو ماہ رو! لیکن میرے سامنے اظہار نہیں کر پاتی ہو''۔ اسہاب یہ سوچتے ہوئے واپس اپنے پورشن میں آ گیا۔

''ماہ رو اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی، والد سرکاری کالج کے اردو کے پروفیسر تھے۔ ماہ رو نے حال ہی میں ایم اے نفسیات کی ڈگری حاصل کی تھی لیکن جاب نہیں کر سکتی تھی کیونکہ والدہ اکثر بیمار رہتی تھیں۔ اسہاب ماہ رو کے چچا کا بیٹا تھا، ایم بی اے کے بعد اسہاب نے اپنے والد کا آفس جوائن کر لیا تھا۔ اسہاب کی ایک ہی بہن تھی جس کا نام دل آویز تھا۔ ماہ رو اور دل آویز صرف ایک دوسرے کی کزن ہی نہیں پکی سہیلیاں بھی تھیں۔

''چپ چپ بیٹھے ہو ضرور کوئی بات ہے''۔ دل آویز کی مسکراہٹ اور اچانک انٹری سے ماحول خوشگوار ہو گیا تھا۔

''نہیں جی کوئی بات نہیں ہے''۔ ماہ رو نے گرمجوشی سے دل آویز کا استقبال کیا۔

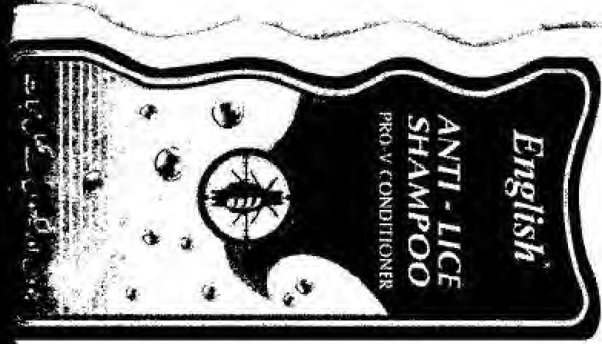
''ماہ رو! تم نے تو کبھی بھائی سے یہ بھی نہیں کہنا ہے کہ تم محبت کرتی ہو ان سے، یہ نیک کام آج میں ہی کر دیتی ہوں''۔ دل آویز کی آنکھوں میں شرارت کے تاثرات عیاں تھے۔

''دل آویز! اس قدر وجیہہ شخص کے سامنے مجھے اپنا آپ کھوٹے سکے کی طرح محسوس ہوتا ہے، پت جھڑ کے موسم نے میری ذات پر بسیرا کر لیا ہے، میں اسہاب کے قابل نہیں ہوں''۔ ماہ رو نے بے ربط الفاظ کو بمشکل یکجا کیا تھا۔

''ماہ رو! کوئی بھی انسان مکمل طور پر خوبیوں کا مرقع نہیں ہوتا، تم صرف سانولے رنگ کے باعث فرسٹریشن کا شکار ہو گئی ہو جبکہ یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں ہے، مانا کہ میری والدہ حسن پرست ہیں لیکن ہمارے راضی کرنے پر وہ مان جائیں گی''۔ دل آویز ملتجی انداز میں ماہ رو سے ہمکلام تھی۔







''چچی جان کبھی بھی راضی نہیں ہوں گی، میں محض اپنی خوشی کی خاطر ان کو تکلیف نہیں پہنچا سکتی۔ اچھا یہ سب چھوڑو تم خفا رہتی ہو ناں کہ میں تمہارے پورشن میں نہیں آتی، بس اب خوش ہو جاؤ کل شام میں آؤں گی میں''۔ ماہ رو نے بات بدل دی تھی لیکن دل آویز اب مکمل سنجیدہ تھی۔

☆.........☆.........☆

''یہ کیا کہہ رہے ہو اسباب! مانا کہ ماہ رو کے نام کا مطلب چاند سا چہرہ ہے لیکن تم یہ کیوں بھول جاتے ہو کہ وہ چاند گرہن ہے، وہ سانولی لڑکی کبھی بھی تمہاری زندگی میں شامل نہیں ہو سکتی''۔ اس سے پہلے کہ ماہ رو اپنی چچی کے کمرے میں قدم رکھتی باہر سے ہی چلی گئی۔ اسباب کی والدہ کے لہجے میں نفرت اور حقارت تھی۔ آنسوؤں کا پھندا ماہ رو کا سانس روک رہا تھا۔

اپنے کمرے میں آتے ہی ماہ رو کے ضبط کے تمام بندھن ٹوٹ گئے۔ پچھلے دو گھنٹوں سے ماہ رو ٹھنڈے فرش پر بے حس و حرکت بیٹھی ہوئی تھی۔ اسباب ماہ رو کے کمرے کے باہر کھڑا تھا، اسے آئے ہوئے دس منٹ گزر چکے تھے مگر مسلسل دستک کے باوجود دروازہ ابھی تک نہیں کھلا تھا، اسباب کی تشویش میں اضافہ ہو گیا۔ کچھ لمحوں بعد دروازہ کھل گیا تھا۔

''کیا ہوا ماہ رو! تم ٹھیک تو ہو ناں؟ تم نے اپنی یہ کیا حالت بنا رکھی ہے، مجھے بتاؤ کیا ہوا ہے؟'' اسباب نے ماہ رو کے بہتے آنسو اپنے ہاتھوں سے صاف کرنے کے بعد اسے کرسی پر بٹھا دیا تھا اور خود گھٹنوں کے بل دوزانو بیٹھ گیا تھا۔

''اسباب! آپ مجھ سے محبت کیوں کرتے ہیں؟'' لبالب آنسوؤں سے بھری آنکھیں قہر ڈھا رہی تھیں۔

''ماہ رو! محبت کی کوئی خاص وجہ نہیں ہوتی ہے، یہ تو اچانک کسی لمحے دل کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے اور پھر انسان چاہ کر بھی خود کو اس قید سے رہائی نہیں دلوا سکتا۔ ماہ رو میں تو بچپن سے ہی تم سے محبت کرتا ہوں، کیا تم مجھ سے شادی...'' اس سے پہلے کہ اسباب اپنی بات مکمل کرتا ماہ رو نے قصہ ہی ختم کر دیا۔

''میں آپ سے شادی کبھی بھی نہیں کروں گی، مانا کہ بچپن سے ساتھ رہنے کے باعث انسیت سی ہو جاتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میں آپ کی زندگی میں شامل ہو جاؤں''۔ ماہ رو کا یہ روپ اسباب نے پہلی بار دیکھا تھا۔

''ماہ رو! محبت تو تم بھی کرتی ہو یہ تو وہ راز ہے جسے چھپانا انسان کے بس میں نہیں ہوتا، لیکن پھر بھی میں زبردستی کا قائل نہیں ہوں۔ ہمیشہ خوش رہنا اور اگر کبھی میری یاد آئے تو میرے حق میں دعا کر دینا''۔ اسباب اب اٹھ کر جا چکا تھا لیکن اپنے ساتھ ماہ رو کا سکون بھی لے گیا تھا۔

ماہ رو شکایت کرتی بھی تو کس سے کرتی، جب غموں کو خود ہی گلے لگا لیا جائے تو سہنا بھی تنہا ہی پڑتا ہے۔

''ماہ رو کل تم ہمارے گھر نہیں آئیں، بہت انتظار کیا میں نے تمہارا، اسباب بھائی کو نجانے کیا ہو گیا ہے اچانک کراچی چلے گئے ہیں، کہہ رہے تھے کہ آفس کا کچھ کام ہے''۔ دل آویز نے آتے ہی ایسی خبر سنا دی جسے سنتے ہی ماہ رو اپنی ہی نظروں میں مجرم بنی بیٹھی تھی اور اب سوچ رہی تھی آگے کیا کہے، الفاظ نے لبوں کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

پھر بہت سارے دن گزر گئے اسباب اب تک کراچی میں تھا۔

''اسباب تمہارے نام کا مطلب کیا ہے؟''

''بہت باتیں کرنے والا''۔

''اچھا تو اس لئے تمہاری بولتی بند نہیں ہوتی ہے''۔

"اگر میں کہیں غائب ہو گیا ناں بہت بور ہو جاؤ گی تم"۔

"میں تمہیں ڈھونڈ لوں گی"۔

"اللہ سے میں یہ دعا کروں گا کہ مجھے ایسی جگہ بھیج دے کہ ماہ رو بس ڈھونڈتی ہی رہ جائے"۔ بچپن کا واقعہ یاد آتے ہی ماہ رو کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"تو تم سچ میں نظروں سے اوجھل ہو گئے ہو اسہاب؟ کاش میں تمہیں واپس بلا سکتی"۔ ماہ رو نے شکستہ لہجے میں خود سے ہم کلامی کی۔

"ماہ رو! غضب ہو گیا، ماہ رو میرا بھائی...." دل آویز کو اچانک اپنے سامنے ایسی حالت میں دیکھ کر ماہ رو پریشان ہو گئی تھی۔

"کیا ہوا اسہاب کو؟" ماہ رو کو یوں لگا کہ جیسے ارد گرد دھماکے ہو رہے ہیں۔

"بھائی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے، ڈاکٹر کہہ رہے ہیں دعا کریں خون بہت بہہ گیا ہے"۔ دل آویز نے بمشکل اپنی بات مکمل کی۔

اسہاب کے گھر والے اپنے بیٹے کے صدمے کو برداشت نہیں کر پا رہے تھے، ہر کسی کا رو رو کر برا حال ہو گیا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے گھر خالی ہو گیا اور اسہاب کے گھر کے تمام افراد کراچی چلے گئے تھے۔

☆............☆............☆

مغرب کی اذان ہو رہی تھی، ماہ رو کو اب تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ اسہاب زندگی اور موت کے بیچ جھول رہا ہے، ماہ رو کا دل آج نماز کی ادائیگی کے دوران بے حد بوجھل تھا۔

"یا اللہ! میں تجھ سے اسہاب کی زندگی کی بھیک مانگتی ہوں، اگر اسہاب کو کچھ ہو گیا تو میں خود کو کبھی بھی معاف نہیں کر سکوں گی۔ میرے اللہ تجھ سے تو کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے، میں نے بچپن سے ہی صرف اسی شخص کو چاہا ہے، اس نے کبھی کسی کا دل نہیں دکھایا ہے۔ یا اللہ اسہاب کو بچا لے، اسہاب کو کچھ نہ ہو"۔ ماہ رو اپنا آنچل رب کی بارگاہ میں پھیلا کر زار و قطار رو رہی تھی کہ تب ہی سیل فون پر آنے والی کال سے ماہ رو سہم گئی، ڈرتے ہوئے اپنے قریب پڑا موبائل اٹھایا تو اسکرین پر چمکنے والا نام پریشانی و اضطراب میں مزید اضافہ کر رہا تھا۔

"اللہ پاک کا شکر ہے بھائی کی زندگی اب محفوظ ہے۔ تمہاری دعائیں قبول ہو گئی ہیں ماہ رو بھائی کی جان اب خطرے سے باہر ہے"۔ دل آویز کی جانب سے ملنے والی خبر نے ماہ رو کو کافی حوصلہ دیا تھا۔

☆............☆............☆

چند روز بعد اسہاب کے گھر والے اسے واپس لاہور لے آئے تھے۔ سب نے اسہاب سے ملاقات کر لی تھی لیکن ماہ رو کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ سامنا کرے بھی تو کیسے کرے۔ کچھ دیر بعد ماہ رو اسہاب کے پورشن میں آ گئی، ہر طرف یاسیت بین کر رہی تھی، ماہ رو نے جیسے ہی اسہاب کے کمرے میں قدم رکھا اسے یوں لگا کہ وہ زمین میں دھنس جائے گی، اسہاب جسے وہ آسمان کا چاند کہا کرتی تھی وہ چہرہ اب زخموں سے چور تھا۔

"آؤ ماہ رو! بیٹھو کھڑی کیوں ہو، میں دیکھنے کے قابل نہیں رہا ہوں، تمہارا سارا دن اچھا نہیں گزرے گا"۔ اسہاب کی آواز بجھی ہوئی تھی۔

"اسہاب پلیز! ایسا مت کہیں، میں ہاتھ جوڑتی ہوں آپ کے آگے، مجھے معاف کر دیجئے، میں محبت کرتی ہوں آپ سے اور ہمیشہ کرتی رہوں گی"۔ ماہ رو کے جڑے ہوئے ہاتھ اسہاب کے ضبط کو آزما رہے تھے۔

"مجھے شرمندہ مت کرو ماہ رو! میں پہلے ہی خود سے بہت بے زار ہوں، یہ دیکھو میرے ہاتھ میرا تو پورا وجود ہی زخموں سے چھلنی ہے لیکن یہ تکلیف اُس

تکلیف کے سامنے کچھ بھی نہیں ہے جو تمہارا انکار سننے کے بعد مجھے محسوس ہوئی تھی۔ میں نے اب کافی حد تک خود کو سنبھال لیا ہے، تم جب میرے سامنے آؤ گی میرا حوصلہ شکست کے شکنجے میں آ جائے گا، بہتر یہ ہے کہ ہمارا سامنا کم ہو"۔ یہ کہتے ہی اسہاب نے اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ ماہ رو کی کل کائنات اس کے سامنے موجود تھی مگر خفا اور جدا۔

☆............☆............☆

اگلے دن ماہ رو اسہاب کے لئے سوپ بنا کر لے آئی۔

"چچی جان! یہ میں سوپ اسہاب کے لئے لائی ہوں، ان کو دے دیجئے گا"۔ اس سے پہلے کہ ماہ رو چلی جاتی اسہاب کی والدہ نے اسے روک لیا۔

"ماہ رو! مجھے معاف کر دو، میں نے ہمیشہ اپنے دل میں تمہارے لئے بغض رکھا، مجھے اپنے بیٹے کے حسن و جمال پر فخر تھا لیکن مجھے بڑے بول کا صلہ مل گیا ہے"۔ آخر کار صفیہ بیگم نے آج غرور کا خول توڑ ہی دیا۔

"نہیں چچی جان! ایسا مت کہیں، بہت عزت کرتی ہوں میں آپ کی، ہمارے لئے تو اتنا ہی کافی ہے کہ اسہاب زندہ و سلامت واپس لوٹ آئے ہیں"۔ ماہ رو کی چچی اس بات سے اب خوش تھیں کہ مشکل گھڑی میں ماہ رو نے ساتھ نہیں چھوڑا ہے۔

تم اب بھی خوبصورت ہو
کسی کی زندگی تم ہو
تمہیں جب سوچتی ہے وہ
تو یہ محسوس کرتی ہے
کسی کے دور جانے سے
محبت کم نہیں ہوتی
اب مان جاؤ ناں
اسے تم سے محبت ہے
"ماہ رو"

آخر میں ماہ رو کے نام کے ساتھ آنے والے میسج سے اسہاب کافی حیران تھا۔ بے اختیار کال تو ملا لی تھی لیکن خاموش تھا۔

"اسہاب! مجھ سے بات کرو پلیز، مجھے چاہے ڈانٹو لیکن خدا کے لئے مجھے ایسے مت آزماؤ"۔ ماہ رو کی آواز میں کرچیوں کی سی ٹوٹ پھوٹ سنائی دے رہی تھی۔

"ماہ رو! یہ نظم تم نے لکھی ہے؟" اسہاب کی آواز میں جو درد کی شدت ہوتی تھی اس میں اب کافی حد تک کمی آ گئی تھی۔

"جی جناب! میں تو بچپن سے ہی شاعری لکھ رہی ہوں، زمانے کی نظروں سے چھپی ہوئی شاعرہ کے کزن ہیں آپ اور آپ کو کیا معلوم کسی کی ہر خوشی فقط آپ کی ذات سے وابستہ ہے، مجھے اگر محض آپ کی خوبصورتی سے محبت ہوتی تو وہ تو اب تک ختم ہو جاتی لیکن یہ روح کا رشتہ ہے جو آخری سانس تک قائم رہتا ہے"۔ ماہ رو کے لہجے میں سچائی بول رہی تھی۔

"میرے ساتھ رہ لو گی؟" اسہاب نے کافی سنجیدگی سے سوال کیا تھا۔

"میں تم سے جدا ہی کب تھی اسہاب"۔ مختصر جواب سے اسہاب کے چہرے کی رونق واپس لوٹ آئی تھی۔

یہ حادثہ دو لوگوں کو ایک دوسرے سے دور بھی کر سکتا تھا لیکن محبت اگر سچی ہو تو ظاہری حُسن بہت پیچھے رہ جاتا ہے۔ محبوب جیسا بھی ہو دل کی ایک ہی ضد ہوتی ہے، مجھے بس یہی چاہئے۔ ماہ رو کی ادھوری زندگی کی تکمیل صرف اسہاب کی موجودگی ہی کر سکتی تھی۔ ماہ رو کے لئے اسہاب آج بھی خوبصورت تھا۔ گمشدہ منزل کے مسافروں کو آج جینے کی وجہ مل گئی تھی۔

☆............☆............☆

ثناء کنول

یکطرفہ محبت

میں نہیں جانتی کہ محبت کیا ہے پیار کسے کہتے ہیں میری نظر میں اگر محبت کچھ ہے تو وہ صرف ایک وہی شخص ہے جسے دیکھ کر مجھے زندگی کا احساس ہوا تھا' وہ جسے میں سوچوں تو ہر پل حسین لگتا ہے جسے میں نے رات رات بھر جاگ کر مانگا تھا' وہ شخص ہے جو مسکراتا ہے تو اس کی آنکھوں میں دھنک کے ساتوں رنگ اتر آتے ہیں میرے۔ لئے محبت صرف وہی ہے وہی تو میری ہر تحریر کا عنوان ہے وہی تو میرے ہر غزل کا عنوان ہے وہ ہی تو ہے جسے میں صرف چاہتی ہی نہیں ہوں' جس سے میں عشق کرتی ہوں عشق کی سرحدوں کو چھوتی محبت ہے جسے مجھے میں نے کہیں پر پڑھا تھا' شاید کسی ناول میں جس میں ہیرو ہیروئن کو کہتا ہے کہ وہ



اس سے محبت کرتا ہے عشق کی سرحدوں کو چھوتی محبت تب مجھے حیرت ہوئی تھی کیا بھلا عشق کی سرحدیں بھی ہوا کرتی ہیں اور جب سے اسے چاہنا شروع کیا ہے تو علم ہوا ہے عشق کی بھی سرحدیں ہوا کرتی ہیں' میں ایک رائٹر ایک شاعرہ ہوں آج لوگ مجھے پڑھتے ہیں سراہتے ہیں میری تعریف کرتے ہیں لڑکے لڑکیاں مجھ سے صرف بات کرنے کے لئے پاگل ہیں ہر لائبریری میں میری دو دو تین تین سو کتابیں ہیں' سب کی نظر میں' میں آج ایک خوش قسمت انسان ہوں میں ثنائلہ ہوں' میں نے ہمیشہ سے ایک ایسے انسان سے محبت کی ہے جو میرا سب کچھ ہونے کے بعد بھی میرا کچھ نہیں ہے وہ کوئی اور نہیں میرا کزن محمود ہے' میرے چاچا کا بیٹا' میرے اس چچا کا بیٹا جس نے اپنی پوری زندگی میں کبھی میرے سر پر ہاتھ رکھ کر مجھے دعا نہیں دی جس نے کسی غم یا خوشی میں اپنے ہونے کا احساس نہیں دلایا جس کی نظر میں شاید ہم سے زیادہ کوئی برا نہیں ہوگا لیکن نہیں وہ تو اب مر چکا ہے نا' اس کی ہر غلطی میں نے معافی کی' لیکن میرے باقی کے رشتے دار بھی میرے لئے زندہ ہو کر بھی مر چکے ہیں وجہ جسے میں آج تک نہیں سمجھ پائی' بڑوں کے کیئے کی سزا چھوٹوں کو دینا کہاں کا انصاف ہے' مجھے ٹھیک طرح سے تو علم نہیں ہے مگر میں صرف اتنا ہی جانتی ہوں آج سے دس سال پہلے میرے پھپھو نے اپنی بڑی بیٹی کا رشتہ میرے بڑے بھائی کے لئے دیا



لیکن امی نے انکار کر دیا وجہ بھیا میری دوسری سوتیلی کزن سے محبت کرتا تھا' ابو نے اصرار کیا لیکن امی نے بیٹے کی بات مانی اور بھیا کا رشتہ اسی سے کر دیا جسے بھیا علی محبت کرتے تھے اس بات سے چاچو ہرٹ ہوئے اور انہوں نے ابو سے ہر رشتہ ختم کر لیا اور اس کے بعد انہوں نے آج تک ہم لوگوں سے بات نہیں کی' میں ہر عید پر شادی پر اس انتظار میں رہتی کہ چاچو آئیں گے اور میرے سر پر ہاتھ رکھ کر مجھے دعا دیں گے' لیکن اس انتظار کو اختتام کبھی نہیں ملا' وہ دن میری زندگی میں کبھی نہیں آیا اور شاید کبھی آئے گا بھی نہیں اور میری قسمت دیکھو میں نے محبت بھی کی تو کس سے ایک ایسے انسان سے جو میرا ہو کر بھی میرا نہیں ہے، مجھ سے جب بھی کوئی ملتا ہے ایک ہی سوال کرتا ہے کیا آپ شادی شدہ ہیں اور میرا ہمیشہ کا وہی جواب ہوتا ہے. جی ہاں بیشک ہماری کبھی شادی نہیں ہوئی لیکن میں نے تو اسے اپنا محرم سمجھا ہے میرا سرتاج میری زندگی کا حاصل صرف وہی ہے جب وہ ایک نظر فرصت سے مجھے دیکھتا ہے اور ایسا صرف اتفاق سے ہی ہوتا ہے کسی کو چاہنا بے حد آسان ہوتا ہے لیکن کسی کو پانا ایسے ہی جیسے پانی کو اپنے ہاتھوں میں رکھو اور یہ سوچو یہ آپ کے ہاتھ میں ہی رہے گا محبت ریت کی طرح ہے ہاتھ میں اٹھاؤ گے تو بکھر جائے گی اور چھوڑ دو گے تو ہوا کی وجہ سے آپ کی آنکھوں میں چلی جائے گی اور اپنے ساتھ آنسو لے کر ہی واپس آئے گی یہ بات سچ ہے کہ میری محبت شاید یکطرفہ ہے اور میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ یکطرفہ محبت ایک مردے کی طرح ہوتی ہے جسے نہ پاس رکھا جا سکتا ہے نہ ہی جسے پایا جا سکتا ہے جو صرف دفنانے کے لئے ہوتا ہے اور میرے احساسات اس وقت مردہ ہو گئے جب مجھے خبر ملی کہ میری محبت میرا عشق کسی اور کے مقدر میں سج رہا ہے وہ جس کے نام کی مہندی لگانے کا خواب میں نے دیکھا تھا اس کے نام کی مہندی لگی تو کس کے ہاتھوں پر میری کزن شازیہ کے ہاتھوں پر جس کی دلہن بننے کے میں نے خواب دیکھے وہ ملا بھی تو کسی اور کو اس کی دلہن کوئی اور بن گئی بہت مشکل ہوتا ہے اپنی محبت کو کسی اور کا ہوتے ہوئے دیکھنا' ایسے محسوس ہوتا ہے کہ جیسے آپ کے سامنے آپ کی موت کھڑی ہو اور دوسری زندگی کی ہزاروں خوشیاں آپ کی منتظر ہوں اور نہ چاہتے ہوئے بھی آپ کو مرنا پڑے جس کی بارات کے خواب میں نے دیکھے تھے اس کی بارات میرے گھر کے سامنے سے گزر کے اگلے گھر میں چلی گئی اور میں مر گئی' اس دن میری سمجھ میں آیا کہ کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ اگر محبت سے خوش فہمی نکال دی جائے تو غلط فہمی کے سوا کچھ نہیں بچتا' اور آج میں اکیلی ہوں تنہا ہوں یہ نہیں کہ میں نے شادی نہیں کی میں نے شادی کی ہے میرے دو بچے بھی ہیں کیونکہ میرا اس بات پر یقین ہے کہ اگر آپ کسی کو پانے کی چاہ رکھتے ہوں تو اسے کھونے کا حوصلہ بھی رکھنا پڑے گا کیونکہ ہر خواب پورا ہونے کے لئے نہیں ہوتا اور میرا خواب شاید پورا ہونے کے لئے نہیں تھا ہاں شاید۔

"بہت سے زخم ہیں دل میں مگر اک زخم ایسا ہے
جو جل اٹھتا ہے راتوں میں' جو لو دیتا ہے بارش میں"

اور میری نا تمام محبت کا زخم بھی کچھ ایسا ہی ہے میری یہ کہانی نامکمل ہے اور جس دن یہ مکمل ہوئی تو میں اس کا اگلا حصہ ضرور لکھوں گی' ہر کہانی اس وقت تک چلتی رہتی ہے جب تک یا تو کردار نہیں مر جاتا یا پھر رائٹر اور ابھی دونوں زندہ ہیں اس کہانی کا صرف ایک ہی کردار ہے محمود محمود اور صرف محمود میں تو کہیں کھو سی گئی ہوں ہر رائٹر اور ہر شاعر کسی نہ کسی وجہ سے بنتے ہیں اور میں ثناء عملہ محمود ایک رائٹر اور شاعرہ بھی صرف اپنی اس نامکمل کہانی کی وجہ سے بنی ہوں اور ایک آخری بات جو چیز ہماری ہے وہ صرف اور صرف ہماری ہوتی ہے اور جو چیز خود سے ہماری ہی نہ ہو وہ ہماری کیسے ہو سکتی ہے؟

☆......☆......☆

جویریہ بانو

زندگی لہر جیسی تو فانی!

اور پھر واقعی اویس نے اس پر آنچ تک نہ آنے دی۔ وہ اپنے ہی ماتم میں رہی اور سب کچھ طے بھی ہو گیا۔ اویس ڈائریکٹ شادی کروانے پر مصر تھا۔ ''کوئی پتا نہیں اس کا۔ کب مکر جائے۔'' اس نے صاف رشنا سے کہا تھا اور رشنا کو کیا خبر نہیں تھی کہ وہ کیسے گن گن کے دن کاٹ رہا تھا۔ اویس کے ابو رشتہ لے کر گئے۔ رحمہ کے گھر والوں نے ہاں کی اور ڈیٹ فکس ہوگئی۔



شادی میں ایک ہفتہ رہ گیا تو اس کی برداشت کی حد ہوگئی، اسے واپس آئے ایک ماہ ہوگیا تھا اور سعدین جوں کا توں موجود تھا۔ شدت سے اسے دیکھنے کو دل کر رہا تھا آخر گھر والوں کو بہانے لگا کر بڑی مشکل سے وہ شادی سے تین دن پہلے یونیورسٹی آئی۔ رشنا اور رائمہ دونوں میں سے کسی کو بھی نہ بتایا۔ سارا دن ڈپارٹمنٹ میں خوار ہوتی رہی مگر سعدین کہیں نظر نہ آیا۔ اس کو رونا آنے لگا۔ دل زخم کی طرح دکھ رہا تھا۔ آخر بڑی کوششوں سے اس نے ایم فل کی نادیہ کا نمبر لیا اور اسے کال کی۔ ضروری نوٹس لینے کے بہانے اس کے گھر کا ایڈریس اگلوایا اور مغرب کی اذانوں سے ذرا پہلے اس کے گھر پہنچ گئی۔ وہاں ایک اور مصیبت...... گھر سمیت آس پاس کا ایریا بھی سجا ہوا تھا، اس رات نادیہ اور سعدین کی مہندی تھی۔

وہ چکنا چور ہوگئی۔ آنسو روک روک کے آنکھیں پھوڑے کی طرح دکھنے لگی تھیں۔ نادیہ کا چھوٹا بھائی

مکمل ناول



اسے لاؤنج میں بٹھا کے خود اسے بلانے چلا گیا۔
''یا خدا ایک بار نظر آ جائے وہ پلیز۔'' وہاں بیٹھے ہوئے اس نے شدت سے دعا کی۔
نادیہ نہ جانے کہاں رہ گئی۔ اچانک بیرونی دروازہ کھلا۔ وہ اس لمحے کچھ اور بھی مانگتی تو وہ بھی مل جاتا۔
''ہاں ایسے کرنا وہاں جاتے ہی مجھے کال.....'' سیل فون کان سے لگائے وہ لاؤنج میں داخل ہوا تھا۔
رحمہ یکدم کھڑی ہوگئی۔ آنکھیں پاگلوں کی طرح اسے دیکھنے لگیں۔
کاش! وہ اس کی آنکھوں کی پیاس دیکھ پاتا۔
کال ڈس کنکٹ کرتے ہوئے وہ اس کے پاس رکا تھا۔
''آپ.....'' اس کا لہجہ سوالیہ ہوگیا۔
''مجھے نادیہ سے ملنا ہے۔ اسے بلا دیں پلیز۔'' بمشکل اس کے لبوں سے نکلا۔ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے وہ اوپر کی طرف بڑھا۔ رحمہ نگاہیں نہ ہٹا سکی۔ سیڑھیوں کے وسط میں پہنچ کے اس نے دوبارہ پلٹ کر دیکھا۔ لرزتی پلکیں..... سوجی ہوئی آنکھیں..... سیاہ حلقے..... سرخ ڈورے..... پانیوں سے لبریز آنکھیں..... کانپتے ہوئے لب..... تھکا ہوا چہرہ..... کیا تھا نظر انداز کرنے والا۔ کچھ بھی نہیں، لیکن وہ پھر بھی اوپر چلا گیا۔ رحمہ بلک بلک کے روتے ہوئے باہر نکل گئی۔ سعدین نادیہ کو بلا کر واپس آیا تو وہ غائب تھی۔
''کہاں ہے؟'' نادیہ حیران ہوئی۔
''ابھی تو یہیں تھی۔'' وہ بھی حیرانی سے بولا۔
''اُفوہ!'' وہ جھلا کر پھر اوپر چلی گئی۔ سعدین [illegible]
''کیوں آئی تھی وہ۔'' اس کے ذہن نے سوال اٹھایا تھا۔
☆......☆
وہ اس شام گھر نہ گئی۔ فون کر کے اطلاع دے دی کہ کل صبح آئے گی۔ رات کو سونے لیٹی تو نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ اسے اپنی حالت پر رونا آ گیا۔
''یا خدا! آخر میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوا؟'' اس کے لبوں پر شکوہ پھسل گیا۔ ''کیوں وہ میرے حواسوں پر سے نہیں اترتا۔'' آنکھوں میں مرچیں سی بھرنے لگیں۔ جب سے سعدین اس کی زندگی میں آیا تھا تب سے ہر رات ایسے ہی گزرنے لگی تھی۔ کسے سناتی اپنا درد؟ کوئی سننے والا ہی نہیں تھا۔

سننے والے!
تو سن سکے تو سناؤں تجھ کو
کہ کس طرح سے میں سرد راتوں کو
گرم بستر پہ لیٹتی ہوں
ذرا سا آنکھوں کو موندتی ہوں
تو تیری یادوں کا کب سے ٹھہرا بڑا سا لشکر
دھیرے دھیرے سے میری آنکھوں میں آنے لگتا ہے۔

کمرے کی گھٹن ناقابل برداشت ہوگئی تھی۔ وہ دروازہ کھولتے ہوئے باہر آ گئی۔ باہر ہر طرف گھپ اندھیرا تھا۔ سنسان ہاسٹل میں اسے صرف جھینگروں کی آوازیں آ رہی تھیں۔

سننے والے!
پھر اس بے پایاں لشکر کا ہر سپاہی
بند آنکھوں میں
نیچے پلکوں کے
دل کے کونوں میں
اجاڑ خوابوں میں
پاک سوچوں میں
دھیرے دھیرے سے اپنے خیمے لگانے لگتا ہے۔

''یا میرے خدا! وہ مجھے بھول جائے۔ پلیز وہ مجھے بھول جائے۔ دوبارہ کبھی یاد نہ آئے۔'' آنسوؤں کی ندیاں بہاتے ہوئے اس نے نہ جانے ہاسٹل کے کتنے چکر لگائے تھے۔

سننے والے!
اب تو ہی تھوڑا سا [illegible]
کہ میں اکیلی...... وہ ان گنت ہیں
کہ میں نہتی...... وہ سب مسلح
میں ناتواں ہوں...... وہ سب قوی ہیں

''اللہ پاک! اس کا خیال ہمیشہ کے لیے میرے دل سے نکل جائے۔'' گھٹن دور کرنے کے لیے وہ اوپر چھت پر آ گئی۔ تاحدِ نظر پھیلی چھت کے سیکڑوں چکر بھی اس کی بے چینی کم کرنے کے لیے ناکافی تھے۔
''گزرے وقتوں کی سب شکستوں کے زخم اب بھی ہرے ہیں میرے
پچھلی جنگوں کے گہرے گھاؤ اب تلک نہ بھرے ہیں میرے''
''یا اللہ! مجھے سکون کی نیند سوئے زمانہ ہوگیا ہے۔ مالک! اب تو رحم کر [illegible] سکون دے دے۔''
وہ روتے ہوئے پلر سے ٹیک لگا کے نیچے گر گئی۔

سننے والے!
پھر ہوتا یوں ہے کہ تیرے لشکر کا ہر سپاہی
گزرے وقتوں کے تیز بھالوں سے
مجھ کو زخمی سا کرنے لگتا ہے

اسے لگا جیسے کوئی اس کا دل مسل رہا ہے۔ وہ بھاگتی ہوئی نیچے آئی تھی۔ عمارت کا بیرونی دروازہ کھولتے ہوئے ایکدم باہر نکل گئی۔ عمارت کے آگے وسیع و عریض میدان تھا اور درمیان میں روش۔ وہ روش پر بھاگنے لگی اور بھاگتے بھاگتے ٹھوکر کھا کر گر پڑی۔ وہ جدھر نظر اٹھا رہی تھی۔ ادھر ہی سعدین تھا۔ صرف سعدین۔

سننے والے!
بتا یہ مجھ کو کہ کس طرح سے
کروں میں ان سے مقابلہ اب

کہ ان میں ہیں تیری باتوں کی [illegible] کی یادیں
سب سے آگے ہیں تیری آنکھوں کی
تیری پلکوں کی، تیرے چہرے کی
وہ ساری یادیں جو آج تک نہ مٹا سکی میں
تو سب سے پیچھے ہیں تیرے پاؤں کی
تیری آہٹ کی تیرے قدموں کی
وہ ساری یادیں جو آج تک نہ بھلا سکی میں

''سعدین! تمہیں خدا کا واسطہ ہے مجھ پر رحم کرو۔ مجھے چھوڑ دو، خدا کے لیے مجھ پر ترس کھاؤ۔'' وہ روش کے درمیان میں گر کر زار وقطار رو رہی تھی۔

سننے والے!
تو جانتا ہے کہ اس دفعہ بھی
میں تیری یادوں سے لڑتے لڑتے
تھک سی جاؤں گی
مر سی جاؤں گی

بمشکل خود کو سنبھالتے ہوئے وہ دوبارہ کمرے تک آئی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے سب کچھ ختم ہو گیا ہو۔ بے جان ہو کر وہ بستر پر گر گئی۔

''مالک! سکون دے دے، رحم کر دے۔'' اس کے لرزتے لبوں سے سرگوشی سی نکلی تھی۔

سننے والے!
مجھ پر تھوڑا تو رحم کرنا!
مجھ پر تھوڑا تو ترس کھانا!

☆......☆

اپنی چائے کا کپ اٹھا کر وہ اوپر کمرے میں آ گئی۔ کئی دن ہو گئے تھے۔ رحمہ سے بات کیے سو اس کا نمبر ملا لیا۔ نمبر بند تھا۔ حیران ہوتے ہوئے اس نے رحمہ کا گھر کا نمبر ملایا جو اس کی والدہ نے اٹھایا۔

''آنٹی پلیز رحمہ کو بلا دیں۔'' رسمی سا حال چال پوچھنے کے بعد اس نے کہا۔

''بیٹا وہ تو کل سے یونیورسٹی گئی ہوئی ہے۔'' ان کی بات سن کر وہ دم بخود رہ گئی۔

''رشنا بیٹے اس نے بتایا نہیں تجھے؟'' رحمہ کی والدہ پریشان ہو گئیں۔

''اوہو بتایا تھا آنٹی، میرے ذہن سے ہی نکل گیا۔'' وہ صورت حال سنبھالتے ہوئے بولی اور پھر چند منٹ بات کرنے کے بعد فون بند کر دیا۔

''روحی نے مجھے کیوں نہیں بتایا۔'' رشنا حد سے زیادہ پریشان ہو گئی۔ اسی لمحے تیار ہوئی۔ بیگ اور سیل اٹھایا اور یونیورسٹی آ گئی۔ سیدھی رحمہ کے ہاسٹل پہنچی۔ وہ اپنے کمرے میں نہیں تھی۔ اس کی روم میٹس نے بتایا کہ اسے نکلے ایک گھنٹہ ہو گیا ہے۔ رشنا کی پریشانی اور بڑھ گئی۔ رحمہ کا نمبر مسلسل بند تھا۔ وہ بھاگتی ہوئی ڈیپارٹمنٹ آئی۔ پورا ڈیپارٹمنٹ چھان مارا لیکن رحمہ کہیں بھی نہیں تھی۔ اندازاً ہی وہ سر اعجاز کی لیب کے پچھلی

طرف آئی اور ٹھٹھک گئی۔ رحمہ لیب کے بند دروازے سے ٹیک لگائے بند آنکھوں سے رو رہی تھی۔ خاموش لب...... بہتی آنکھیں...... ! رشنا تڑپ گئی۔

''روحی!'' وہ کہتی ہوئی اس کے قریب آئی۔

رحمہ نے ایکدم آنکھیں کھولیں۔ رشنا اس کی سرخ آنکھیں دیکھ کر رہ گئی۔

''روشنی پلیز مجھ سے کچھ نہ پوچھیں۔ میرے پاس تیری کسی بات کا کوئی جواب نہیں ہے۔'' رحمہ اسے دیکھتے ہی بولی۔

''روحی تیرے پر زبردستی تو نہیں ہے۔ انکار کر دے۔'' رشنا بولی۔

''ہر انکار کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے روشی۔ میں کیا وجہ دوں گی؟'' رحمہ روتے ہوئے بولی۔

''تو پھر صبر کر، اگر ایک فیصلہ کر لیا ہے تو پھر اس پر مطمئن ہو جا۔'' اس کی بات پر رحمہ بھڑک گئی۔

''نہیں ہوتا صبر نہیں آتا دل کو سکون، کیا کروں میں۔'' بلک بلک کر روتے ہوئے وہ رشنا کے کندھے سے آ لگی۔

''ساری رات گزر گئی اسے بھولنے کی دعائیں کرتے لیکن وہ نہیں بھولا روشنی۔ ایک ماہ ہو گیا تھا اس کے بغیر رہتے ہوئے لیکن وہ ذہن سے نہیں نکلا۔ نہیں جاتا وہ میری یادوں سے۔ کیا کروں میں؟ کہاں جاؤں۔'' وہ بے بسی سے رو رہی تھی۔ رشنا نے چپ چاپ اسے گلے سے لگا لیا۔

اور پھر دو دن بعد ہی اویس اسے اپنا نام دے کر بڑی شان سے بڑے مان سے اور بڑی عزت سے اپنا کر لے گیا ہمیشہ کے لیے۔

☆......☆

بہت دھیرے سے وہ اس کے پہلو میں آ کر بیٹھا تھا۔ رحمہ نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھ بھی نہ سکی۔

''پتا ہے زندگی میں پہلا خواب ایف ایس سی کے دوران دیکھا تھا ایک بہت بڑا انجینئر بننے کا خواب۔'' وہ اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں مقید کیے ہولے ہولے بولتا جا رہا تھا۔ ''لیکن نہیں بن سکا۔ اماں بیمار ہو گئیں اور ابو کوشش کے باوجود یونیورسٹی میں ایڈمیشن نہ کروا سکے۔''

رحمہ چپ چاپ اسے سن رہی تھی۔ ''میں شاید کبھی نہ بیان کر سکوں کہ تب میری کیا حالت تھی۔ بس سانس رک رک کے آ رہی تھی۔'' کہتے ہوئے اس نے رحمہ کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔ ''رحمہ میری آج بھی وہی حالت ہے۔'' اس کی سانسیں رحمہ کا چہرہ جلانے لگیں۔ ''آج بھی سانس رک رک کے آ رہی ہے۔'' اویس کا حلقہ اس کے وجود کے گرد تنگ ہوتا چلا گیا۔ ''آج پتا چلا ہے مجھے کہ انتہا چاہے دکھ کی ہو یا خوشی کی...... دل ایک سا دھڑکتا ہے۔'' رحمہ اس کے بوجھ سے گر سی گئی۔ ''خواب پورا ہو یا نہ ہو سانس ہر صورت رک جاتی ہے۔'' اس نے رحمہ کے لبوں کو مقید کیا تھا۔ بہت محبت سے اس کے وجود کو خود میں سمیٹ لیا تھا۔ پاگل سا ہو گیا تھا۔

تمام عمر کی ریاضتوں کا حاصل تھی
وہ ایک شب جو آغوش یار میں گزری

☆......☆

صبح وہ اویس سے پہلے اٹھ گئی۔ گیلے بالوں کو یونہی کھلا چھوڑتے ہوئے وہ نیچے آ گئی۔ ہر چیز اجنبی سی

Ridadigest.com

لگ رہی تھی۔ تھوڑی سی کوشش کے بعد اس نے کچن ڈھونڈ لیا۔ رشنا شاید چائے رکھ کر گئی تھی جواب ابلنے کے قریب تھی۔ اس نے آگے بڑھ کے شعلہ مدھم کر دیا۔

''تم اٹھ گئیں۔'' رشنا یکدم اس کے پیچھے سے آ کر بولی تو وہ اپنے آپ میں ہی شرمندہ سی ہو گئی۔

''اویس کو بھی اٹھا دیتیں۔'' رشنا اپنا قہقہہ روک نہیں پائی۔

''دو دفعہ تو اٹھایا ہے اب نہیں اٹھ رہا تو میں کیا کروں۔'' وہ رشنا کے تھپڑ لگاتے ہوئے بولی۔

''ہاں بھئی یہ تو اب تم دونوں کا پرسنل معاملہ ہے۔'' رشنا کندھے اچکاتے ہوئے بولی۔

وہ اسے گھور کر رہ گئی۔

''اچھا روحی! رومی کا فون آیا تھا۔ وہ آج ولیمے پر نہیں آسکے گی۔''

رحمہ یکدم پریشان ہو گئی۔ ''کیوں، خیریت؟'' اس نے پوچھا۔

''عائشہ بھابی نے طلاق لے لی ہے سر دانیال سے۔'' رحمہ دم بخود رہ گئی۔

''میں شام کو اس کی طرف جاؤں گی۔'' رشنا بولی۔

''میں بھی جاؤں گی۔'' وہ بولی۔

''بالکل نہیں، رومی کہہ بھی رہی تھی کہ تجھے نہ بتاؤں، ایک دن ہوا ہے ابھی تیری شادی کو۔'' رحمہ چپ رہ گئی۔

''چائے پیے گی۔'' رشنا نے اپنا کپ بھرتے ہوئے اس سے پوچھا۔ جواباً اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اب کیسی حالت ہے دل کی؟'' رشنا نے اسے چائے کا کپ پکڑاتے ہوئے ہولے سے پوچھا۔

''چپ چاپ سا ہے۔'' وہ بولی۔

''اللہ بہتر کرے گا۔ آہستہ آہستہ بھول جائے گی تو سب کچھ۔'' رشنا مسکرائی۔

''رحمہ..... رحمہ.....!'' اویس اسے آوازیں دیتا ہوا کچن کی طرف آ گیا تھا۔

''یار تم اتنی جلدی اٹھ.....'' رشنا کو دیکھ کر اس کی زبان کو یکدم بریک لگ گئی۔ وہ قہقہہ مار کے ہنس پڑی۔

اویس اپنے آپ میں شرمندہ سا ہو گیا۔

''کہہ لو بھئی جو کہنا ہے۔ میں تو جا رہی ہوں۔'' رحمہ کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے وہ باہر نکل گئی۔

☆......☆

''ہم میں سے کوئی بھی نہ سمجھ سکی۔ عائشہ بھابی پہلے دن سے ہی خوش نہیں تھیں۔'' رحمہ کی شادی کو دس دن ہو چکے تھے۔ رائمہ آج خود اس سے ملنے آئی تھی۔ ''پہلا پیار شادی کے بعد بھی نہیں بھلا پائیں وہ۔''

''کیا مطلب؟'' رحمہ بولی۔

''یونیورسٹی لائف میں کسی کو پسند کرنے لگی تھیں۔ لڑکا بھی راضی تھا اس کے گھر والے کئی بار رشتہ بھی لے کر آئے مگر بھابی کے ماں باپ نے ان کی مرضی کے خلاف ان کی شادی بھائی سے کر دی۔ حمزہ کی پیدائش کے بعد کافی ایڈجسٹ ہو گئی تھیں لیکن شاید ان کا دل ایڈجسٹ نہیں ہو سکا۔ بھی تو اس نے واپس بلایا تو ہر شے کو ٹھوکر مار کر چلی گئیں۔'' رحمہ گم صم ہو گئی۔

''اور دانیال سر! ان کا کیا حال ہے؟'' رشنا نے پوچھا۔

''خاموش ہیں بس، بالکل چپ چاپ بولیں بھی تو کیا بولیں۔'' رائمہ بولی۔

''حمزہ کو ساتھ لے گئیں کہ نہیں؟'' رشنا نے پھر پوچھا۔

''فی الحال تو لے گئی ہیں لیکن بھائی نے کہہ دیا ہے کہ وہ جب چاہیں اسے واپس چھوڑ سکتی ہیں۔ دراصل حمزہ ابھی چھوٹا ہے نا، ماں کے بغیر نہیں رہ سکتا۔'' رائمہ کافی زیادہ دکھی تھی۔

''رومی! لوگ تو کہتے ہیں کہ شادی کا رشتہ بہت طاقت ور ہوتا ہے۔ پھر انہوں نے چند لمحوں میں کیسے توڑ دیا؟'' رحمہ آہستہ سے بولی۔

''شاید ان کا پچھلا رشتہ زیادہ مضبوط تھا۔'' رائمہ نے کہا تو رحمہ نے فوراً رشنا کی طرف دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''تو کیا عائشہ بھابی کا فیصلہ درست ہے۔'' رحمہ ہولے سے بولی۔

رشنا دہل گئی، رائمہ نے دونوں کو دیکھا تھا۔ ''مجھے زندگی کا کوئی تجربہ نہیں ہے روحی مگر اتنا جانتی ہوں کہ اولاد کے بعد انسان پر خوشیوں کے دروازے بند نہیں ہو جاتے۔ حمزہ کے بعد اگر ان کے پیار نے انہیں پکارا اور وہ واپس پلٹ گئیں تو یہ شاید ان کی نظروں میں غلط نہ ہو مگر ایک بیوی، ایک ماں اور ایک عورت ہونے کے ناطے دنیا کی نظروں میں یہ غلط ہے۔ خدا نہ کرے کہ ایسا ہو مگر کل حمزہ نے بڑے ہونا ہے، والدین کے درمیان ہونے والی طلاق سے پیدا ہونے والا خلا کبھی پر نہیں ہو گا اس کا۔ ایک ایسی ماں کی عزت کیسے کرے گا وہ جو اس کے باپ کو چھوڑ کر کسی اور کی ہو گئی۔ میں دعا کروں گی کہ ایسا نہ ہو مگر کل حمزہ اگر عائشہ کے سامنے کھڑے ہو کر سوال کرے گا تو یقیناً تب ان کے پاس کوئی جواب نہیں ہو گا۔ جب وہ پوچھے گا کہ انہوں نے اپنی خوشیوں کو اس کی خوشیوں پر ترجیح کیوں دی؟ تو کوئی جواب نہیں دے سکیں گی وہ۔ آج انہیں اپنا فیصلہ غلط نہیں لگ رہا۔ خدا نہ کرے کہ کل غلط لگے مگر کل غلط لگے گا روحی۔'' رحمہ دم بخود اس کی بات سن رہی تھی۔

☆......☆

پھر وقت دھیرے دھیرے کھسکتا چلا گیا۔ رشنا اور رائمہ کی شادیاں آگے پیچھے طے ہو گئیں۔ اویس کا رحمہ کے لیے پیار دن بدن بڑھتا ہی چلا گیا مگر رحمہ سعدین کو ایک فیصد بھی نہ بھلا سکی۔ اب بھی گر وہ فرصت میں اسے ذرا سا سوچ لیتی تو وہ غبار کی طرح چڑھ آتا۔ رشنا کی شادی کے دو ماہ بعد ہی وہ ایک بیٹے کی ماں بن گئی۔ اویس نے اسے صحیح معنوں میں شہزادی بنا دیا۔ بیٹے میں کھو کر وہ ماضی سے ذرا بیگانہ ہو گئی۔ زندگی خاصی سہل ہو گئی مگر جو وقت زندگی کو سہل بناتا ہے، وہی وقت اسے دکھوں سے بھگو بھی دیتا ہے۔

اس دن رشنا اس سے ملنے آئی تھی۔ ''کیسی ہیں بھابی جی؟'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔ رحمہ بھی مسکرا دی۔

''میاں کا کیا حال ہے؟'' رحمہ اس کے آگے چائے کا کپ رکھتے ہوئے بولی۔

''پتا نہیں یار، ٹھیک ہی ہوں گے۔''

رحمہ حیران ہوئی۔ ''کیا مطلب؟''

رشنا آگے کو ہوئی۔ ''روحی! چھ ماہ ہو گئے ہیں، میں یہ نہیں کہتی کہ وہ میرا خیال نہیں رکھتے یا میری ضرورتیں پوری نہیں کرتے مگر پھر بھی ایک خالی پن سا ہے۔ میاں بیوی کا رشتہ تو دوستی جیسا ہونا چاہیے مگر مجھے ہم دونوں کا رشتہ باس اور سیکرٹری جیسا لگتا ہے۔ ہر بات میں تصنع، ہر وقت آپ جناب تکلف۔ میں

چھ ماہ میں بھی سمجھ نہیں پائی۔"

رحمہ مسکرائی۔ "یعنی تجھے عزت راس نہیں آرہی ہے۔"

رشنا نے نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں رومی عزت کی بات نہیں ہے۔ یہ تو رشتہ ہی عزت کا ہے مگر ایک چیز ہوتی ہے محبت، جسے ہم صرف محسوس کر سکتے ہیں۔ مجھے وہی محسوس نہیں ہوتی۔"

رحمہ چپ رہی۔

"کبھی کبھار مجھے لگتا ہے جیسے میں ان چاہی ہوں۔"

رحمہ دہل گئی۔ "پاگل ہو گیا؟ اس سے پوچھ لو کہ کیا مسئلہ ہے۔"

رشنا پیچھے کو ہوئی۔ "نہ جانے کتنی بار پوچھ چکی ہوں کوئی جواب نہیں ملتا۔" رشنا نے کرسی کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے آنکھیں بند کی تھیں۔

☆......☆

رائمہ کو جڑواں بچوں کا تحفہ ملا تھا۔ وہ ان دونوں کو ہی سنبھالنے میں لگی رہتی سو اس کا آنا جانا ذرا کم ہو گیا تھا۔ اس دن رحمہ نے ہی رشنا کو مشورہ دیا کہ اسے چیک اپ کروانا چاہیے۔ "تو چلے گی ساتھ۔"

رحمہ نے اس کے ایک کان... "پاگل اپنے شوہر نامدار کے ساتھ جا۔" اور رشنا کی توقع کے عین مطابق شوہر نامدار نے منع کر دیا سو وہ رحمہ کو ہی ساتھ لے کر گئی۔ رپورٹس ایک ہفتے بعد ملنی تھی۔ وہیں انہیں یونیورسٹی کی ایک فیلو مل گئی ارم ناز۔ ان تینوں کا دوسرا سمسٹر تھا جب وہ پی ایچ ڈی کرنے آئی تھیں اور بقول اس کی کلاس فیلوز کے محترمہ بڑا دھواں دھار عشق کر رہی ہیں۔ اب بھی ارم انہیں اپنے گھر لے گئی۔ وہ دونوں تو اتنا بڑا گھر دیکھ کر ہی حیران ہو گئیں۔ جب اپنی یونیورسٹی اور خاص طور پر اپنے ڈپارٹمنٹ کا کوئی فرد ملتا ہے تو بہت خوشی ہوتی ہے۔ وہ سر دانیال کی اسٹوڈنٹ بھی رہی تھی باتوں ہی باتوں میں رشنا اسے کہے بغیر رہ نہ سکی۔ "آپ کی چاہت تو بڑی امیر نکلی ارم آپی۔" وہ مسکرائی۔

"یہ گھر میری چاہت کا نہیں ہے رشنا۔" وہ دونوں حیران رہ گئیں۔

"کیا مطلب؟ آپ کی ان سے شادی نہیں ہوئی۔" ارم نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں، مجبوریاں محبت پر سبقت لے گئیں۔ ابا حد سے زیادہ بیمار تھے۔ چار بن بیاہی بہنیں، دو بھائی جنہوں نے آگے پڑھنا تھا۔ ان سب کے لیے پیسہ چاہیے تھا اور احمر کے پاس پیسا نہیں تھا۔ سو مجبوریاں جیت گئیں۔" ارم مسکرائی۔

"کتنے سال ہو گئے ہیں آپ کی شادی کو۔" رحمہ نے پوچھا۔

"چھ سال۔ تین بچے ہیں میرے۔" وہ بولیں۔

"تو اب تو مجبوریاں نہیں ہیں نا، اب پلٹ جائیں۔"

رحمہ عشق کا درد جانتی تھی۔ تبھی تڑپ کر بولی۔ ارم مسکرائیں۔

"اب مجبوریاں نہیں ہیں مگر احسانات ہیں۔ فرائض ہیں۔ وعدے ہیں جس شخص نے مجبور حالات میں میرا ہاتھ تھاما، اب جب کہ اس کو اور اس کی اولاد کو میری ضرورت ہے تو میں کیسے پلٹ جاؤں۔ محض اپنی خوشی کے لیے تین معصوموں کو کیسے قربان کر دوں۔"

رحمہ یکدم بولی۔ "تو پھر عورت کی زندگی اس کی اپنی تو نہ ہوئی نا، دوسروں کے لیے وقف ہی ہو گئی۔"

ارم نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ہاں تو ایسے ہی تو اس کے قدموں تلے جنت نہیں رکھ دی نا خدا نے۔ سراپا قربانی ہے اسی لیے رکھی ہے۔"

رحمہ چپ رہ گئی۔

"تو آپ بھول گئیں انہیں؟" رشنا نے پوچھا۔

"کس نے کہا؟ وہ تب بھولے گا جب سانسیں لینا بھول جاؤں گی اس سے پہلے نہیں۔ تم لوگ سمجھتے ہو کہ میں بہت نیک ہوں جو اپنے شوہر سے وفا کر رہی ہوں مگر ایسا نہیں ہے۔ میں سراپا وفا نہیں بن سکی۔ احمر کی ستارہ کیمیکلز میں جاب ہے۔ دن میں کم از کم دو دفعہ اسے دیکھنے ضرور جاتی ہوں۔ بہت دور سے دیکھتی ہوں کیونکہ اگر اس نے دیکھ لیا تو پھر شاید اتنی مضبوط نہ رہ سکوں۔ نظروں کی تشنگی دور ہو جاتی ہے۔ بے شک یہ خیانت ہے مگر اس سے میرا دل پرسکون رہتا ہے۔ بے چینی کم ہو جاتی ہے۔" ایک گھنٹے بعد وہ دونوں واپس آ گئیں۔ رحمہ سارے رستے خاموش رہی۔

☆......☆

رشنا کی رپورٹس ٹھیک تھیں، بات چھپانے والی نہیں تھی اور نہ ہی رشنا نے چھپائی۔ ارسلان اس کی بات سننے سے پہلے بھی چپ تھا اور اس کی بات سننے کے بعد بھی چپ ہی رہا۔

"اب کیا ہوگا؟" وہ جتنا اس سوال سے دور بھاگتی سوال اتنا ہی اس کے ذہن پر چڑھ جاتا۔ اس کا دل کرتا کہ ارسلان اس سے کچھ تو کہے برا یا بھلا مگر ارسلان نے اس سے ایک لفظ بھی نہ کہا۔ اس دن اس کی ساس نے ڈھکے چھپے الفاظ میں اس سے بات کی تو وہ پھٹ پڑی۔ "آنٹی مجھے کیا کہہ رہی ہیں۔ اپنے بیٹے سے کہیں جو کہنا ہے وہ کچھ بولیں تو پھر ہے نہ بات... ہاں، ایک چپ ہے جو ہونٹوں سے چپکا کے بیٹھے ہیں۔" پھر اس کی ساس نے بھی اس سے کچھ نہ کہا اور ارسلان کے ہونٹوں پر لگی چپ جلد ہی ٹوٹ گئی۔ رشنا صرف اتنا جانتی تھی۔ دوسری شادی کی فرمائش ہو گئی تھی... اس سے زیادہ وہ کچھ نہیں جانتی تھی۔ اس سے آگے اسے ارسلان نے بتایا۔ وہ سب جو وہ ڈیڑھ سال سے دل میں چھپا کر بیٹھا تھا جو اس گھر میں موجود ہر فرد جانتا تھا سوائے اس کے۔ "میں نے منع کیا تھا اماں کو کہ مجھے تم سے شادی نہیں کرنی مگر وہ بضد تھیں۔ ثانیہ تمہاری طرح شریف زادی نہیں تھی بلکہ وہ اس تاریک جگہ کی باسی تھی جہاں تم جیسے شریف لوگ جانا بھی پسند نہیں کرتے۔" رشنا دم بخود رہ گئی۔ "مجھے وہ شاپنگ مال پر ملی تھی۔ اس تاریک دنیا سے نکل کر اس روشن دنیا میں جینے کی سعی کر رہی تھی۔ بہت پر عزم، بہت محنتی اور بہت باکردار۔ میں اس سے محبت کیے بغیر رہ نہ سکا۔ اماں سے بات کی مگر انہوں نے انکار کر دیا، اپنی زندگی کا واسطہ دے کر میری تم سے شادی کروا دی۔" رشنا سوچ رہی تھی کہ اب اس کے متعلق نہ جانے کیا فیصلہ ہوگا۔ "وہ اب بھی اکیلی ہے رشنا مگر بہت مضبوط، اب بھی اس کا ماضی تاریک ہے مگر حال بہت روشن۔ میں اس کا مستقبل بھی روشن دیکھنا چاہتا ہوں۔ تم خوشی سے اس گھر میں رہو میں تمہارا مقام کبھی نہیں چھینوں گا مگر میں اب ثانیہ سے شادی ضرور کروں گا۔ تم اجازت دو یا نہ دو تمہاری مرضی۔" وہ کہہ کر اٹھ گیا۔ رشنا بیٹھی رہ گئی۔ "اس کے اس گھر میں آ جانے کے بعد رشنا کا مقام کیا ہوتا تھا۔" وہ جانتی تھی۔

☆......☆

"اس گھر میں واپس جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں سمجھیں، بوجھ نہیں ہو تم مجھ پر۔" رشنا چپ

بیٹھی تھی، اویس کو تو اس کی بات سن کر ہی غصہ آ گیا تھا۔ رحمہ تو خود اس کی بات سن کر دم بخود تھی۔ ''اب جو بات کرنی ہے نا، میں خود کرلوں گا اس سے۔'' وہ اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے باہر نکل گیا تھا۔ رحمہ اٹھ کر اس کے پاس آئی۔

''کیا سوچا ہے؟'' رشنا نے سانس بھری۔ ''دکھ شاید زیادہ ہوتا اگر مجھے ارسلان سے محبت ہوئی ہوتی مگر اس نے مجھے خود سے محبت کرنے کا موقع ہی نہیں دیا۔ اچھا کیا ورنہ آج میں بھی تیری طرح رو رو کر پاگل ہو رہی ہوتی۔'' رحمہ چپ رہی۔ ''منع نہیں کرے گی اسے۔''

''میں کروں گی بھی تو وہ نہیں ہوگا۔ کہے گا اولاد چاہیے۔'' رشنا بولی۔

''تو کیا لڑے بغیر پیچھے ہٹ جائے گی۔'' رحمہ نے پوچھا۔

''روحی جنگ وہاں کرتے ہیں جہاں جیتنے کی امید ہو اور میرے پاس ایک امید بھی نہیں ہے۔''

رحمہ چپ رہی۔

''چل میرے ساتھ۔'' رشنا یکدم اٹھی تھی۔

''کہاں جانا ہے...'' رحمہ بولتی رہ گئی مگر رشنا اسے لے کر سیدھی اس مال پر آئی جہاں تانیہ کام کرتی تھی۔

''تانیہ سے ملنا ہے۔'' ڈھونڈتے ہوئے وہ اس تک پہنچ گئیں۔ عام سے حلیے میں وہ خاصی خوب صورت لڑکی تھی۔

''تم سے کچھ بات کرنی ہے۔ دس منٹ چاہئیں۔'' رشنا بولی۔

تانیہ پہلے تو حیران ہوئی مگر پھر ان کے ساتھ چلی آئی۔ ''پہچانا نہیں میں نے آپ کو۔'' وہ بولی۔

''ارسلان کو جانتی ہو۔'' رشنا بولی۔ تانیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''میں اس کی بیوی ہوں۔''

تانیہ بول نہ سکی۔

''سمجھ تو گئی ہوگی کہ تمہارے پاس کیوں آئی ہوں میں۔'' رشنا بولی۔

''میں نے ارسلان کو کب کا آزاد کر دیا ہے اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کر سکتی ہوں میں۔'' تانیہ مضبوط لہجے میں بولی تھی۔

''یہ تو میں پوچھنے آئی ہوں کہ کیوں آزاد کیا تھا اسے۔ جب پیار کرنے کی ہمت کی تو اسے نبھانے کی ہمت بھی پیدا کرتیں۔ جانتی تھیں نا تم کہ تمہاری تاریک دنیا سے باہر بستی اس سفید دنیا کے سب لوگ ایک جیسے ہیں، تم جیسوں کو قبول نہیں کرتے۔ پھر کیوں ارسلان کی طرف بڑھیں تم؟ کیوں اسے اپنے خواب دیکھنے کی اجازت دے دی یہ جانتے ہوئے کہ اس کی ماں تمہیں قبول نہیں کرے گی۔'' رشنا کی آواز بلند ہوتی جا رہی تھی۔ ''اچھا مان لیا کہ تم بھی آخر کو انسان تھیں۔ لڑکی تھیں۔ تمہیں بھی محبت ہو گئی تو جب محبت ہو گئی تھی تو پھر لڑی کیوں نہیں اس محبت کے لیے۔ ارسلان کی ماں کی چار باتیں سن کر کیوں پیچھے ہٹ گئیں۔ محبت ہی کی تھی نا، گناہ تو نہیں کیا تھا جو مجرم سمجھ لیا تم نے خود کو۔'' تانیہ خاموش تھی۔ ''مجھے تمہاری ہمت یا تمہارے کردار پر کوئی شک نہیں ہے۔ اس اندھیر نگری سے قدم باہر نکالنا ہی بڑی بات ہے نہ کہ اس کے بعد بلند ہمتی سے جیا بھی جائے لیکن معاف کرنا تانیہ تم جیسی لڑکیاں ہوتی ہیں جو مجھ جیسوں کی زندگی برباد کرتی ہیں، قربانی کے نہ جانے کس مقام پر بیٹھ کر تم نے تو ارسلان کو اپنے دل سے نکال دیا مگر وہ تمہیں آج تک نہیں نکال سکا اور اگر اسے آزاد کر ہی دیا تھا تو پوری طرح کرتیں۔ کہیں اور گھر بسا لیتیں۔ کسی اور شہر چلی جاتیں۔ تم سے دور

ہونے کے بعد اس نے ماں کی خواہش تو پوری کر دی مگر اپنے دل کی خواہش کو آج تک نہ دبا سکا۔'' رشنا کی آواز بھرا گئی تھی۔ ''آج میرے پاس شوہر کی محبت یا اولاد میں سے کوئی ایک ہتھیار بھی ہوتا تو میں ضرور لڑتی مگر میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے اس لیے لڑ کے شکست کھانے سے بہتر ہے کہ لڑے بغیر پیچھے ہٹ جاؤں۔'' رشنا نے آنسو خشک کیے تھے۔

''میں کیا کر سکتی ہوں آپ کے لیے۔'' تانیہ بولی۔

''صرف اتنا کہ اب مجھے چھوڑ کر جب ارسلان تمہاری طرف آئے تو اسے اپنا لینا، منع مت کرنا، نہ ہی قسمت بار بار مہربان ہوتی ہے اور نہ ہی سہارے بار بار ملتے ہیں اور یہ بھی مت سوچنا کہ میرے لبوں سے کبھی تمہارے لیے بددعا نکلے گی۔ یہ میرا نصیب تھا بس اینڈ تھینکس فار دی 10 منٹس۔'' رشنا کہتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔ رحمہ تو اس کی تقریر سن کر ہی حیران تھی۔

☆......☆

پتا نہیں وقت کون سے امتحان لے رہا تھا۔ رائمہ اپنے دونوں بچوں کے ساتھ بھائی کے گھر آ کر بیٹھی تھی۔ وجہ وہی عام سی... شوہر، بیوی سے زیادہ ماں کی سنتا تھا اور ماں اسے ہر بات سناتی تھی۔ سال بہت ہوتا ہے برداشت کرنے کے لیے۔ رائمہ نے بھی کیا اور جب صبر ختم ہو گیا تو بھائی کے گھر آ گئی۔ رشنا بھی آج کل اویس کے گھر ہی تھی۔ اسی دوران رحمہ کو اللہ نے ایک بیٹی سے بھی نواز دیا۔ اویس بے حد خوش تھا۔ اس دن اتوار تھا۔ رشنا زبردستی رائمہ کو چیک کرلائی تھی۔

''روشی پھر کیا کرے گی اب تو۔'' رائمہ نے ... منہ میں رکھتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''ارسلان کی زندگی میں واپس تو نہیں جانا ہے۔'' رشنا بولی تھی۔

''روشی تجھے نہیں لگتا کہ یہ فیصلہ غلط ہو سکتا ہے۔'' ...

رشنا چپ رہی۔ رائمہ نے ہولے سے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا اور بولی۔ ''روشی! تجربہ تو مجھے بھی نہیں ہے یہ صرف ایک مشورہ ہے تجھے۔ اپنے اس فیصلے پر قائم رہنا، اگر تو نے ارسلان سے طلاق نہ لی تو جانتی ہے کیا ہوگا؟ تانیہ آہستہ آہستہ تیرے سر پر بیٹھ جائے گی۔ ارسلان کی محبت تو وہ ہے ہی، اولاد کے بعد وہ پورے گھر کے لیے من پسند ہو جائے گی۔ تانیہ، ارسلان اور ان کے بچے...... ان میں ... ہوگا ... تو کہیں بھی نہیں ہوگی۔'' رحمہ آگے کو آئی۔ ''اسے تو نہ لڑنے کا مشورہ دے رہی ہے اور خود...... پھر تو کیوں لڑ رہی ہے۔'' رائمہ ہنسی۔ ''کیونکہ میرے ساتھ دو زندگیاں جڑی ہیں۔ میرے بچے میں ان کے لیے لڑ رہی ہوں۔ روحی اولاد ہتھیار ہوتی ہے یہ ہو تو جم کر لڑا جاتا ہے۔ ورنہ قدم اکھڑ جاتے ہیں۔'' رحمہ چپ ہو گئی۔

''اور تجھے لگتا ہے کہ تو جیت جائے گی۔'' رحمہ نے پوچھا تھا۔

''امید تو پوری ہے کیونکہ اولاد کی محبت بہت مضبوط ہوتی ہے۔ خود سے بندھی اولاد کی زنجیریں توڑنا بے حد مشکل ہوتا ہے۔ بے حد مشکل۔''

رحمہ نے لمبی سانس بھری۔ ''کتنی سمجھدار ہو گئی ہو نہ تم دونوں۔ خدا نہ کرے کہ یہ وقت کبھی تجھ پر آئے روحی فیصلہ کرنا شاید دنیا کا سب سے مشکل کام ہوتا ہے۔'' رائمہ نے اس کی بات کاٹی۔ ''صرف فیصلہ کرنا نہیں درست فیصلہ کرنا اور روحی یہ فیصلہ کرنا عورت کو ہی ہوتا ہے۔''

☆......☆

اویس کو چائے کا کپ پکڑا کے اس نے دونوں بچوں کو سلایا اور پھر کھڑکیوں کے پردے برابر کرتی ہوئی اس کے پہلو میں آ کر لیٹ گئی۔ اب وہ جلد تھک جاتی تھی۔

"اویس لائٹ بند کر دو پلیز۔" تھکن زدہ آنکھوں کو دونوں انگلیوں سے دباتے ہوئے اس نے اویس سے کہا تھا۔

شادی کے دو سال بعد بھی وہ اسے تمیز کا اعلیٰ مقام نہیں دے پائی تھی اور اویس نے کبھی اسے ٹوکا بھی نہیں تھا۔

"رحمہ اگر رشنا واپس اس گھر میں آ گئی تو اسے بوجھ تو نہیں سمجھو گی؟"

اویس کی بات سن کر اس کی دونوں آنکھیں کھل گئیں۔ "کیسی باتیں کر رہے ہو اویس۔ میرے آنے سے پہلے یہ گھر اس کا تھا اور یقیناً آئندہ بھی اسی کا رہے گا۔ میں کون ہوتی ہوں اسے بوجھ سمجھنے والی۔ حد ہوتی ہے۔" اسے اچھا خاصا غصہ آ گیا۔

اویس نے بہت محبت سے اسے سمیٹا تھا۔ "بہت عقل مند ہو گئی ہو۔" وہ مسکرایا۔

"نہیں اویس میں آج بھی عقل کے معاملے میں وہیں کھڑی ہوں جہاں چار سال پہلے کھڑی تھی لیکن تمہاری بہن بہت آگے نکل گئی ہے۔ مجھے رشک آتا ہے اس پر جب وہ اتنی مضبوط ہو کر اپنے لیے فیصلے کرتی ہے۔" وہ صاف گوئی سے بولی۔

"کیا سوچا ہے اب اس نے۔" اویس نے پوچھا۔

"تم فکر نہ کرو۔ وہ اپنے متعلق جو سوچے گی وہ بہتر ہی ہوگا۔" رحمہ نے اس کے سینے میں منہ چھپاتے ہوئے کہا۔

☆......☆

آج وہ آخری بار اپنے سسرال آئی تھی۔ خلاف معمول ارسلان گھر پر ہی تھا۔ اس کے اوپر آنے کے چند منٹ بعد ہی اوپر آ گیا۔

"تم تانیہ سے ملی تھیں؟" اس نے پوچھا۔

"جب آپ شادی کے بعد بھی اس سے مل سکتے ہیں تو پھر میں کیوں نہیں۔" وہ اپنے کپڑے سمیٹتے ہوئے بولی۔

"ابھی واپس چلی جاؤ گی؟" وہ حیرانی سے بولا تھا۔

"آپ کی شادی کے بعد بھی تو میں نے دکھی ہو کر یہاں سے جانا ہی ہے ناں تو پھر عزت سے ابھی سہی۔"

ارسلان بول نہ سکا۔ رشنا نے سارا سامان سمیٹ کر بیگ باندھا اور گھسیٹ کر دروازے تک لے آئی۔

"بس ایک التجا ہے آپ سے، تانیہ سے شادی کرنے سے پہلے مجھے طلاق دے دیجیے گا کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ لوگ یہ کہیں کہ دوسری بیوی نے آ کر پہلی کو طلاق دلوادی۔"

ارسلان اب بھی چپ تھا۔ وہ اس کے قریب آئی۔ "اور پلیز کوشش کیجیے گا کہ اپنے بیٹے کو اپنے جیسا بزدل مت بنائیے گا جو محبت کے لیے لڑ نہ سکے۔ جو اپنے لیے کوئی فیصلہ نہ کر سکے اور جب فیصلہ کرے تو دوسروں کے سروں پر سوار ہو کر......" نہ چاہتے ہوئے بھی رشنا کا لہجہ سخت ہو گیا۔

"میں نے تمہیں اس گھر سے جانے کو نہیں کہا۔" وہ بولا۔

"تو پھر مجھے اس گھر میں آنے کے لیے بھی نہ کہتے۔ محبت کو معتبر کرنے کا حوصلہ پیدا کرتے اور اگر اس نے آزاد کر ہی دیا تھا تو اس کے بغیر جینے کا ہنر سیکھ لیتے۔ خدارا اپنے بیٹے کو یہ سب ضرور سکھائیے گا تاکہ پھر کسی رشنا کی زندگی ایسے برباد نہ ہو۔" ارسلان چپ تھا۔ "اور ہاں......" وہ دروازے کی طرف جاتے جاتے اس کی طرف مڑی۔ "اپنی بیٹی کو یہ مان ضرور دیجیے گا کہ اگر وہ محبت کرے تو آپ سے کہنے کا حوصلہ بھی رکھے۔ اپنے اندر یہ حوصلہ پیدا کیجیے گا کہ جب آپ کی بیٹی آپ سے بات کرے تو آپ پورے یقین سے اسے سن سکیں۔" ساکت کھڑے ارسلان کو وہ آئینے پر آئینہ دکھا رہی تھی۔

اور شاید یہ ہی سچ ہے۔ جنگ تب لڑی جاتی ہے جب سامان جنگ میسر ہو۔ اس کے بغیر لڑیں تو شکست مقدر بن جاتی ہے اور جب سامان جنگ نہ ہو تو لڑ کے شکست کھانے سے بغیر لڑے پیچھے ہٹ جانا بہتر ہے۔

فیصلہ رشنا کا بھی درست نکلا۔ وہ لڑے بغیر ہی پیچھے ہٹ گئی۔ ارسلان نے تانیہ سے شادی سے پہلے ہی اسے طلاق دے دی تھی۔

فیصلہ رائمہ کا بھی درست نکلا۔ اولاد جیسے مضبوط ہتھیار کے ساتھ وہ لڑی اور جیت گئی۔ اس کا شوہر تین ماہ بعد خود غلطی تسلیم کرتے ہوئے اسے منا کر لے گیا تھا۔

☆......☆

رائمہ آج کل اپنے میکے آئی ہوئی تھی تو ان دونوں نے سوچا کہ اسے مل آئیں۔ رشنا کی طلاق کو چھ ماہ ہو گئے تھے۔ رائمہ اب اپنے گھر کا نئی سکھی تھی۔ "سنا ہے میاں جی کے ساتھ الگ گھر میں شفٹ ہو رہی ہے تو۔" رشنا اسے آنکھ مارتے ہوئے بولی تھی۔

"یہ خالصتاً ان کی اپنی خواہش ہے۔" رائمہ بولی۔

"رومی! تیری ساس اکیلی ہو جائیں گی یار۔" رحمہ بولی تھی۔

"روحی یار میں نے بھی ایسا نہیں چاہا اور یقین کرو کہ میں نے کئی بار ان کے اس فیصلے کی مخالفت بھی کی ہے مگر شاید ان کا صبر اب جواب دے گیا ہے اور ویسے بھی چھوٹا دیور ہے ان کے پاس، آج کل اس کی دلہن تلاش کر رہی ہیں۔" رائمہ آخر میں ہنس دی۔

"خدا خیر کرے، ایک تو قابو نہیں کر سکیں، دوسری کو کیسے کریں گی۔" رشنا کی بات سن کر رائمہ نے اس کے ایک لگائی تھی۔

"اوہو آج تو یونیورسٹی کی یادیں تازہ ہو رہی ہیں۔" سر دانیال ابھی ابھی آئے تھے۔" وہ تینوں مسکرا کر رہ گئیں۔

"آؤ کھانا لگائیں۔" رائمہ، رحمہ کا بازو کھینچ کر بولی تو وہ اٹھ گئی۔ سر دانیال وہیں ڈائننگ پر بیٹھ گئے۔

"بہت جلدی سنبھل گئی ہو رشنا۔" انہوں نے پوچھا۔

"نہیں سر، میں لڑکھڑائی ہی نہیں تھی تو سنبھلنا کیسا؟"

دانیال چپ کر گئے۔

"آپ کو کیا لگتا ہے ٹھیک کیا میں نے؟" وہ بولی۔

''اپنے فیصلے سے متعلق کبھی کسی کی رائے نہیں لیتے رشنا، کیونکہ اگر رائے غلط نکلے تو فیصلہ غلطی بن جاتا ہے۔'' وہ بولے۔ رشنا چپ رہی۔ ''بہر حال جو فیصلہ ہونٹوں پر مسکراہٹ اور چہرے پر طمانیت لے آئے وہ غلط نہیں ہوتا۔'' وہ مزید بولے۔

''تو کیا آپ کا فیصلہ ٹھیک تھا؟'' رشنا نے ڈرتے ڈرتے پوچھ لیا۔

''پتا نہیں کیونکہ فیصلہ میرا نہیں عائشہ کا تھا۔ ٹھیک تھا یا نہیں یہ وہ بہتر جانتی ہوگی کیونکہ میں نے آج تک دوبارہ اس کا چہرہ نہیں دیکھا۔'' وہ کہتے ہوئے اوپر کی طرف بڑھ گئے۔ رشنا خاموش بیٹھی رہ گئی۔

☆......☆

اور پھر وقت دھیرے دھیرے ذرا اور سرک گیا۔ رحمہ کے بیٹے نے پانچویں اور بیٹی نے جو چوتھے سال میں قدم رکھ دیا۔ رشنا کو تنہا ہوئے ڈھائی سال ہو گئے تھے۔ اویس نے اسے دوسری شادی کا کہا مگر اس نے انکار کر دیا۔ رائمہ اپنے گھر خوش تھی اور چھوٹے دیور کی شادی کی تیاریوں میں مگن تھی۔ اس دن رشنا ذرا دیر سے سو کر اٹھی۔ جمائیاں لیتے ہوئے نیچے آئی تو رحمہ دونوں بچوں کو اسکول بھیج کر اویس کے لیے ناشتا تیار کر رہی تھی۔ وہ کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

''چائے دوں؟'' رحمہ نے پوچھا۔

''ہوں۔'' اس نے جماہی لیتے ہوئے دوبارہ سر میز پر گرا لیا۔ تبھی فون کی بیل بجی۔ ''روشی پلیز یار دیکھ کس کا فون ہے۔'' رحمہ زبردستی اسے کرسی سے اٹھاتے ہوئے بولی۔

''کیا مصیبت ہے۔'' بیزار سے لہجے میں کہتی وہ اٹھ کے فون تک آئی۔

''کون ہے؟'' انجان نمبر دیکھ کر اس نے بداخلاقی کی تمام حدیں پھلانگی تھیں۔

''میں ہوں بدتمیز جہان کی۔'' رائمہ کی تیز آواز نے ایک دم اس کی آنکھیں کھولیں۔

''رومی یہ کس نمبر سے فون کیا ہے؟'' وہ حیران ہوئی۔

''آہستہ بول روحی تو نہیں ہے آس پاس؟''

''نہیں، کچن میں ہے۔ کیا ہوا ہے اب؟'' رشنا کی ساری نیند اڑن چھو ہو گئی۔

''اچھا سن روشی، میں رات بھی فون کرنے لگی تھی لیکن پھر تیری بھی ساری رات میری طرح جاگتے ہوئے گزرتی، تو جلدی میری طرف آ، جتنی جلدی ہو سکے بھی۔''

رشنا کی آنکھیں پھیل گئیں۔ ''رومی کیا ہوا ہے بتاؤ تو سہی۔''

''تو جلدی آ پھر بتاتی ہوں اور سن روحی کو بالکل نہیں بتانا کہ تو آ رہی ہے۔ اسے قطعاً ساتھ نہیں لانا۔''

رائمہ کی باتیں اس کے سر کے اوپر سے گزر رہی تھیں۔

''رومی خیریت ہے؟'' اس نے ہولے سے پوچھا۔

''شاید نہیں۔'' رائمہ کہتے ہوئے فون بند کر گئی۔

رشنا نے ریسیور رکھتے ہوئے کچن کی طرف دیکھا۔ اویس جلدی جلدی چائے کے سپ لیتے ہوئے رحمہ سے کچھ کہہ رہا تھا۔ جواباً وہ ہولے ہولے مسکراتے ہوئے اسے گھور رہی تھی۔ رشنا دیکھتی رہ گئی۔ کپ خالی کر کے اویس نے بازو پھیلا کے اسے کندھے سے لگایا اور اس کے کان میں سرگوشی کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

''یا میرے خدا! اب مزید کچھ برا نہ ہو۔'' اس نے سرگوشی میں کہا تھا۔

☆......☆

رحمہ کو ڈھیر سارے جھوٹ بول کر مطمئن کر کے وہ تقریباً گیارہ بجے رائمہ کے گھر پہنچی۔ وہ بے صبری سے اس کا انتظار کر رہی تھی۔ ''کتنی دیر کر دی تو نے روشی، میں کب سے انتظار کر رہی ہوں تیرا۔'' وہ اسے کھینچتے ہوئے اپنے کمرے میں لے کر آئی۔

''میں کل سے اتنی پریشان ہوں نا جس کی حد نہیں، بیٹھ یہاں۔'' وہ رشنا کو بیڈ پر بٹھاتے ہوئے خود اس کے سامنے بیٹھ گئیں۔

''کل میں اقراء (رائمہ کی ہونے والی دیورانی) کو ساتھ لے کر لہنگا خریدنے گئی تھی۔ واپسی میں وہ اپنے گھر لے گئی۔ اس کی بھی کافی کزنز وغیرہ آئی ہوئی تھیں وہ مجھے پرانے فوٹو البمز دکھانے لگیں اور روشی یار خدا کی قسم یار میں تو سن رہ گئی وہ تصویریں دیکھ کر بڑی مشکل سے ڈھونڈ کر اور نظر بچا کر میں نے ان میں سے ایک تصویر نکال لی اور لے آئی۔''

رشنا دم سادھے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

''یہ دیکھ یہ تصویر۔'' اس نے تصویر رشنا کے آگے رکھی۔ رشنا کا منہ کھل گیا۔

''اقراء نے بتایا کہ یہ اس کی پھپھو کا بیٹا ہے اور پچھلے کئی سالوں سے انگلینڈ میں ہے۔''

رشنا چپ چاپ اس کی باتیں سن رہی تھی۔

''میں نے پوچھا کہ اس کی شادی ہوئی کہ نہیں تو اقراء نے بتایا کہ ہوئی تھی لیکن ایک سال بعد ہی طلاق ہو گئی۔''

رشنا لمبی سانس بھرتے ہوئے بستر پر گر گئی۔

''روشی یہ شادی پر آئے گا ضرور۔ اب بتا روشی خیریت ہے نہیں؟''

رشنا کچھ بول نہ سکی۔

''اسے دیکھ کر روحی کا ردعمل کیا ہوگا۔'' رائمہ سیدھی بات کی طرف آئی۔

''جو بھی ہوگا کم از کم نارمل نہیں ہوگا۔'' رشنا ہولے سے بولی۔

''روشی اب دو باتیں ہو سکتی ہیں۔ پہلی یہ کہ شاید ہم دونوں بالکل ٹھیک ہوں۔ روحی آج تک نہ بھول پائی ہو اور دیکھتے ہی پاگل ہو جائے سو بہتر یہ ہوگا کہ رومی شادی میں نہ آئے۔ کسی صورت نہ آئے اور جب تک یہ واپس نہیں چلا جاتا وہ میرے گھر بھی نہ آئے اور......'' رائمہ کہتے کہتے رکی۔ ''اور دوسری یہ کہ شاید ہم دونوں غلطی پر ہوں۔ تب سے لے کر اب تک درمیان میں پانچ سال حائل ہیں۔ ہو سکتا ہے روشی اسے پہچان ہی نہ سکے۔ ہو سکتا ہے ایک نظر دیکھنے کے بعد دوسری ڈالنا بھی گوارا نہ کرے۔ پانچ سال پہلے صرف وہ اور روحی تھے۔ آج روحی کی زندگی میں اویس ہے۔ اس کے بچے ہیں، تم ہو۔ تو ہو سکتا ہے وہ اسے بھول گئی ہو۔''

رشنا ایک لمبی سانس لیتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''رومی میں جتنے یقین سے یہ کہہ سکتی ہوں نہ کہ میں ماں کو بھول گئی اتنے ہی یقین سے یہ کہہ سکتی ہوں کہ وہ سعدین کو آج تک نہیں بھول پائی۔''

رائمہ دنگ رہ گئی۔

''وہ اب بھی بیٹھے بیٹھے گم ہو جاتی ہے۔ میں نے اب بھی اسے راتوں کو روتے دیکھا ہے۔ بہت بار

اس کی آنکھوں کا سوناپن اور لہجے کا کھوکھلا پن محسوس کیا ہے۔ سب کو خوشیاں دے کر وہ خود خوش نہیں ہے رومی۔"

"وہ نہیں بھولی اسے آج تک نہیں۔" رشنا پریقین لہجے میں بولی۔

"تو پھر کیا کریں؟ آمنا سامنا ہو لینے دیں۔" رائمہ بھی کھڑی ہوگئی۔

"پتا ہے رومی پانچ سال پہلے جب رومی نے اویس کو چنا تھا تب میں نے شدت سے دعا کی تھی کہ اب دوبارہ اس پر ایسا وقت کبھی نہ آئے لیکن شاید...... زندگی نام ہی فیصلوں کا ہے۔ مجھے لگ رہا ہے اس بار پھر رومی کو اسی دوراہے پر کھڑا ہونا پڑے گا۔" رائمہ آگے کو آئی۔ "اور اگر اس بار فیصلہ اویس کے حق میں نہ ہو تو؟"

"تو اویس کی قسمت، خوش ہونے کا اختیار سب کو ہے۔" رشنا نے نم آنکھوں کے گوشے صاف کیے۔

"لیکن اس بار فیصلہ یکطرفہ نہیں ہوگا۔ اس بار حقیقتاً رومی کو دونوں میں سے کسی ایک کو چننا ہوگا۔ ہم سعدین کو سب کچھ بتا نہیں سکتے۔ اگر وہ راضی ہوا تو رومی کی زندگی میں واپس آئے گا لیکن اگر وہ اپنی زندگی میں خوش ہوا تو پھر میں اسے کبھی یہاں نہیں آنے دوں گی۔" رشنا بول رہی تھی اور رائمہ چپ چاپ اسے سن رہی تھی۔

☆......☆

"آخر ہم یہاں کیوں کھڑے ہیں اندر کیوں نہیں جا رہے۔" آج رائمہ کے دیور کا ولیمہ تھا اور روشی اسے گیٹ پر ہی لیے کھڑی تھی۔

"اچھا چلتے ہیں صبر تو کر۔" روشی نے اسے گھرکا۔

"تو نے نہیں جانا تو نہ جا، میں تو جا رہی ہوں، ٹانگیں اکڑ گئی ہیں یہاں پاگلوں کی طرح کھڑے ہو ہو کر۔" رحمہ اس پر چڑھ دوڑی۔

"اچھا اچھا چلتے ہیں۔" رائمہ کوثر کے والوں کی گاڑیاں دیکھ کر حوصلہ ہوا۔

"اویس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔ میں نے جلدی واپس جانا ہے۔ روشی نے رکنا ہو تو رک جائے گی۔"

وہ ان دونوں کے پلان سے بے خبر کہہ رہی تھی۔

"میرا تو آج آنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا اویس نے زبردستی بھیجا ہے۔"

رشنا نے اسے دیکھ لیا تھا۔ اس کی وائٹ کلٹس تیسرے چوتھے نمبر پر آ کر رکی تھی۔

"اویس کو بھی ایک دفعہ بخار ہونے کی دیر ہے پھر جلدی اترتا ہی نہیں ہے۔" پانی کی بوتل منہ سے لگاتے ہوئے رحمہ کی نظر اس پر پڑی تھی۔ وہ گھونٹ لینا بھول گئی۔ وہ ہولے سے سر جھکا کے سلام کرتا ہوا پاس سے گزر گیا۔ رائمہ اور رشنا دونوں چپ کھڑی اسے ہی دیکھ رہی تھیں۔ رحمہ ساکت کھڑی تھی۔ بالکل خاموش بوتل نہ جانے کب کی ہاتھ سے پھسل چکی تھی۔ لرزتے لب، پانیوں سے لبریز آنکھیں اور جامد قدم، کتنی دعائیں کی تھیں کہ وہ اسے بھول جائے۔ کتنی دعائیں کی تھیں کہ وہ اب کبھی یاد نہ آئے۔ کبھی نظر نہ آئے لیکن...... ایک بھی قبول نہ ہوئی۔ وہ بھولا بھی نہیں اور نظر بھی آ گیا آنسو نہ جانے کب نکل آئے تھے۔

☆......☆

رشنا صوفے پر بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی جب اویس ہولے سے اس کے پاس آ کر بیٹھا۔ اسے پچھلے ایک

سے بخار تھا جو اترنے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔ رشنا اس کی اندر کو اتری ہوئی آنکھیں دیکھ کر رہ گئی۔

"رشنا! رحمہ نے کچھ بتایا ہے تجھے؟"

رشنا ایکدم چونکی۔ "نہیں تو کیوں؟"

اویس نے ایک لمبا سانس بھرا۔ "ایک دو دنوں سے بہت گم صم سی ہوگئی ہے۔ بہت چپ چپ۔"

رشنا دم بخود رہ گئی۔ رحمہ، اویس کا دل تھی۔ دل چپ ہو جائے اور بدن کو پتا نہ چلے ایسا ممکن تھا کیا؟

"رشنا تو اس سے پوچھنا کہ کیا مسئلہ ہے۔ مجھے شاید نہ بتائے۔" اویس اس کا سر تھپتھپاتے ہوئے باہر نکل گیا۔ رشنا کافی دیر یونہی چپ چاپ بیٹھی رہی پھر اوپر رحمہ کے کمرے کی طرف آ گئی۔ وہ چائے کا کپ لیے ٹیرس پر کھڑی تھی۔ رشنا دھیرے سے اس کے برابر میں جا کھڑی ہوئی۔ "اب کیا سوچا ہے تو نے؟" اس نے پوچھا۔ "کیا کرے گی اب؟"

رحمہ نے لمبی سانس لی۔ "وہی جو پانچ سال پہلے کیا تھا۔ پانچ سال پہلے بھی وہ صرف میری محبت تھا۔ نہیں اس کی نہیں پانچ سال پہلے بھی وہ صرف میری سوچ تھا۔ میرا خیال اور کچھ نہیں اور آج پانچ سال بعد بھی وہ صرف میرا خیال ہے اور کچھ نہیں پانچ سال پہلے بھی وہ کچھ نہیں جانتا تھا اور آج پانچ سال بعد بھی وہ بے خبر ہی ہے بالکل انجان ہے۔" رحمہ کی آواز بھرا گئی۔ "پانچ سال پہلے بھی میری محبت یکطرفہ تھی اور آج بھی یکطرفہ ہے۔ پانچ سال پہلے بھی اویس درست تھا اور آج بھی اویس ہی درست ہے۔ حقیقت ہے۔ میرا شوہر ہے۔" آنسو بہہ نکلے تھے "پانچ سال پہلے بھی میں غلط تھی اور آج بھی میں غلط ہوں تو بس دو کیا فیصلہ۔ وہی پانچ سال پہلے والا۔" اس نے ہاتھوں کی پشت سے آنسو رگڑ کر صاف کیے تھے۔

"لیکن آج اگر صورت حال تھوڑی سی بدل جائے......!" رشنا نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

"پانچ سال پہلے وہ بالکل انجان تھا۔ آج اگر سب پتا چل جائے تو؟"

رحمہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

"اور سب کچھ جان لینے کے بعد تیری طرف پلٹ آئے تو!"

رحمہ چپ تھی۔

"پانچ سال پہلے وہ صرف تیرا خیال تھا۔ آج اگر حقیقت بن جائے تو سچ ہو جائے تو!" رشنا اس کے فیصلے کو مشکل سے مشکل بنائے جا رہی تھی۔

"پانچ سال پہلے تو نے اویس کو اس لیے چن لیا کیونکہ چوائس میں اور کوئی تھا ہی نہیں لیکن آج اگر چوائس میں دونوں ہوں تو!"

رشنا کی باتوں کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔

"پیدائشی عقلمند یا بہادر کوئی بھی نہیں ہوتا رومی لیکن وقت ہر ایک کو بنا دیتا ہے میں نے اپنا وقت کاٹ لیا لیکن تجھ پر شاید آنے والا ہے۔ شاید تجھے ایک بار پھر چناؤ کرنا پڑے لیکن رومی فیصلہ وہ درست ہوتا ہے جس پر بعد میں پچھتانا نہ پڑے۔" رشنا کہہ کر پلٹ گئی تھی۔

☆......☆

اس دن رشنا کے کہنے پر رائمہ نے خصوصی فون کر کے سعدین کو بلوایا۔ ایک ہفتے بعد اس نے انگلینڈ واپس چلے جانا تھا۔ سعدین نے ان دونوں میں سے کسی کو بھی نہیں پہچانا اور رشنا نے زیادہ کوشش بھی نہ کی۔

Ridadigest.com

''خیریت ہے نا سب؟ اتنی ایمرجنسی کال!'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔
''ایک پرسنل سا سوال ہے آپ سے اگر برا نہ مانیں تو؟''
سعدین نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔
''آپ نے نادیہ کو کیوں چھوڑ دیا؟''
اس کے سوال پر سعدین سے زیادہ رائمہ دم بخود رہ گئی۔ یہ سوال تو پلان میں نہیں تھا۔
''میں نے نہیں چھوڑا، علیحدگی اس کی اپنی خواہش تھی۔'' وہ بولا، کپ نیچے رکھ دیا۔ ''میں اسے خوش نہیں رکھ سکا۔''
وہ دونوں حیران رہ گئیں۔
''میں آج تک کسی اور کو تو کیا خود اپنے آپ کو بھی وضاحت نہیں دے پایا۔ میں نے اسے کیوں چھوڑ دیا۔ میں اس کے حقوق پورے نہیں کر سکتا۔ بظاہر کسی کمی کے نہ ہوتے ہوئے بھی کوئی کمی سی تھی۔ کہیں نہ کہیں میری ذات میں کوئی خالی پن تھا جسے نادیہ بس ایک سال ہی برداشت کر سکی۔ میں اس کے قریب ہی نہیں جا پاتا تھا۔ کوئی شک نہیں کہ وہ میری پسند تھی۔ میری مرضی سے اس کی اور میری شادی ہوئی تھی لیکن......'' اس نے ایک لمبی سانس لی ''پتا نہیں کیا ہوا پھر۔ میں اس سے دور ہی ہوتا چلا گیا۔ میری بے اعتنائی زیادہ برداشت نہیں ہوئی اس سے۔ علیحدہ ہو گئی۔ وہ اب دو بچوں کی ماں ہے۔'' وہ ہولے سے ہنسا۔
وہ دونوں آنکھیں پھاڑے منہ کھولے دم بخود اس کی باتیں سن رہی تھیں۔
''میں کسی کو اپنا بنا ہی نہیں پاتا۔ ایک خلا سا محسوس ہوتا ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے کوئی ہے جو کسی اور کا ہونے ہی نہیں دیتی۔ خالی پن بڑھتا جا رہا ہے۔ مجھے سمجھ ہی نہیں آتی کہ اسے کیسے بھروں؟ کیا کروں؟''
کون کہتا ہے کہ محبت کمزور ہوتی ہے۔ وقتی ہوتی ہے۔ آہستہ آہستہ ختم ہو جاتی ہے۔ کون کہتا ہے آنسو رنگ نہیں لاتے۔ دعائیں عرش نہیں ہلاتیں؟ جو کہتا ہے ذرا دیکھے، ایک معصوم لڑکی کی محبت نے کیسے اسے پانچ سالوں سے جکڑا ہوا تھا۔ بنا کوئی جرم کیے بھی وہ قیدی تھا بے پناہ دعاؤں اور محبتوں کا۔
''کیا آپ کو یاد ہے یہ کون ہے؟'' گہری سانس بھرتے ہوئے رحمہ کی تصویر اس کے سامنے رکھی اور توقع کے عین مطابق سعدین نے نفی میں سر ہلا دیا۔
''کتنی حیرانی کی بات ہے نا، آپ کو یہ یاد بھی نہیں اور اسے پانچ سالوں میں ایک پل کے لیے بھی آپ بھولے نہیں۔''
سعدین اس کی بات سن کر حیران رہ گیا۔ ''سعدین ظفر گزرے پانچ سال گواہ ہیں اس کی محبتوں کی سچائیوں کے اس کے خالص اشکوں کے، لمبی لمبی دعاؤں کے۔ میں نے دیکھا ہے اس کا آپ کے لیے تڑپنا، بلکنا اور پاگل ہونا میں گواہ ہوں پانچ سالوں سے اس کی خالی آنکھوں کی جن میں آج تک اپنے شوہر کا نام نہیں سجا سکی یہ۔ اس کے خالی دل کی جس کے ہر کونے میں شاید آج بھی صرف آپ ہیں، صرف آپ۔''
اب کی بار آنکھیں پھاڑنے اور منہ کھولنے کی باری سعدین کی تھی۔ ''سعدین ظفر میں نے دیکھا ہے اس کا عشق، اس کی لگن، اس کے آنسو، اس کی دعائیں اور اس کا فیصلہ۔'' وہ لمبی سانس لیتے ہوئے پیچھے کو ڈھے گیا۔
''میرا خیال ہے خدا کو آپ دونوں پر ترس آ گیا ہے۔ آج رات ذرا تسلی سے سوچیے گا کہ یہ کون ہے اور

اسے یاد آ جائے اگر آپ اس کی طرف لوٹنا چاہیں تو رائمہ کو کال کر دیجیے گا لیکن یہ ضرور یاد رکھیے گا کہ اس کا ایک بے پناہ محبت کرنے والا شوہر اور دو بچے بھی ہیں۔'' رشنا کہتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔
''مس رشنا آپ مجھے بالکل نہیں جانتیں لیکن یقین کریں کہ میں کوئی برا انسان نہیں ہوں۔ اگر میرے ان کی زندگی میں واپس پلٹنے سے ان کی پچھلی اذیتوں اور دکھوں کا مداوا ہوتا ہے تو مجھے یہ سوچنے کی بھی ضرورت نہیں ہے کہ یہ کون ہیں؟'' وہ ایک بار پھر ان دونوں کو حیران کر گیا تھا۔ ''محبت گناہ تو نہیں ہوتی، اور انہوں نے کی تھی تو کم از کم ایک بار کہتیں تو سہی۔'' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔
''ایک بار مجھے بتاتیں تو سہی ہو سکتا ہے میں ویسا نہ ہوتا جیسا انہوں نے سوچا۔'' وہ کہتے ہوئے ان دونوں کے پاس سے گزر کر باہر نکل گیا۔
رشنا کو آج اندازہ ہوا کہ تانیہ کم از کم رحمہ سے زیادہ بہادر نکلی۔ اس نے اگر ارسلان سے محبت کی تو اسے کہنے کی ہمت بھی کی۔ رحمہ تو اتنا بھی نہ کر پائی۔
رائمہ آگے کو آئی تھی۔ ''روشی! اب کیا ہوگا؟'' اس نے پوچھا۔
''وہی جو پانچ سال پہلے ہوا تھا۔ فیصلہ پانچ سال پہلے بھی روحی نے کیا تھا اور اب بھی روحی خود ہی کرے گی۔ اس کا فیصلہ ہی شاید اب ان دونوں کو پرسکون کرے گا۔ لیکن ایک بات ہے روم! فیصلہ کرنا آسان نہیں ہوگا کیونکہ اب چناؤ ایک غلط اور ایک صحیح میں نہیں بلکہ دو صحیح لوگوں کے درمیان ہوگا۔'' رشنا بولی تھی۔

☆......☆

اویس کو چائے کا کپ دے کر رحمہ باہر لان میں آ گئی۔ کچھ دنوں سے تنہائی پھر سے اچھی لگنے لگی تھی۔ دسمبر کے دن تھے۔ اس نے ٹھہرے ہوئے نہ جانے لان کے کتنے چکر کاٹے تھے۔ جب رشنا اس کے پیچھے باہر آئی۔
''کبھی کبھی میں سوچتی ہوں روحی کے پانچ سال بہت ہوتے ہیں کسی کو بھلانے کے لیے اور کسی کا بن جانے کے لیے۔''
وہ ایکدم رکی تھی۔ ''تجھے کیا لگتا ہے میں نے اسے بھولنے کی کوشش نہیں کی؟ کی تھی روشی، بہت کی تھی مگر نہیں بھلا سکی۔'' وہ بولی۔
''مجھے صرف اتنا بتا دے کہ اگر اسے یوں راتوں کو رو رو کر بھلانا ہی تھا تو پہلے مانگا کیوں تھا؟ محبت کو رو رو کر بھلانا ہی تھا تو پہلے مانگا کیوں تھا؟ محبت کو بوجھ ہی بنانا تھا تو کی کیوں تھی۔'' رشنا کی آواز اونچی ہو گئی۔ رحمہ کے پاس جواب نہیں تھا۔ ''روحی برا نہ منائیں لیکن تیری آج جو حالت ہے اس کی تو خود ذمہ دار ہے۔ اگر اظہار کی ہمت نہیں تھی تو واقعی پھر تجھے محبت کرنی ہی نہیں چاہیے تھی۔ اگر کسی غیر مرد سے جا کر محبت کا اظہار کرنا نا روا تھا تو اس کا خیال بھی دل میں لانا غلط تھا۔ اسے سوچنا بھی غلط تھا۔ اسے بار بار دیکھنا بھی غلط تھا روحی۔''
رحمہ رو پڑی تھی۔ ''میں نے خود نہیں کی محبت، خود بخود ہو گئی۔''
رشنا نے گہری سانس لی۔ ''کوئی بھی خود نہیں کرتا روحی، یہ ہمیشہ خود بخود ہی ہوتی ہے اور جو لوگ اسے سہنے کی، پانے کی یا بتلانے کی ہمت نہیں کر پاتے، انہیں چاہیے کہ پھر اس کے بغیر جینا سیکھ لیں اور روحی تو آج تک یہ بھی نہ سیکھ سکی۔'' رحمہ چپ تھی۔ ''محبت جرم نہیں ہوتی پر تجھ جیسے لوگ اسے جرم بنا دیتے ہیں

روحی۔'' رشنا کہتے ہوئے اندر چلی گئی تھی۔

☆......☆

''بلایا تھا تم نے؟'' رشنا نے دروازے میں کھڑے ہو کر اویس سے پوچھا تھا۔ جواباً اس نے اثبات میں سر ہلایا۔

''آج اس کا بخار پھر تیز ہو گیا تھا۔'' رشنا اس کے پاس جا کر بیٹھ گئی۔

''کیا بات ہے؟'' وہ اویس کے زرد چہرے کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''تو نے پوچھا رحمہ سے کہ کیا بات ہے؟ کیا مسئلہ ہے اس کے ساتھ۔''

رشنا چند لمحے بول نہ سکی۔ ''اویس ہو سکتا ہے کہ کوئی بھی مسئلہ نہ ہو۔'' وہ بولی۔

جواباً اویس مسکرایا۔ ''رشنا وہ میری روح تک میں بسی ہوئی ہے۔ اس کی آنکھوں کے اشاروں پر میں نے اپنی سانسوں کو چلنا اور رکنا سکھایا ہے۔ اسے، اس سے زیادہ جانتا ہوں میں۔''

رشنا بول نہ سکی۔

''جانتی ہے میرا بخار کیوں نہیں جا رہا، کیونکہ میرا اب ٹھیک ہونے کو دل ہی نہیں کرتا۔ بہت زیادہ تھک گیا ہوں میں۔'' اویس کی آواز بھرا گئی۔

رشنا نے تڑپ کے اس کے دونوں ہاتھوں کو تھاما تھا۔

''پہلے دن سے میں اس کی آنکھوں میں اپنے نام کی جھلک تلاش رہا ہوں اور وہ جھلک مجھے آج بھی دکھائی نہیں دیتی۔ بہت یقین سے میں نے اس کے ساتھ سفر شروع کیا تھا کہ وہ میری بن جائے گی مگر میرا یقین ٹوٹنے لگا ہے اب۔ پانچ سالوں میں دل سے خوش نہیں ہوئی وہ اور جب وہ ہی خوش نہیں ہے تو کیا فائدہ...... بہت بار میں نے کوشش کی کہ اسے صرف اتنا کہہ دوں کہ رحمہ خوش نہیں ہو تو پلٹ جاؤ مگر مجھ میں ہمت ہی نہیں ہوئی۔ کیونکہ اگر وہ سچ مچ پلٹ گئی تو میں کیا کروں گا۔'' اویس آنسوؤں سے رو رہا تھا۔ رشنا اسے تسلی بھی نہ دے سکی۔ ''لیکن اب میں سوچتا ہوں کہ اگر اس نے میرے بغیر ہی لوٹ جانا چاہا تو......'' اس سے آگے شاید اویس میں کہنے کی بھی ہمت نہیں تھی۔

چند لمحوں بعد اس نے دونوں آنکھیں صاف کیں۔ ''تو بس ایک چھوٹا سا کام کر دے اگر اس سے بات ہو تو صرف اتنا کہہ دینا کہ اگر اس نے واپس پلٹنا ہو تو چپ چاپ پلٹ جائے اگر مجھ سے پوچھے گی تو میں کبھی ہاں نہیں کہہ پاؤں گا۔ کبھی نہیں۔''

رشنا دم بخود رہ گئی تھی۔ ''مجھے سعدین اور رحمہ کو نہیں ملوانا چاہیے تھا۔ اویس کی نازک حالت دیکھ کر اسے شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔

☆......☆

''اویس! بیماری خود بخود دور نہیں ہو جاتی۔ اسے دور بھگانا پڑتا ہے۔ کوشش کرو اس بخار سے لڑنے کی۔'' اویس کو دوا دے کر وہ اس کے پہلو میں آ کر لیٹی تھی۔

''رحمہ کیا واقعی لڑنے کی کوشش کرنی چاہیے؟''

اس کے سوال پر رحمہ چونک گئی۔ ''ہاں بالکل۔'' وہ بولی۔

''جیتنے کی کوئی امید نہ ہو تب بھی؟'' وہ بولا۔

''ہاں تب بھی کیونکہ بعد میں کم از کم یہ کسک نہیں ہوتی کہ لڑ لیتے تو شاید جیت جاتے۔'' رحمہ بولی۔

''اور شکست ہو جائے تو۔'' اویس نے اس کے چہرے پر انگلیاں پھیریں تھیں۔

''تو برداشت کرنا چاہیے۔'' وہ پھر بولی۔

''اور اگر لڑنے والا کمزور ہو، برداشت ہی نہ کر سکے تو۔'' اویس نے اسے ہولے سے قریب کیا۔

''اویس کیا ہو گیا ہے؟'' وہ گھبرا گئی۔

نہ جانے کیوں اویس کے آنسو نکل پڑے تھے۔ ''رحمہ اگر میں لڑنے کے باوجود ہار گیا تو؟ تو کیا ہو گا۔ اگر میں شکست برداشت نہ کر سکا تو۔''

رحمہ گھبرا گئی۔ ''اویس!'' اس نے اویس کا چہرہ تھاما تھا۔

''رحمہ میں پانچ سالوں سے لڑ رہا ہوں۔ جیتنے کی آس پر اور لڑ لڑ کے بہت تھک گیا ہوں۔ اب اگر میں ہار گیا تو برداشت نہیں کر پاؤں گا۔'' وہ اس کے کندھے سے لگا تھا۔ ''میں ہارنے لگا تو تم ساتھ دو گی نا میرا دو گی نا......'' اویس بچوں کی طرح اس کی آغوش میں چھپا رو رہا تھا۔ ''بولو دو گی نا۔'' اویس نے اس کے سینے میں منہ چھپایا تھا۔

''ہاں دوں گی اویس۔'' ہولے سے اس کے لبوں سے نکلا تھا۔

☆......☆

گرم کافی کا مگ لے کر وہ ٹیرس پر آ گیا۔ سرد راتوں میں گرم کافی کے ساتھ ماضی کی سیر کرنا کیسا لگتا ہے، کبھی کر کے دیکھیے گا پہلے گھونٹ کے ساتھ ہی وہ بہت پیچھے چلا گیا۔

ایک بے حد شفیق ماں ایک بے حد مشفق باپ۔ وہ اپنے والدین کی سات سال بعد پیدا ہونے والی اکلوتی اولاد تھا۔ سہانا اور بے فکر بچپن منہ سے نکلتے ہی خواہشات پوری ہو جانے والا بچپن کبھی نہ بھولنے والا بچپن۔

پھر پہلا قاعدہ، پہلا بستہ اور پہلا اسکول اس کے بعد زندگی جیسے زور و شور سے رواں دواں ہو گئی۔ اسکول، کالج، یونیورسٹی۔ ضیاء اس کا بہترین دوست اٹھارہ سال کی عمر میں ان دونوں کا ایک کار ایکسیڈنٹ ہوا جس میں اس نے ضیاء کو کھو دیا۔ آنکھیں بھیگ گئیں اور پھر یونیورسٹی۔ ایک نئی دنیا، ہاسٹل لائف کو آنٹم اس کا پہلا عشق جس کے پیچھے اس کا پورا ایک سمسٹر ضائع ہو گیا تھا۔ ایم فل میں وہ گولڈ میڈلسٹ تھا۔ اس کے بعد نادیہ سے منگنی پھر مہندی، نکاح اور لندن۔ وہ ایک دم ٹھٹھکا مگ آدھا خالی ہو گیا تھا۔ مہندی کی شام یہ تو وہاں آئی تھی اس نے ایک دم تصویر اٹھائی۔ ہاں یہ ہی تھی۔ اس شام آئی تھی یہ۔ وہ کافی پینا بھول گیا۔ ایک جھماکے سے اس کے ذہن کے پردے پر لہرائی تھی وہ لرزتے ہونٹ اور وحشت زدہ آنکھیں وہ کافی دیر تک نہیں بھلا پایا تھا اسے۔ اور پھر جیسے اس کا ذہن کھلتا چلا گیا۔ اسے پاگل کہا تھا میں نے یہ بھی کو آنٹم رکھ رہی تھی۔ اسے یکدم یاد آیا۔ اس کا جھومتے ہوئے اس کے گلے میں جھول جانا۔ پھر شرمندہ ہونا۔ سر دانیال کے آفس میں گم صم ہو جانا۔ اسے دیکھتے ہی غائب دماغ سا ہو جانا۔ یہ تو...... یہ تو فنکشن والی رات باہر تک آئی تھی۔ ہاں یہ تو تھی اور یہ مہندی والی شام بھی آئی تھی۔ نادیہ سے ملنے۔ لیکن کافی کا مگ ٹھنڈا ہو گیا۔ اوہ میرے خدا یہ نادیہ سے نہیں مجھ سے ملنے آئی تھی۔'' تصویر دیکھتے ہوئے وہ ایکدم صوفے پر گر گیا۔

''کاش مجھے ذرا سا بھی اندازہ ہوتا تو میں اپنی اور تمہاری زندگی یوں عذاب نہ ہونے دیتا۔ تم ایک بار

مجھ سے کہتیں تو سہی۔'' اس نے کہتے ہوئے سیل نکالا اور رائمہ کا نمبر ڈائل کیا۔

☆......☆

''روحی! میں رومی کی طرف جا رہی ہوں کچھ شاپنگ کرنی ہے اس نے دو گھنٹے تک تم فارغ ہو کر گارڈن آ جانا او کے۔'' وہ کچن میں تھی جب رشنا اسے کہتی ہوئی باہر نکل گئی۔

''گارڈن کیا کرنے جانا ہے؟'' وہ چلاتی رہ گئی مگر رشنا نکل چکی تھی۔

کام سے فارغ ہو کے وہ ہلکا پھلکا تیار ہو کر گارڈن پہنچ گئی۔ وہ دونوں کہیں بھی نہیں تھیں۔

''کہاں ہے تو؟'' اس نے جھلا کر رشنا کو فون کیا تھا۔

''جسٹ پانچ منٹ آ رہے ہیں۔'' رشنا نے اس کی سنے بغیر کال ڈس کنیکٹ کر دی۔

وہ نہ سمجھ سے انداز میں فون کو دیکھ کر رہ گئی۔ ابھی اس نے روش پر چار پانچ قدم ہی اٹھائے تھے کہ رحمہ ملک کروڑوں کے مجمع میں بھی وہ اس آواز کو پہچان لیتی تو اب تو پھر بھی آس پاس خاموشی تھی۔ قدم ایکدم تھم گئے۔ کتنی دعائیں کیں تھیں اس نے کہ یہ وقت اس پر کبھی نہ آئے مگر اس نے اپنے پیچھے قدموں کی آواز سنی تھی۔

اگر میں تم سے یہ کہہ دوں
کہ تنہا ہوں تمہارے بن
اکیلا ہوں تمہارے بن
تو کیا تم مان جاؤ گی

چھلکتی آنکھوں کانپتے ہاتھوں اور [illegible] کے ساتھ وہ پلٹی تھی۔ سعدین اس سے چند قدم دور کھڑا تھا۔ پچھلے پانچ سالوں کی بے چینیاں اور [illegible] یکدم اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئیں۔ کتنا پریشان ہوئی تھی وہ جب اسے محبت ہو گئی تھی۔ کتنا حیران [illegible] جب یہ پتا چلا تھا کہ محبت ہو گئی ہے۔ کتنی بے چین ہو گئی تھی وہ ان دنوں۔ کتنی پاگل ہو گئی تھی وہ ان دنوں۔

اگر تسلیم کر لوں کہ
رلایا تھا بہت تم کو
ستایا تھا بہت تم کو
جلایا تھا بہت تم کو

واقعی، کتنا روئی تھی وہ اس کے لیے کتنا تڑپی تھی وہ اس کے لیے۔ اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے پاگل ہو جاتی تھی وہ۔ مرنے والی ہو گئی تھی وہ جس شام اسے آخری بار دیکھ کر آئی تھی۔ خدا سے کتنا مانگا تھا اسے۔ سوالی بن کے مسافر بن کے۔ تہجد گزار بن کے آنسوؤں سے ہچکیوں سے مگر وہ نہیں ملا تھا۔

کبھی نہ پڑھ سکا تھا میں
تمہاری بولتی آنکھیں
کبھی نہ سن سکا تھا میں
تمہاری ان کہی باتیں
کبھی نہ سوچ پایا میں
تمہاری ان گنت یادیں

نہ کبھی محسوس کر پایا
تمہاری منتشر سانسیں

کتنی مشکل سے چنا تھا اس نے اویس کا ساتھ۔ گزرے پانچ سالوں کا ہر ہر لمحہ اسے بھولنے کی کوشش میں گزار دیا۔ اللہ سے کتنی دعائیں کیں کہ اب وہ دوبارہ نہ ملے۔ اب کبھی اس کی زندگی میں لوٹ کر نہ آئے۔ تہجد گزار بن کر، سوالی بن کر آنسوؤں سے مگر وہ لوٹ آیا تھا۔

اگر مانوں کہ پاگل تھا
کبھی تو دیکھ نہ پایا
تمہاری بے کراں چاہت
کبھی تو سن نہیں پایا
تمہارے پاؤں کی آہٹ

آج اسے سعدین کے سامنے کھڑے ہوئے اندازہ ہوا کہ کہنے والے ٹھیک ہی کہتے ہیں۔ ایک صحیح اور ایک غلط کے درمیان فیصلہ کرنا تو بہت آسان ہے۔ سبھی کر لیتے ہیں۔ لیکن اصل فیصلہ تو وہ تھا جو اسے اب کرنا تھا۔ دو [illegible] میں سے ایک چننا، زیادہ صحیح چننا۔

بہت نادان [illegible]
نہیں محسوس [illegible]
کہ مجھ کو دیکھ کر کیسے
تمہارا بے ریا چہرہ
یکدم کھل سا اٹھتا تھا
یونہی جب موڑ مڑتے ہی
میں یکدم آگے آتا تھا تو
تمہارے قدم اٹھنے سے
وہیں انکار کرتے تھے
نہیں محسوس کر پایا
کہ میرا نام سنتے ہی
کہ میرا ذکر آتے ہی
کیوں تم خاموش ہوتی تھیں

پانچ سال پہلے اویس صحیح تھا اور سعدین غلط۔ لیکن آج دونوں صحیح تھے اگر اویس پانچ سال سے سراپا وفا تھا تو سعدین بھی پانچ سالوں سے سراپا انتظار تھا اگر پانچ سالوں سے اس کے ساتھ رہنے والا سراپا محبت تھا تو چند دن پہلے لوٹ کر آنے والا سراپا پچھتاوا تھا ایک طرف اویس تھا جو اس کے بغیر رہ نہ پاتا۔ دوسری طرف سعدین تھا۔ جس کے بغیر شاید اب وہ نہ رہ پاتی۔

چلو میں مان لیتا ہوں
بہت ہی تب میں ظالم تھا

نہ تم کو دیکھتا تھا میں
نہ تم کو مانتا تھا میں
تمہیں چاہت کے رستوں پہ
اکیلا کر دیا تھا نہ
تنہا کر دیا تھا نہ

آج اسے فیصلہ کرنا تھا کہ اسے کیا بننا ہے۔ ''عائشہ'' جو واپس لوٹ آنے والے کی پکار پر لبیک کہہ کر اس کی طرف لوٹ گئیں۔ ہر بندھن توڑ کر ہر رشتہ مٹا کر یا پھر اسے ''ارم'' بننا ہے جو نہ واپس پلٹ سکیں اور نہ وفا کر سکیں جو دو کناروں کے درمیان پھنس کر رہ گئی۔ آج اسے فیصلہ کرنا تھا کہ اسے اویس کو چھوڑ جانا ہے یا سعدین کو اپنا لینا ہے۔ اویس کو چھوڑ کر سعدین والے کنارے پر چلے جانا ہے عائشہ کی طرح یا بیچ دریا معلق ہو جانا ہے ارم کی طرح۔

مگر اب جو میں کہہ دوں
تمہارا ساتھ نہ ما...
تمہاری بات نہ کر...
تمہاری آنکھ نہ پڑھ کر
کبھی بھی خوش نہیں تھا میں
میں تشنہ تھا تمہارے بن
میں اکیلا تھا تمہارے بن
بہت ترسا تمہارے بن
بہت تڑپا تمہارے بن

سعدین اس کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھا تھا۔ وہی دوراہا، وہی جگہ اور وہی وقت...... بس التجا کرنے والا بدل گیا تھا۔ التجا کرنے والا پانچ سال پہلے بھی سچا تھا اور آج پانچ سال بعد بھی سچا تھا تب بھی اس نے التجا کرنے والے کو چنا تھا اور آج......

چاہو تو قسم لے لو
نہ جی پایا تمہارے بن
نہ رہ پایا تمہارے بن
سنو گر اب یہ میں کہہ دوں
کہ لوٹا ہوں تمہاری اور
تمہارے پاس رہوں گا اب
تمہارے ساتھ رہوں گا اب
تو کیا تم مان جاؤ گی
یقین کر لو گی کیا میرا
کہ میں اب صرف تمہارا ہوں

سنو! کیا تم بھی کہہ دو گی
کہ تم اب صرف میری ہو
کہ تم اب صرف میری ہو

لرزتے ہونٹوں اور بہتی آنکھوں کے ساتھ نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ پیچھے کو ہوئی تھی، سعدین کھڑا ہو گیا۔

''میں تمہاری نہیں ہوں۔ نہ ہی تمہاری ہو سکتی ہوں۔'' وہ رو رہی تھی۔

''کیوں، کیوں نہیں ہو سکتی تم میری۔ میں وہی ہوں نا جسے بہت شدت سے چاہا تھا تم نے، جس کے سامنے پہلی نظر میں ہار گئی تھیں تم۔ جسے دیکھنے کے لیے تم صبح سات بجے ہی ڈپارٹمنٹ آ جایا کرتی تھیں۔ گھنٹوں بے مقصد کاریڈور میں پھرتی رہتی تھیں۔ مجھے دیکھ کر صبح اور مجھے سوچ کر شام ہوا کرتی تھی۔ تمہاری۔ تم نے CLT صرف اس لیے رکھی تھی کیونکہ میں نے کہا تھا۔ تم سر اعجاز جیسے شخص کے پاس صرف اس لیے آ گئی کیونکہ میں ان کے پاس تھا۔ ایم فل کے انتہائی مہنگے نوٹس تم صرف اس لیے لیتی تھیں کیونکہ ان پر میرا نام لکھا ہوتا تھا۔'' سعدین بولتے ہوئے اس کی طرف آیا۔ وہ درخت سے جا لگی۔ ''مجھے ہی دیکھ کر جیتی تھیں نا تم، پانچ سال سے میری ہی یادوں کے سہارے زندگی گزارتی آ رہی ہو نا۔'' سعدین کی سانسیں اس کا چہرہ جلانے لگی تھیں۔ ''تم نے تو مجھے طاق راتوں میں بھی مانگا تھا نا تمہاری تہجد کی دعا ہوں نہ میں۔ پھر کیوں نہیں بن سکتیں تم میری۔''

رحمہ نے آنکھیں بند کرتے ہوئے اسے سامنے سے ہٹایا تھا۔ ''ہاں مانگا تھا میں نے تمہیں طاق راتوں میں۔ جی رہی ہوں میں پانچ سالوں سے تمہاری یادوں کے سہارے، لیکن جب تمہیں چاہا تھا تب یہ پانچ سال نہیں تھے۔ تب صرف میری بے پناہ چاہت تھی، صرف تم تھے، میرا دل اور اس میں تم بس اور کچھ نہیں تھا لیکن آج بہت کچھ ہے سعدین۔'' وہ چلائی تھی۔ ''پانچ سال پہلے اگر میں طاق راتوں میں تمہیں مانگنے کی دعائیں کرتی تھی تو آج انہی طاق راتوں میں تمہیں بھولنے کی دعائیں بھی کرتی ہوں میں۔''

سعدین ہولے سے مسکرایا۔ ''اچھا تو پانچ سال بعد لوٹنے والے پیار کو صرف اس لیے ٹھکرا دو گی کہ درمیان میں پانچ سال حائل ہیں۔'' وہ بولا۔

''کاش یہ صرف پانچ سال ہوتے سعدین، مگر یہ صرف پانچ سال نہیں ہیں، یہ وعدے، اعتبار، مان، محبت، بھروسے، یقین اور خلوص کی دیواریں ہیں جو میرے سامنے کھڑی ہیں اور میں اتنی طاقت ور نہیں ہوں کہ ایک جھٹکے میں انہیں توڑ کر تمہاری ہو جاؤں۔'' وہ بولی۔

''تو میں لوٹ جاؤں واپس؟'' سعدین نے پوچھا۔

رحمہ نے دونوں ہاتھوں سے آنسو صاف کیے۔ ''میں ابھی تمہیں اس سوال کا جواب دے دوں گی مگر اس سے پہلے تم میرے صرف ایک سوال کا جواب دے دو۔ چند لمحوں کے لیے خود کو میری جگہ رکھو اور سمجھو کہ پانچ سال پہلے تم نے بہت شدت سے کسی کو چاہا تھا اپنا آپ بھلا کر۔ سارا جہان بھلا کر۔ صبح و شام اسے دیکھنا، صبح و شام اسے سوچنا، بس یہی کام تھا تمہارا۔ بالکل میری طرح۔ پھر تم نے اسے دعاؤں میں مانگنا شروع کر دیا۔ ہر سفر میں، ہر نماز میں، طاق راتوں میں بالکل میری طرح۔ لیکن تم اسے کہہ نہ سکے سعدین اور وہ تمہاری زندگی سے نکل گئی۔ تم بکھر گئے، رل گئے۔ بالکل میری طرح۔ پھر زمانے نے

تمہارے اوپر ترس کھایا۔ تمہارے شکستہ وجود کو تمہاری بیوی نے سہارا دیا۔ تمہارا ہر دکھ اس نے اپنا سمجھ کر لے لیا۔ تمہیں بے حد ٹوٹ کر چاہا۔ تم سے کبھی نہیں پوچھا کہ بیٹھے بیٹھے گم صم کیوں ہو جاتے ہو۔ تم سے کبھی سوال نہیں کیا کہ آخر تنہا راتوں میں کس کی یاد آتی ہے جو آنسو بہاتے ہو۔ تمہاری ہر بات کے آگے اپنی بات کو ختم کر دیا اس نے۔ تمہیں بیٹے جیسی نعمت دی۔ تمہیں بیٹی جیسی رحمت دی تمہاری زندگی کو خوشیوں سے بھر دیا لیکن پھر اچانک وہ لوٹ آئی جسے تم نے چاہا تھا۔ بالکل ایسے جیسے آج تم لوٹ آئے ہو۔ اس نے تمہیں پکارا بالکل ایسے جیسے تم مجھے پکار رہے ہو۔ تم نے انکار کیا تو اس نے تم سے پوچھا کہ کیا وہ واپس چلی جائے۔ بولو سعدین تم میری جگہ ہوتے تو کیا جواب دیتے اسے۔" وہ سعدین کی طرف پشت کیے آنسوؤں کے ساتھ بولے جا رہی تھی۔ "بتاؤ سعدین کہ کیا کہتے۔" وہ ایکدم سیدھی ہوئی تھی اور ٹھٹک گئی۔ سعدین اب وہاں نہیں تھا۔ اس نے حیرانی سے اِدھر اُدھر نظریں گھمائیں مگر وہ کہیں نظر نہ آیا۔ تبھی اس کے موبائل کی بپ بجی "کون" اس نے سیل کان سے لگایا تھا۔ "یہ ہوتا میرا جواب مسز رحمہ اویس۔" سعدین کی آواز ابھری تھی۔ وہ دم بخود رہ گئی۔ [illegible] فیصلہ ہو چکا تھا۔ "میں یقیناً یہ چاہتا کہ وہ میری زندگی سے ایسے غائب ہو جائے جیسے اب میں تمہاری زندگی [illegible] ہوں۔" رحمہ پاس رکھے بینچ پر گر سی گئی۔ "رحمہ میری اور تمہاری محبت یقیناً اتنی بے رحم نہیں ہے کہ ایک ہنستے بستے گھر کو اجاڑ دے۔ تم کہتی ہو نا کہ تم کمزور ہو، اپنے سامنے کھڑی رشتوں کی دیواریں نہیں توڑ سکتیں لو [illegible] کی نظر میں تم جیسی کمزور لڑکی ہی سب سے زیادہ بہادر ہے۔" رحمہ کی آنکھیں بہنا شروع ہو گئیں۔ "سمجھ لو کہ [illegible] منٹ جو میں نے تمہارے ساتھ گزارے کبھی تمہاری زندگی میں آئے ہی نہیں تھے۔ میں کبھی واپس [illegible] تھا۔ سمجھ لو کہ پانچ سال پہلے تم نے مجھے چاہا اور اظہار بھی کیا مگر میں نے انکار کر دیا اور اس کے بعد [illegible] کبھی نہیں ملا۔" رحمہ خاموش تھی۔ "جتنا رونا ہے آج یہیں سے رو کر جانا۔ کیونکہ میں کبھی نہیں چاہوں [illegible] مضبوط لڑکی میری یاد میں آنسو بہائے کبھی نہیں۔" سعدین نے کال ڈس کنیکٹ کی تھی اور رحمہ بینچ [illegible] پشت سے ٹیک لگا کر بلک بلک کر رو دی۔

سعدین چپ چاپ گارڈن سے نکلتا چلا گیا۔

عائشہ کا فیصلہ درست تھا شاید۔ جب محبت پلٹ کر پکارے اور رشتے پاؤں کی بیڑیاں بن جائیں تو ساری عمر ان بیڑیوں کے ساتھ جینے سے اچھا ہے کہ انہیں کاٹ کر واپس پلٹ جاؤ۔

ارم کا فیصلہ شاید بہتر تھا مگر اس نے شوہر کی وفا اور بچوں کی محبت تو جیت لی مگر باقی کی زندگی ستارہ کیمیکلز تک کا سفر بن کر رہ گئی۔

رحمہ کا فیصلہ شاید بہترین تھا۔ بعض اوقات رشتے محبت سے زیادہ معتبر ہوتے ہیں اور ان رشتوں کی خاطر محبت کو خالی ہاتھ لوٹانا پڑتا ہے۔

☆......☆

دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ دونوں ایکدم چونکی تھیں۔ سرخ آنکھوں کے ساتھ رحمہ اندر آئی تھی۔ وہ دونوں اسے دیکھ کر کھڑی ہو گئیں اس سے پہلے کہ وہ ان کی طرف بڑھتی اویس اوپر سے نیچے آیا تھا۔ رحمہ کا بھیگا چہرہ دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ رحمہ سیدھی اس کی طرف آئی۔ "کیا ہوا؟" اویس نے بمشکل پوچھا تھا۔

"اویس ایم سوری۔" رحمہ کی آواز بھرائی۔

"کس لیے؟" اویس بولا تھا اور رحمہ ایک بار پھر آنکھوں پر قابو نہ رکھ سکی۔ بولتی چلی گئی آنسوؤں کے

ساتھ۔ "اس لیے کہ شاید میں آج تک تمہاری نہیں بن پائی۔ تم سے محبت نہیں کر پائی۔ تمہارے پیار کا ذرا سا بھی حق ادا نہیں کر سکی۔ اویس میں مطمئن نہیں ہو پائی۔ صبر نہ کر پائی۔ تمہاری چاہتوں پر شکر نہ کر سکی۔ تمہاری محبتوں کو۔"

اویس اس کے لبوں کو یوں ہلکان ہوتے دیکھ نہ سکا۔ اس نے بہت نرمی سے اس کے دونوں لبوں کو خود میں مقید کیا تھا۔ رائمہ اور رشنا دونوں دم بخود کھڑی تھیں۔

"بس اتنا بتا دو کہ اب پیار کرو گی مجھ سے؟" اویس نے اسے رہا کرتے ہوئے پوچھا۔ رحمہ نے روتے ہوئے اثبات میں سر لایا تھا۔

"کتنا؟" اویس نے اس کے آنسو صاف کیے۔

"تم سے بھی زیادہ۔" رحمہ کہتے ہوئے اس کے بازوؤں میں سما گئی۔

اویس نے مسکراتے ہوئے اس کے گرد حصار بنایا تھا۔ ایک بار پھر روتے ہوئے رحمہ نے ان دونوں کی طرف دیکھا۔ "کمینیاں۔" وہ دونوں کھل کر مسکرائی تھیں۔

☆......☆

"ماما، پھپھو آپ کو بلا رہی ہیں۔" وہ کسی رشتے دار خاتون سے باتیں کر رہی تھی جب اس کی بیٹی نے آ کر بتایا۔

"آنٹی میں ابھی آتی ہوں۔" معذرت کرتی ہوئی وہ اسٹیج کے ایک طرف بنے برائیڈل روم میں آئی تھی۔

"کیا مصیبت ہے؟" وہ رشنا پر برسی۔

"کب آئے گی وہ کمینی بارات لے کر۔ اس [illegible] خارش ہو رہی ہے۔" رشنا بیزار بیٹھی تھی۔

"رشنا زیادہ ڈرامے نہ کر۔ پہلی بار نہیں پہنا ہے تو نے [illegible]۔ ابھی فون کیا تھا میں نے راستے میں ہیں بس آتے ہوں گے۔" ابھی رحمہ کی بات مکمل بھی نہیں ہوئی [illegible] دروازہ کھلا۔

"ماما، رائمہ آنٹی آ گئیں۔" رشنا کو گھورتے ہوئے وہ باہر نکل گئی۔

"جی ہاں! حیران مت ہوں۔ یہ میری رشنا طاہر کی ہی دوسری شادی ہو رہی ہے۔ رحمہ کا مسئلہ حل کرتے ہوئے نہ جانے کب رائمہ کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ میں بہت عقلمند ہوں اور میرے جیسی عقلمند لڑکی کے ہوتے ہوئے اس کا عقلمند بھائی آخر اکیلا کیوں رہے؟ بس اِدھر رحمہ کا مسئلہ حل ہوا اُدھر وہ محترمہ مٹھائی لے کر آ دھمکیں۔ میں ناں ناں کرتی رہ گئی اور اس کا صرف ایک جواب...... کمینی! سہیلیوں کو بھابی بنانا صرف تیرا کام نہیں ہے جی۔ مجھے بھی کرنا آتا ہے یہ کام۔ 41 بار وہ مجھے منانے آئی تھی۔ لیکن میں سر دانیال کی صرف ایک بات پر مان گئی۔

"اگر زندگی تمہیں ہرانے کی کوشش کرے تو تم بھی اسے ہرانے کی کوشش کرو اور بہترین کوشش۔ اسے جی کر دکھانا ہے۔"

دانیال کے سنگ رخصت ہوتے ہوئے میرے ذہن میں صرف یہ بات تھی کہ شاید میری وجہ سے عائشہ جب پلٹ کر رضا کو دیکھنا چاہیں تو انہیں اپنا فیصلہ غلط نہ لگے۔

......☆......

شازیہ مصطفیٰ عمران

زندگی، پھول، محبت، خوشبو

''تمہارے ضیاء بھائی تو اتنے غصے والے ہیں، بات بات پر ڈانٹتے رہتے ہیں، میں تو نہیں کر رہی یہ جاب۔'' درشہوار نے دس دن کی کہانی اسے سنا دی ایک تو وہ جاب پر رکھ ہی نہیں رہا تھا۔ دوسری طرف شکیل



احمد کے کہنے پر اسے مانتے ہی بنی تھی۔

''دوسری جگہ کرلو۔'' نیلوفر نے مشورہ دیا۔

''دوسری جگہ کی انکل کی طرف سے اجازت نہیں ہے تم جانتی ہی ہو۔'' دونوں بیڈ پر کمبل میں گھسی ہوئی بیٹھی تھیں۔ شہوار آج آفس بھی نہیں گئی تھی۔ سوچ لیا تھا شکیل احمد سے کہہ کر جاب سے ریزائن دے دے گی۔

''ضیاء بھائی کی کال آسکتی ہے تم آئی کیوں نہیں۔''

''وہ تو شکر ادا کر رہے ہوں گے جان چھوٹی۔'' شہوار کو ضیاء کی ایسی اکھڑ طبیعت سے چڑ ہی ہونے لگی تھی ہر وقت اسے سناتا ہی رہتا تھا۔

قسط نمبر22



''تم نے جاب بھی بمشکل دس دن کی ہے۔''
''اس دوران ہی کتنا میرا خون خشک ہوگیا ہے۔انکل آئیں گے تو میں صاف منع کردوں گی۔''
''شکر ہے تمہارا جاب کا ایڈونچر تو ختم ہوا۔''نیل فر نے مسکراتے اسے چھیڑا۔
''میں کہیں اور اپلائی کروں گی۔''وہ بھی بضد تھی۔
''ابو تمہیں کہیں اور کرنے ہی نہیں دیں گے۔''
''ہاں یہ تو ہے۔''درشہوار لب بھینچ کے رہ گئی۔
''ارے بچیوں چائے بناؤں۔''زبیدہ اندر آئی تھیں۔
''امی ہاں بنادیں۔''شہوار بولی۔
''خالہ! میرے لیے نہیں لائیے گا۔''نیل فر نے منع کردیا۔
''نیل فر تم اپنی پھپھو کے گھر سے جب سے آئی ہو کچھ کھوئی رہنے لگی ہو۔''درشہوار نے زبیدہ کے جانے کے بعد اس سے استفسار کیا۔
''نہیں تو۔''اس نے نفی کی۔
''نیل فر! میں تمہیں اچھی طرح جانتی ہوں تم ایسے ہی بلاوجہ تو کھوئی کھوئی نہیں رہتی ہو۔فہر بھائی نے تو کچھ نہیں کہہ دیا۔''وہ پوچھنے لگی۔
''فہر!''اس کے لبوں پر یہ نام آتے ہی جانے کیوں دھڑکنیں شور مچانے لگی تھیں جب سے آئی تھی فہر اس کے دل و دماغ پر چھایا ہوا تھا اس کی رعب و دبدبے والی محبت سے اسے ڈر لگ رہا تھا اس کی محبت اندر سے جھنجھوڑ رہی تھی۔
''ہاں فہر۔''درشہوار نے بھی جواب میں کہا۔
''درشہوار، وہ تو میرے پیچھے ہاتھ دھو کے پڑ گئے ہیں، مجھے نہیں پسند وہ شخص۔''اس نے نگاہ اِدھر اُدھر کی۔
''نہیں نیل فر! وہ تمہیں پسند آنے لگا ہے اسی لیے تم پریشان ہو۔ارے کیوں اتنا پریشان ہوتی ہو قبول کرو اس کی محبت بعد میں انجوائے کرنا دونوں کی شادی میں بھی کوئی پرابلم نہیں ہوگی۔''
''تم تو فضول ہانکا کرو۔''نیل فر کے دل میں فہر کی ہی گونج تھی۔
''ویسے بندہ اسمارٹ ڈیشنگ ہے جاب بھی زبردست ہے، تم سے ٹوٹ کے بلکہ لڑلڑ کے پیار کر رہا ہے، ارے ایسے بندے کی تو لڑکیاں خواہش کرتی ہیں۔''
''مجھے نہیں خواہش اور نہ مجھے شادی کرنا ہے میں یہاں سے ہی چلی جاؤں گی۔''
''تم ہارنے والوں میں سے کب سے ہوگئی ہو ارے حالات کا مقابلہ کرو۔''
''شہوار تم سمجھ نہیں رہی ہو اگر میں یہاں رہوں گی تو سب کے لیے ہی مسئلے رہیں گے ابو کی بیگم سے میں نے وعدہ کیا ہے میں انگلینڈ چلی جاؤں گی۔''
''انکل! تمہیں ہمیشہ کے لیے جانے نہیں دیں گے ارے تم یہاں رہتی رہو انگلینڈ اگر جانا ہے تو گھوم پھر کے آجاؤ کیونکہ تم ویسے بھی جانا چاہتی تھیں۔''
''میں اس وقت بھی صرف فہر سے بچ کے جانا چاہتی تھی تاکہ وہ میرا پیچھا چھوڑ دیں۔''اس نے تیز لہجے

ں بتایا۔زبیدہ چائے لے آئی تھیں۔دونوں خاموش ہوگئی تھیں۔
''بیٹا کافی دن سے بھیا نہیں آئے۔''زبیدہ نے شکیل احمد کی بابت دریافت کیا۔
''ابو کو میں نے ہی منع کیا تھا زیادہ سے زیادہ وہ اپنی فیملی کو ٹائم دیں اور میرے پاس آپ دونوں ہیں تو۔''نیل فر نے جھٹ بات بنائی۔
''پھر بھی بیٹا تمہیں تو اپنے باپ کی لگتی ہے انہیں آنا چاہیے ایسا نہیں کرو۔''زبیدہ خالہ نیل فر کی طبیعت کو جانتی تھیں وہ اپنی ذات سے کسی کو بھی تکلیف دینے والوں میں سے نہ تھی۔
''دل کو میں نے سمجھا لیا ہے میں تنہا ہی رہوں گی۔''لہجے کی افسردگی اور مایوسی اسے غمگین کر گئی تھی۔
''نیل فر، نیل فر تم تو رونے لگیں۔''درشہوار پریشان ہوگئی۔زبیدہ خالہ نے اسے اپنے گلے سے لگا لیا۔
''خالہ! میرے اپنے موجود ہیں مگر میں ان کے لیے اپنی نہیں بن سکتی میں نے کیا گناہ کیا ہے کیا قصور ہوا ہے جو میری ماں چھوڑ گئی۔''وہ رو رہی تھی۔
''اگر آپ لوگ میرے ساتھ نہ ہوتیں تو میں تو کب کی مرجاتی۔''
''نہ رو میری بچی میں تیری ماں ہوں انشاءاللہ تعالیٰ تمہاری زندگی میں بھی خوشیاں اور بہاریں آئیں گی ایسی مایوسی کی باتیں نہ کرو۔''وہ بھی رونے لگی تھیں۔
نیل فر نے سوچ لیا تھا قربانی دینے کے بعد ہی تو دل جیتے جاتے ہیں اسی لیے اس نے اپنے باپ کو بھی چھوڑ دیا وہ ایک ماں کو بیٹوں سے جدا نہیں کرسکتی کچھ لوگ دنیا میں صرف خوشیاں اور قربانیاں دینے آتے ہیں اور اسے بھی یہی کرنا تھا کسی سے کوئی جھگڑا نہیں کرنا تھا۔زبیدہ اسے سمجھاتی رہی تھیں اور درشہوار بھی اس کا دل بہلائے جارہی تھی کسی طرح تو وہ ریلیکس ہو وہ جانتی تھی شکیل احمد نہیں آرہے تھے اسی لیے وہ بہت حساس ہو رہی تھی۔

☆......☆

دس دن کا عرصہ بہت ہوتا ہے۔نیل فر چلی گئی تھی، گھر خالی خالی لگنے لگا تھا، زہرہ کو نیل فر کی عادت سی ہوگئی تھی۔کنول بھی دو دن رک کے چلی گئی تھیں مگر زہرہ کی بے چینی ختم نہیں ہو رہی تھی فہر کی باتیں اور نیل فر کا غصہ وہ سب انہوں نے سنا تھا فہر، نیل فر سے پہلے سے ملتا تھا مگر انہیں کسی کو بھی کیوں نہیں خبر ہوئی۔
وہ کسی لڑکی کا ذکر کرتا تھا، اس کا مطلب ہے وہ نیل فر تھی۔ایک دن وہ لڑکی کے بارے میں بتا بھی رہا تھا مگر زہرہ کسی کام سے اٹھ گئی تھیں وہ پھر بتا ہی نہیں سکا تھا۔ایسا کچھ تو تھا جو فہر منع کرتا تھا۔
''امی کیا ہوا بہت گہری سوچ میں ہیں۔''مہاد نے انہیں دیکھا جو ڈائننگ ہال میں بیٹھی تھیں۔
''ارے نہیں تو۔''وہ چونک گئی تھیں۔
''صاف نظر آرہا ہے آپ سوچ رہی ہیں ویسے کیا سوچ رہی ہیں۔''مہاد ان کا چہرہ جانچ رہا تھا۔
''جب سے نیل فر گئی ہے دل ہی نہیں لگ رہا گھر میں۔''انہوں نے کہا۔
''اوہ تو یہ بات ہے۔''اس نے ہونٹوں کو سیٹی کے انداز میں کیا اور بڑے صوفے پر ٹانگیں لمبی کرکے لیٹ گیا۔
''وہ بچی یہاں تھی تو رونق سی تھی چلی گئی ہے تو گھر ہی اداس لگ رہا ہے۔''

”اس کا بھی ایک حل ہے۔“ اس نے گویا ان کی سوچ کو حل کیا۔

”کیسا حل؟“ وہ سوالیہ انداز میں پوچھنے لگیں۔

”سمپل ہے آپ ان کا پروپوزل فہر بھائی کے لیے مانگ لیں۔“

فہر سیڑھیاں اتر کے نیچے ہی آرہا تھا سن کے گڑبڑا ہی گیا۔ زہرہ نے اس پر نگاہ ڈالی تو وہ خفیف سا ہو گیا۔

”یہ ممکن نہیں ہے۔“ انہوں نے سپاٹ انداز میں کہا۔

”بٹ وائے؟“ مہاد تو بضد ہو گیا کیوں انہوں نے ایسا کہا۔

”وہ بہت نازک مزاج کی حساس لڑکی ہے اور تمہارے بھائی کے ساتھ وہ نہیں چلے گی۔“

فہر تو سر کھجانے لگا، جب کہ زہرہ نے اس کی سب باتیں سن لی تھیں۔ وہ ان کے پیچھے پیچھے بھی دوڑا تھا حقیقت بتانے مگر وہ اس سے اس دن سے بات ہی نہیں کر رہی تھیں۔

”آپ نے ایسے کیسے کہہ دیا یقیناً آپ بھائی کی وجہ سے ایسا کہہ رہی ہیں۔ وہ کبھی نیل فر آپی کو پسند نہ کریں۔“

”شاید۔“ انہوں نے خفگی بھری نگاہ فہر پر ڈالی جو جاب سے آنے کے بعد سیدھا اوپر اپنے روم میں چلا گیا تھا۔

”بھائی ادھر آیئے امی کے سامنے۔“

”تم کیا بڑوں کی طرح رشتے طے کرنے لگے مجھے جو بہتر لگے گا وہ کروں گی جاؤ تم اپنے کلب جلدی آجانا کبھی دس بجا دو۔“ زہرہ نے اسے زبردستی سامنے سے اٹھایا اور مہاد پھر لب بھینچ کے رہ گیا۔

فہر کچن میں چلا گیا تھا، اسے بھوک لگ رہی تھی اب تو زہرہ شام میں آنے کے بعد اسے چائے پانی کا بھی نہیں پوچھ رہی تھیں اور اسے اپنی ماں کی یہ چپ مار رہی تھی۔

زہرہ نے دیکھا کافی تھکا تھکا لگ رہا تھا، ایزی سے پستئی کلر کے قمیض شلوار میں ملبوس اونچا لمبا فہر ہر جگہ ہی نمایاں ہوتا تھا انہیں فہر پر صرف اس لیے غصہ تھا اس نے ان سے یہ سب کیوں چھپا کے رکھا۔

وہ اٹھیں اور روم میں جانے لگیں فہر تیزی سے ان تک آیا۔

”امی پلیز! مجھ سے بات تو کریں غصہ کریں ڈانٹ لیں مگر کچھ تو کہیں۔“ وہ مجرموں کی طرح ان کے سامنے کھڑا ان کے ہاتھوں کو تھام کے روہانسی لہجے میں مخاطب تھا۔

انہوں نے اس پر نگاہ ڈالی اولاد تھی سمجھ نہیں آرہا تھا بھتیجی کا ساتھ دیں یا اولاد کی خواہش کو سر آنکھوں پر رکھیں۔

”کیا کہوں سب کچھ خود طے کر تو لیا ہے جا کے رشتہ بھی مانگ لو نیل فر کا۔“ انہوں نے غصے سے طنز کیا۔

”میں نے کچھ طے نہیں کیا نیل فر کبھی مجھ سے راضی ہی نہیں ہوئی۔“

”فہر! مجھے بتاؤ کب سے یہ سلسلہ چل رہا ہے اور وہ بچی تم سے اتنی نفرت کرتی ہے ایسا کیا کیا ہے کہ وہ تم سے نفرت کا اظہار ہی کیے گئی۔“ زہرہ سے پھر رہا نہیں گیا تو وہ سارے بند توڑ کے پھٹ ہی پڑیں۔

”میں نے کچھ بھی غلط نہیں کیا ہے۔“

”پھر وہ کیوں اتنا ناراض ہو رہی ہے بتاؤ ساری حقیقت۔“ فہر نے جواب میں انہیں شروع سے نیل فر

سے ملنا پھر اس کے گھر جانا کنول کے گھر زبردستی لانا پھر یہ ایکسیڈنٹ اس نے کچھ نہ چھپایا سب بتا دیا۔“

”کنول کو بھی خبر تھی اس نے بھی مجھے نہیں بتایا۔ اپنی امی کو تم دونوں بے وقوف بناتے رہے وہ لڑکی یہ تھی اور تم مجھے بے وقوف بنا رہے تھے۔“ شدت غم اور غصے سے ان کی کنپٹیاں سلگ ہی پڑی تھیں۔

”امی آپ سمجھنے کی کوشش تو کریں۔“ فہر ہڑبڑا گیا۔

”کیا سمجھنے کی کوشش کروں فہر پتا ہے تم نے مجھے اس لڑکی کے سامنے منہ دکھانے کا نہیں رکھا تم اسے تنگ کرتے رہے اور اس گھر میں تھی وہ جب بھی تم نے اسے پریشان کیا مجھے آخر پتا کیوں نہیں چلا اور اس لڑکی نے مجھ سے ایک بار بھی تمہاری شکایت نہیں کی۔“ انہیں بس رونا آرہا تھا۔

”اگر بھائی جان کو پتا چلا تو کیا ہوگا۔“

”امی! اس نے انہیں پہلے کبھی نہیں بتایا تو اب کیا بتائے گی۔“ فہر نادم اور شرمندہ تھا۔

”فہر! میں تو پتا نہیں کیا کیا نہ سوچے بیٹھی تھی کس منہ سے میں تمہارا رشتہ مانگوں گی وہ لڑکی تم سے ڈرتی ہے نفرت کرتی ہے سوائے تم نے اسے اذیت دینے کے کیا کیا ہے سوچو، اگر اللہ نہ کرے وہ مر جاتی تو ساری زندگی کا پچھتاوا تھا۔“ انہوں نے دل میں اللہ کا شکر ادا کیا نیل فر کی زندگی بچ گئی تھی۔

”امی! میرے ارادے اور نیت میں کبھی کھوٹ نہیں تھی اور نہ اب ہے میں سچے دل سے اس سے محبت کرتا ہوں مجھے کیا خبر تھی۔ وہ ماموں جان کی بیٹی ہوگی۔“

”فہر! میری سمجھ نہیں آرہا میں کیا کروں نیل فر سے معافیاں مانگوں یا تمہاری حمایت کروں۔“ وہ اپنے دکھتے سر کو تھام کے رہ گئی تھیں۔

”آپ کو کیا ضرورت پڑی ہے اس سے معافی مانگنے کی میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا ہے سچے جذبوں سے اسے چاہتا ہوں، آپ کو اندازہ بھی نہیں ہوگا جس وقت وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں تھی میرے جسم سے جان نکلی جا رہی تھی۔“ وہ انہیں افسردہ لہجے میں بتا رہا تھا۔

”وہ مجھے دیکھ کر بھاگی تھی۔ پیچھے ضیاء کی گاڑی تھی آپ یہ بھی تو دیکھیے اللہ کی قدرت وہ نیل فر کو سب سے ملانے کے اسباب بناتا گیا۔“

”لیکن فہر تمہارے لیے یہ بھی تو شرمندگی کا باعث ہے وہ کیا سوچتی ہوگی میں نے تمہاری ایسی تربیت کی تم اسے زبردستی اٹھائے کنول کے گھر لے گئے تمہیں نہیں خبر عزت کے معاملے میں لڑکیاں بہت حساس ہوتی ہیں اور یہ اس کے اندر شریف خاندان کا خون ہے جو وہ تمہاری حرکتوں کو برداشت کر گئی، وہ پہلے ہی اتنی دکھی ہے اور تم نے مزید کر دیا۔“

”میں بھی کیا کروں جب میرا دل ہی اس پر آیا ہے تو کیا کروں خدا گواہ ہے میں کبھی بھی غلط ارادوں سے اس کی طرف نہیں بڑھا۔“ وہ تو خود اتنا رنجور اور ملول ہو رہا تھا سمجھ نہیں آرہا تھا کہاں چھپ جائے۔

”وہ لڑکی جب سے اس گھر سے گئی ہے، کاٹ کھانے کو یہ گھر دوڑ رہا ہے ایسی اس نے اپنی عادت ڈال دی۔“

”پھر لے آیئے نا اسے اس گھر میں ہمیشہ کے لیے۔“ اپنی خواہش کا اظہار اس نے کر دیا۔

”ابھی بھائی کا معاملہ لٹکا ہوا ہے وہ بچوں کو چھوڑ کے اپنے بھائی کے پاس کینیڈا جا رہی ہیں نیل فر کو وہ قبول کر نہیں رہی ہیں۔ بھائی جان الگ پریشان ہیں وہ بیٹی کا خیال کریں یا بیوی کا۔“ انہیں اپنے بھائی کی

بھی فکر تھی۔
''امی! ماموں کو نیل فر کو قبول کر لینا چاہیے وہ بے ضرر سی لڑکی ان سے کچھ لینے تھوڑی آئی ہے۔''
''عورت بہت جیلسی فیل کرتی ہے۔ اگر اس کا شوہر دوسری عورت کو اس پر ترجیح دے اور بھائی نے تو خفیہ شادی کر لی اور بیٹی بھی ہے، بتاؤ بھابی کے لیے یہ شاک سے کم ہوگا۔'' وہ دونوں طرف کی سچویشن کو سمجھ رہی تھیں۔ بھتیجی کی بھی فکر تھی اور بھائی کے ہنستے بستے گھر کی بھی فکر تھی۔
''اس میں نیل فر کا تو کوئی تصور نہیں بلکہ وہ تو خود سزا کاٹ رہی ہے اپنے باپ کی اور ماں کی اس کا تو کوئی رشتہ بھی اپنا نہیں۔'' وہ بھی تیز لہجے میں بولا۔
''یہ کوئی نہیں دیکھتا اور بھابی تو اسے کیسے برداشت کریں گی ایک میں اس کی پھپھو ہوں میں تو برداشت کر لوں گی مگر بھابی کے لیے یہ ممکن نہیں ہوگا۔''
''پلیز امی! آپ اپنا ذہن پریشان نہ کریں آپ کو نیل فر کو میرے لیے مانگنا ہے۔''
''تمہارے جو جذبے ... رہی ہیں اس کے باوجود میں اس کے ساتھ یہ ظلم کروں۔'' نیل فر کا انہیں خیال ہی آئے جا رہا تھا جو ... کا مرقع تھی جو کبھی کوئی حرف شکایت نہ لائی۔ فہر کی حرکتوں کے باوجود بھی ذرا اس کے رویے میں تبدیلی نہ آئی تھی۔
''میں نے ایسا کیا کر دیا جو آپ یہ ظلم ... کر سکتی ہیں۔ ایک لڑکی کو چاہا ہے یہ میرے اختیار میں تو نہیں تھا مجھے اچانک سے اچھی لگی۔ وہ مجھے ... وہ اگر نفرت کرتی ہے تو کرتی رہے مگر مجھے اپنی محبت کی صداقت پر یقین ہے اس کی نفرت کو میری محبت ... دے گی۔'' لہجے میں وثوق یقین اور اعتماد تھا فہر پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں تھا۔
''چاہے وہ تم سے انکار کرتی رہے۔'' وہ اس کی ضدی طبیعت سے بھی باخوبی واقف تھیں۔
''ہاں میں ہار ماننے والوں میں سے نہیں ہوں۔'' وہ کھڑا ہو گیا
''امی! یاد رکھیے گا نیل فر کے علاوہ میں کسی اور لڑکی کو سوچنا تک ... ہوں۔''
''فہر! یہ کیا کہہ رہے ہو۔'' وہ تو سناٹے میں ہی آ گئیں۔
''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں اسے حاصل کر کے رہوں گا۔''
''نہ فہر ایسی کوئی ضد نہ باندھو جو تمہاری تباہی کا باعث ہو تم میری اولاد ہو اور وہ بھتیجی مجھے تم دونوں کا ہی بھلا دیکھنا ہے۔''
''ہم دونوں کا بھلا بھی ہے کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے بندھ جائیں تو بہتر ہے، کیونکہ وہ بے وقوف لڑکی اپنا نقصان کرتی رہے گی وہ یہاں سے صرف ماموں کے لیے جا رہی ہے تاکہ وہ خوش رہیں۔''
''کہاں جا رہی ہے؟'' زہرہ تو اچھل گئیں۔
''انگلینڈ اپنی خالہ کے پاس اور مجھے یقین ہے وہ کبھی واپس نہیں آئے گی امی آپ اس سے پہلے ہی ماموں جان سے بات کر لیں۔'' فہر کو تو نیل فر کو روکنے کی بھی بے تابی تھی وہ اس کی سوچوں اور خیالوں سے واقف تھا۔
''میری کچھ سمجھ نہیں آ رہا کنول کو کال کرو اور اسے بلاؤ۔'' وہ جیسے جھنجھلا اور کھسیا گئی تھیں۔
وہ پنجوں کے بل بیٹھا ہوا تھا ان کے آگے سے کھڑا ہو گیا کنول کو تو بتانا ضروری تھا امی کو سنبھال بھی وہی

تی تھیں۔
زہرہ اپنے روم میں چلی گئی تھیں رحمان علی کے آنے کا ٹائم تھا انہیں پھر اچنبھا ہو سکتا تھا ان کی ایسی حالت دیکھ کر۔

☆......☆

تین چار دن کی چھٹیاں اسے آفس کی کرنی پڑی تھیں۔ بخار نے اس کی سدھ بدھ ہی کھو دی تھی۔ آریکہ نے اس پر اتنی توجہ دی۔ حنین کو تو سب خواب سا لگ رہا تھا اس پر سرشاری بھی طاری ہو گئی تھی آریکہ اس کے جذبات کو سمجھنے لگی ہے لیکن ابھی تک بھی وہ اس سے اجنبیوں کی طرح فاصلوں پر رہ کر بات کرتی تھی اور رات کو بھی وہ بیڈ پر اس سے قدرے فاصلوں پر ہوتی تھی۔ حرا اسکول سے آئی تو اپنے روم میں اتنا بڑا گفٹ دیکھ کر وہ حیران ہی رہ گئی تھی۔ اس کی برتھ ڈے تھی اور آریکہ نے اس کی برتھ ڈے کو سیلیبریٹ کیا تھا حنین سب کو ڈنر پر لے جا رہا تھا ثمرہ کو بھی بلا لیا تھا۔
انیسہ نے منع کر دیا تھا وہ ویسے بھی بچوں کی گیدرنگ تھی۔
''ڈنر پر چلنا ہے کہاں؟'' حنین گاڑی ڈرائیو کرتا ہوا پوچھ رہا تھا۔
''آپ اپنی پسند کی جگہ ... لے کے چلیں۔'' حرا، ثمرہ اور آریکہ پیچھے بیٹھی تھیں جب کہ حنین فرنٹ سیٹ پر تھا۔
''اوکے۔'' حنین نے اپنے پسندیدہ ریسٹورنٹ کے آگے گاڑی روکی تھی۔
وہ سب خوب چہکتے ہوئے چل رہے تھے آریکہ بھی گرین پرنٹڈ خوب صورت سے ڈریس پر بڑی سی چادر میں خود کو سموئے اس کے ساتھ والی چیئر پر بیٹھی تھی۔
حنین نے سب کی ہی پسند کی ڈشز منگوائی تھیں واپسی پر آئس کریم بھی دلوائی تھی گھر کے راستے پر جا رہے تھے کہ ایک اسٹاپ پر کئی چھوٹے بڑے بچے ہار پھول لیے کھڑے تھے۔ حنین نے گجرے اور کنگن آریکہ کو لے کے دیئے۔ وہ تو حیران رہ گئی اور پھر حرا اسے چھیڑنے ہی جا رہی تھی۔
''تمہاری برتھ ڈے یادگار ہو گئی۔'' ثمرہ نے جاتے جاتے کہا۔
''میری تو کبھی برتھ ڈے پر ایسی سلیبریشن نہیں ہوئی یہ سب بھابی نے کیا ہے مجھے اتنی خوشی ہے کہ میں بتا نہیں سکتی۔'' اسے گفٹ بھی ملے تھے وہ بہت خوش تھی۔
آریکہ کو یہ خوشی تھی کہ حرا خوش ہو گئی تھی۔
''بھائی کی برتھ ڈے بھی تو آئے گی۔''
''جی نہیں مجھے معاف رکھو میں کوئی برتھ ڈے نہیں مناتا۔'' اس نے جھٹ حرا کے کہنے پر کہا۔
''آپ تو بدذوق ہیں۔''
''آ گئی ہیں نا تمہاری ذوق والی۔'' وہ آریکہ پر نگاہ ڈالتا ہوا اپنے روم کی سمت بڑھ گیا تھا۔
آریکہ کے ہاتھوں میں کنگن بہت خوب صورت لگ رہے تھے مگر حنین کے چہرے سے خفگی عیاں تھی۔
ثمرہ ان سب کو خدا حافظ کہہ کر چلی گئی تھی اور حرا بھی اپنے روم میں چلی گئی تھی۔ انیسہ عشاء کی نماز کے بعد تسبیح پڑھ رہی تھیں آریکہ ان سے مل کے پھر روم میں آئی۔
حنین چینج کر کے لیٹ گیا تھا۔ آریکہ کی جیسے ہی آمد ہوئی پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو ماحول کو خمار آلود

بنانے لگی تھی۔ اسے اپنی شادی کی پہلی رات یاد آ گئی جب بھی پھولوں کی کتنی خوشبو تھی اور اس پر جذبات کا خمار مگر وہ سب بھی دھرا کا دھرا رہ گیا۔ آریکہ نے ایک نظر اس پر ڈالی جو اسے ہی بغور دیکھ رہا تھا۔

"تمہارے ہاتھوں میں پھول بہت اچھے لگ رہے ہیں۔" پہلی تعریف تھی، جو آریکہ کو تو حیران کر گئی۔

وہ جھینپ گئی۔

"شکریہ۔"

"تمہیں کنگن پھول پسند ہیں؟"

"ہوں۔" اس نے سر ہلایا۔

"پھر ٹھیک ہے روز لے کر آیا کروں گا۔" وہ مسکرا کے بولا تھا۔

آریکہ کو اس کے لب و لہجے کی لگاوٹ بہت اچھی لگ رہی تھی۔

"نہیں روز لانے کی ضرورت نہیں۔" وہ جھٹ بولی۔

"کیوں؟" وہ سوالیہ انداز میں پوچھنے لگا۔

"آپ کے پیسے خرچ ہوں گے۔" حنین نے زوردار قہقہہ لگایا۔

وہ اسے تیکھے چتون سے دیکھنے لگی جیسے حنین کا قہقہہ ناگوار گزرا ہو۔

"یہ قہقہہ کس لیے؟" وہ برا مان گئی۔

"تمہارا میاں اب ایسا بھی کنگال نہیں کہ روز نہیں لا سکتا۔"

"میں تو اس لیے کہہ رہی تھی سب کے سامنے پہننے سے شرم آئے گی، روز روز اچھا بھی نہیں لگے گا۔" اس نے وضاحت دی۔

"میرے لیے روز روز میرے بیڈروم میں پہننا۔" خمار آلود لہجے میں گویا ہوا۔

آریکہ تو حیرت و انبساط میں ڈوب گئی، حنین کی آنکھوں تک سے پریم ٹپک رہا تھا، اس کی بصارت اور سماعت جیسے یقین ہی نہیں کر رہی تھی اور پھر اس نے حنین کو محبت و لگاوٹ سے جیتا تھا۔ طنز سے تو دوریاں ہی جنم لے رہی تھیں جو کچھ بھی پہلے گزر چکا تھا اسے بھولنا ہی تھا حنین کی ہر اس بات کو اگنور کرنا تھا جو اسے ناگوار گزری تھیں۔

"سوچ لیں آپ کے کام خراب نہ ہو جائیں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی طنز نکلا۔

"کام خراب تو ہوتے ہی ہیں۔ تمہارا بھی فرض ہے میرے کام خراب نہ ہوں، ایسی حرکت ہی کیوں کرتی ہو۔" وہ شکایتی لہجے میں بولا۔

آریکہ ڈریسنگ ٹیبل کے مرر کے آگے کھڑی کنگن جیولری اتار رہی تھی اس کی حیاء سے نگاہ جھک گئی۔

"میں نے تو ایسا کچھ بھی کیا ہی نہیں آپ ہی مجھے منحوس کہتے تھے۔"

"پلیز آریکہ! وہ سب مذاق تھا۔" حنین شرمندہ ہو گیا۔

"اچھا خیر چھوڑیے آپ عشاء کی نماز پڑھیں گے یا نہیں۔" اس نے رخ ہی بدل دیا۔

"ہاں نماز تو پڑھوں گا۔" وہ بیڈ سے کھڑا ہو گیا۔

آریکہ کو سب سے زیادہ اس کی خوشی تھی حنین پابندی سے نماز پڑھنے لگا تھا۔

دونوں نے نماز پڑھی اور پھر حنین کو نیند آنے لگی۔ تو وہ بیڈ پر لیٹ گیا جب تک وہ بھی فارغ ہو گئی۔

"تمہارا تھینکس۔" وہ اس کے پہلو میں جیسے ہی آ کے لیٹی وہ گویا ہوا۔

"تھینکس کس لیے۔" وہ سمجھی نہیں۔

"حرا کو اتنی اچھی سرپرائز پارٹی دینے کا ایسا تو میرے بھی کبھی ذہن میں نہیں آیا۔" وہ مسکرا کے بولا۔

"حرا کو میں چاہتی ہوں ہر وہ خوشی ملے جو وہ چاہتی ہے۔" وہ بھی مسکرائی۔

"حرا تو یہ بھی چاہتی ہے جلدی سے وہ پھپھو بن جائے۔" وہ معنی خیزی سے شرارتی انداز میں بولا۔

آریکہ کے شرم سے غازے سرخ پڑ گئے۔

"یہ تو اوپر والے کو پتا ہو گا۔" وہ کروٹ لے کے لیٹ گئی۔

"تمہیں نیند آ رہی ہے۔" اس نے لائٹ آف کر دی۔ حنین کو اتنی تو تسلی ہو گئی تھی وہ پہلے سے اس کے معاملے میں نرم ہو گئی تھی اس کا خیال بھی رکھنے لگی مگر اس کی یہی کوشش تھی پہلے آریکہ کی بدگمانی دور ہو جائے جو وہ اس سے ابھی تک گریز رکھے ہوئے تھی فاصلوں پر ہو کے اس سے مخاطب ہوتی تھی۔

حنین کو احساس تھا اس نے کچھ زیادہ ہی اس کے ساتھ زیادتی کی تھی اسے خود سے دور اس نے خود ہی کیا تھا اور اگر اس سے اب محبت و پیار کی باتیں کرتا ہے تو وہ سب بناوٹ ہی سمجھتی ہے۔

"آریکہ! میں تمہاری یہ بدگمانی دور کر کے رہوں گا میں تمہارے ایسے لیے دیے سرد رویے کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔ میں نے تم سے محبت کی ہے اور چاہتا ہوں تمہیں اپنی محبت اور چاہت کا احساس ضرور دوں گا۔" وہ اس کی پشت کو ملگجی نیلی روشنی میں دیکھ رہا تھا۔

"جی آپ کچھ کہہ رہے ہیں؟" آریکہ کو شاید اس کی آواز محسوس ہوئی تھی۔

"نن..... نہیں تو۔" وہ گڑبڑا گیا۔

آریکہ خاموش ہی رہی مگر اس کی سماعتوں نے حنین کے الفاظ باخوبی سن لیے تھے وہ سمجھ رہا تھا وہ سو گئی ہے یا پھر اسے احساس نہیں تھا کہ وہ بول بول کے سوچ رہا ہے۔

"حنین میری بدگمانی تو پہلے ہی دور ہو گئی ہے میں نے جب سے آپ کو مثبت انداز میں سوچا ہے میں بھی آپ سے بہت محبت کرتی ہوں مگر چاہت کا اقرار مجھے آپ سے سننا ہے۔" وہ بھی آنکھیں بند کیے سوچ کے مسکرا رہی تھی۔

"میرے لیے یہی کافی ہے آپ مجھے چاہتے ہیں۔" اس نے حنین کو سوچنا شروع کر دیا تھا اس کی معنی خیزیاں جب اس پر عیاں تھیں اور آج کی خواہش پر وہ تو شرم سے سرخ پڑ گئی تھی۔

☆......☆

شہزیل نے نگہت اور نوید احمد کو اپنی ساری کہانی سنا دی تھی اور اپنے رشتے کا بھی بتا دیا تھا۔ نگہت باقاعدہ ماہا کے لیے شگن لے کے جانا چاہ رہی تھیں مگر ابھی شہزیل نے روک دیا تھا کیونکہ ماہا اس کے سامنے ہی نہیں آ رہی تھی اور نہ ہی کال ریسیو کر رہی تھی شہزیل کو تشویش بھی ہو رہی تھی وہ ایسا روڈ رویہ کیوں رکھ رہی تھی۔

وہ چلا آیا تھا سب نے ہی اسے ڈھیروں دعائیں دی تھیں، صنوبر بھی چلی گئی تھی۔ ماہا کا ملنا بھی مشکل تھا اس نے اپنی نگاہیں ثناء کو ڈھونڈنے میں دوڑائیں۔

"ثناء! یہ ماہا کدھر ہیں۔"

ثناء جوس بنا رہی تھی شہزیل کے پوچھنے پر بلینڈر مشین کو روک کے بولی۔
''یونیورسٹی تو ان کا ختم ہی ہے ہوسکتا ہے اپنے روم میں ہوں۔''
''ہوں۔'' شہزیل بلیک پینٹ پر آف وائٹ ٹی شرٹ میں ملبوس سر ہلاتا ہوا ہال کمرے سے نکل گیا۔
''آپ تو ایسے گئے ادھر کا رستہ ہی بھول گئے۔'' شیراز نے اسے دیکھ کر ہانک لگائی وہ تو جھینپ ہی گیا۔
''وہ یار! کیا ہے اتنے عرصے بعد میرے گھر والے ملے ہیں تو کچھ ان کی سنی کچھ اپنی سنائی تھی اسی لیے میں آ نہیں سکا۔'' شہزیل کا لہجہ خاصا شوخ ہو گیا تھا ایسا لگ رہا تھا اس کی زندگی میں بہار آ گئی ہو۔
''ٹریٹ کب ملے گی؟''
''ملے گی، ملے گی ضرور ملے گی تھوڑا انتظار کرنا پڑے گا۔''
''ارے شہزیل بیٹا کیسے ہو۔'' رخشندہ نے اسے دیکھا۔
''السلام علیکم!'' اس نے انہیں مودب انداز میں سلام کیا۔
''جیتے رہو خوش رہو ہم تو آج تمہاری طرف آنے والے تھے۔'' ان کا ارادہ شہیر کا پرپوزل رمشہ کے لئے لے جانے کا تھا۔
''آجایئے نا امی اور ابو بہت خوش ہوں گے۔''
''بھئی ہم تو مٹھائی لے کے خاص مقصد سے آئیں گے۔'' رخشندہ نے مسکرا کے کہا۔
''میں سمجھا نہیں۔'' شہزیل کے واقعی کچھ سمجھ نہیں آیا۔
''رات میں آئیں گے تو سب سمجھ آجائے گا۔''
''اچھا آنٹی! میں اپنے کمرے سے کچھ چیزیں لینے آیا ہوں۔'' اس نے بتایا۔
''ارے اس میں بتانے کی کیا ضرورت ہے تمہارا گھر ہے جب دل کرے آؤ اور جاؤ۔'' وہ اس کے شانے پر تھپکی دے کے بولی تھیں۔
شیراز بھی اسے دیکھ کر مسکرا رہا تھا شہزیل لمبے لمبے قدموں سے زینہ پھلانگ گیا تھا۔
نیچے بھی طائرانہ نگاہ دوڑائی آس پاس کوئی ہے تو نہیں وہ ماہا کے روم میں جا رہا تھا۔
دروازے پر ناک کی۔
''کون ہے آجاؤ۔'' ماہا کی آواز آئی وہ سمجھی ثناء ہوگی شہزیل ڈارک گرے پینٹ پر آف وائٹ کلف لگی باریک چیک کی شرٹ میں آستینوں کو فولڈ کیے مسکراہٹ لئے کھڑا تھا ماہا تو حیرانگی کے سمندر میں غوطہ زن ہو گئی۔
''کہیے کیسی ہیں۔'' وہ خلاف معمول شوخ لہجے میں اس سے مخاطب تھا۔
''ٹھیک ہوں اور خیریت ادھر کیسے آگئے۔'' اس نے الٹا سوال ناگواری سے داغ دیا۔
''خیریت تو مجھے آپ کی نہیں لگ رہی تھی سین سے ایک دم غائب کیسے ہو گئیں، بھئی اتنا بڑا معرکہ مار لیا تھ تو حیران کر دیا میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا آپ اور اتنی سمجھدار میرے لیے یہ سب کچھ کیا مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا۔'' شہزیل بول رہا تھا۔
اور وہ اسے چتون تیکھے کیے بغور سننے کے بعد گویا ہوئی۔
''اب تو یقین آ گیا میں ہر وقت بچی بنی رہنے والی اتنی بڑی کیسے ہو گئی۔'' طنز سے باز نہ آئی۔

شہزیل خفیف سا ہو گیا۔
''کس کام سے آئے ہو میں بزی ہوں۔'' اس نے خود کو مصروف ظاہر کر کے کہا اور کمپیوٹر کے پاس رکھی بکس کو الٹ پلٹ کرنے لگی۔
''مجھے بھی پتا ہے آپ کتنی بزی ہیں۔'' وہ اس کی خفگی اور ناراضی کو سمجھ رہا تھا اور بڑی جانچتی اور تفتیشی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اس کے قریب آ گیا۔
''آپ اتنا روڈ کیوں ہو رہی ہیں میں مسلسل آپ کو کالز کر رہا تھا آپ نے سیل کیوں آف کیا ہوا ہے۔''
''روڈ میں نہیں ہمیشہ تم ہوتے ہو آج تمہارے گھر والے مل گئے تو تمہاری ٹیون بدل گئی لہجہ تک بدل گیا۔'' جتنا ہو سکتا تھا وہ اسے سنا کے اپنے دل کا غبار نکال رہی تھی۔
''میرے گھر والے بھی آپ کی بدولت ملے ہیں مجھے تو اس کا خیال ہی نہیں آیا کہ میں بھی ایسے ڈھونڈ سکتا تھا مگر مجھے بہت خوشی ہوئی آپ میرے لیے اتنا فکر مند رہتی تھیں۔'' اسے ماہا نے حیران ہی کر دیا تھا مگر اس دن کے بعد سے وہ رابطے میں ہی نہیں آ رہی تھی وہ اس کی ناراضی خفگی سب جانتا تھا۔
''میں تمہارے لیے ہی نہیں سب کے لیے فکر مند ہوتی ہوں خیر بہت بہت مبارک ہو تم اپنے گھر والوں سے مل گئے۔''
''شکریہ۔'' وہ مسکرایا۔
ماہا کے چہرے پر دنیا جہاں کی سنجیدگی تھی وہ اسے دیکھنے تک سے گریز کر رہی تھی۔
''تم ہر رشتے سے آزاد ہو میں تمہیں آزاد کرتی ہوں۔''
''کون سے رشتے سے؟'' وہ انجان بنا۔
''شہزیل! انجان بننے کی ضرورت نہیں ہے میں صاف بات کرنے کی قائل ہوں اور پاپا سے بھی کہہ دیا تھا پہلے ہی تم سے زبردستی نہ کی جائے مجھے تم پر مسلط نہ کیا جائے۔''
''ماہا یہ آپ کہہ رہی ہیں۔'' وہ تو گھبرا گیا۔
''میں جو کہہ رہی ہوں تم ٹھیک سمجھ رہے ہو تمہیں اختیار ہے اپنی پسند کی کسی بھی لڑکی سے شادی کرو۔''
ماہا نے یہ بھی دل پر پتھر رکھ کے کہا تھا جب کہ دل تو اسے ہی پکار رہا تھا۔
''ماہا آپ ایسا کچھ سوچ بھی کیوں رہی ہیں میری امی آپ کا باقاعدہ رشتہ لے کے آنا چاہ رہی ہیں اور وہ منگنی کی رسم بھی کریں گی۔''
''پلیز شہزیل! ایسا کچھ نہیں کرنا۔ میں نہیں کر سکتی تم سے شادی۔'' اس کی آواز بھرا گئی تھی۔
''کیوں آخر؟''
''اس لیے کہ میں بچی بنی رہتی ہوں کہاں کسی چیز کو سیریس لیتی ہوں تمہارے دل میں جب میرے لیے کوئی احساس ہی نہیں تو کیا فائدہ رشتہ بنانے کا۔''
شہزیل تو ہکا بکا رہ گیا، اس نے کیا کچھ خود سے اخذ کر لیا تھا مگر پھر خود کو سنبھالا کیونکہ ماہا کو سنبھالنے کے لیے اسے بھی سمجھداری دکھانی تھی اب تو وقت آیا تھا اپنے جذبے اس پر آشکار کرنے کا اور وہ بدک گئی تھی۔
''یہ تو حد سے زیادہ بدظن ہو گئی ہے کچھ تو کرنا ہے کہ یہ قابو آ جائے۔'' وہ سوچنے لگا۔

''ٹھیک ہے کیا فائدہ رشتہ بنانے کا آپ نے میری مشکل آسان کر دی میں پہلے ہی کب خوش تھا۔''
ماہا کے تو آگ لگ گئی دانت پیس کے رہ گئی۔
''پھر یہاں کیوں کھڑے ہو، جاؤ۔'' وہ چیخی۔
''مگر ایک مسئلہ ہے۔'' وہ چہرہ معصوم بنا کے بولا۔
''کیسا مسئلہ؟'' دل تو پہلے ہی جل رہا تھا اس کی دل جلانے والی باتوں سے۔
''میری امی تو رشتہ لے کے آنا چاہ رہی ہیں میں ان کا دل نہیں توڑ سکتا۔ پلیز میری امی کی خاطر آپ چپ کر کے منگنی کی رسم کروالیں کیونکہ امی اور ابو کو شاک لگے گا میں سہولت سے انہیں منع کر کے سمجھا لوں گا انہیں اچانک سے خوشی ملی ہے اور یوں اچانک سب ختم ہو گا تو ٹھیک نہیں رہے گا۔''
''کیا منگنی کروالوں، ایسے کیسے؟'' وہ تو مشتعل ہو گئی۔
''ماہا پلیز! چند دن کے لئے پھر میں انہیں اپنی پسند کی لڑکی بتا کے یہ رشتہ ختم کروالوں گا۔''
''تم نے میرا تماشا بنانا ہے اور میرے گھر والے کیا سوچیں گے۔''
''کچھ نہیں سوچیں گے آپ تو ویسے بھی ہنگامے کرنے میں ماہر ہیں ہنگامہ کر دیجئے گا مجھے شہزیل پسند نہیں۔'' وہ اسے تپانے اور سلگانے کے حربے آزما رہا تھا۔
''شٹ اپ تم نے آخر مجھے سمجھ کیا رکھا ہے جاؤ یہاں سے۔'' وہ دہاڑی تھی۔
شہزیل کو اس کی حالت پر ہنسی آ رہی تھی۔
''تمہیں جب کوئی لڑکی پسند تھی تو پاپا سے کہا کیوں نہیں۔''
''کیسے کہتا احسانوں کا بوجھ بھی تو اتارنا تھا۔'' وہ سینے پر بازو رکھے ریٹ کلر کے پرنٹڈ کپڑوں میں اس کی شعلہ جوالہ بنی صورت دیکھ کے محظوظ ہو رہا تھا۔
''پاپا سے میں نے پہلے ہی کہا تھا تم احسانوں کا بدلہ ہی اتارنا جانتے ہو۔'' آنکھوں میں اس کے نمی در آئی تھی۔
''آپ کا تو اتنا بڑا احسان ہے مجھ پر میرے گھر والوں کو ملا دیا میری سمجھ نہیں آ رہا کیسے اتاروں۔''
''مجھے تمہارے احسان اتارنے سے کوئی مطلب نہیں اور پلیز یہاں سے چلے جاؤ۔'' وہ پشت پھیر کے کھڑی ہو گئی۔
''جا رہا ہوں مگر پھر آؤں گا بلکہ بار بار آؤں گا کیونکہ ابھی میرے ماں و باپ کو خوش ہونے دیں اس کے بعد یہ تماشا بھی ختم کر دوں گا۔'' وہ بول رہا تھا اور وہ پیچ و تاب کھا رہی تھی۔
''منگنی تم اپنی پسند کردہ لڑکی سے کرو تو بہتر ہے۔''
''جس لڑکی کو میں پسند کرتا ہوں وہ مجھ سے راضی نہیں ہے کسی بات کی اسے غلط فہمی ہو گئی ہے۔'' انداز ذو معنی تھا ماہا نے نگاہ اٹھائی، اس نے دوسری طرف دیکھنا شروع کر دیا۔
''وہ سمجھتی ہے میں آپ کو لائیک کرتا ہوں۔'' وہ جھٹ بولا تا کہ آگے سے وہ کسی اور مخمصے کا شکار نہ ہو جائے۔
''مجھے اس کے پاس لے چلو میں اس کی غلط فہمی دور کر دوں گی۔'' اس کا بس نہیں چل رہا تھا اس ان دیکھی لڑکی کو کچا چبا جائے جو شہزیل کو پسند تھی۔

''وقت آنے پر لے چلوں گا کیونکہ لے جائے بغیر چارہ بھی نہیں ہے۔'' وہ افسردگی طاری کر کے گویا ہوا۔ شہزیل نے ماہا کے چہرے کے تاثرات دیکھ لیے تھے وہ ناگواریت لیے ہوئے تھی۔
''پلیز یہ سب آپ کسی کو بتائیے گا نہیں آپ کے پاس راز ہی رہے۔''
''تمہاری طرح میں چالاک نہیں ہوں ہر ایک کا خیال رکھتی ہوں۔ اس کے جذبات احساسات کا۔'' اس نے طنز ہی کیا۔
شہزیل نے مسکراہٹ روک کے لب بھینچ لیے۔
''میں آپ کے جذبات کی بھی قدر کرتا ہوں جو آپ نے میرے لیے اتنا کچھ کیا تھینکس۔'' اس نے مسکرا کے کہا۔ ماہا نے پشت گھما لی۔
شہزیل کو ماہا پر ترس آ رہا تھا مگر جو کچھ سوچ کے وہ اس سے بدظن ہو گئی تھی اسے کسی طرح تو قابو کرنا تھا اور اس کے ساتھ کھیل نرمی سے قابو کیا جائے تو زیادہ اچھا ہے۔
''ماہا میں آپ کو اپنی محبت کا احساس بہت جلد دینے والا ہوں۔'' وہ دروازہ کھول کے باہر نکل گیا تھا۔

☆......☆

کنول کی کافی لمبی کال تھی وہ اس سے بہت سی باتیں کر رہی تھیں جس سے نیل فر کا دل بھی بہل گیا تھا کنول نے بتایا تھا زہرہ اسے بہت یاد کرتی ہیں سب کا ذکر کیا تھا نہ کیا تو فہر کا، وہ کیسا ہے اور اس کے آپریشن کیسے ہیں جانے کیوں اس شخص نے دل و دماغ ہلا دیا تھا وہ اسے سوچنا نہیں چاہتی تھی مگر سوچ رہی تھی۔
ابو کے گھر کا بھی بتایا تھا سب کچھ سیٹ چل رہا ہے اور ثریا نے کینیڈا جانا ملتوی کر دیا تھا۔ نیل فر کو سکون ملا تھا۔ اب اسے بھی یہاں سے چلے جانا چاہیے ابو بھی کافی دن سے نہیں آئے تھے، جب سے وہ زہرہ کے گھر سے آئی تھی اپنا سیل اٹھایا اور نمبر پریس کیا، ابو سے پوچھے تو ہیں کہاں۔ بیل متواتر جا رہی تھی مگر وہ ریسیو نہیں کر رہے تھے۔
اسی دوران ڈور بیل بجی۔ در شہوار بھی جانے کہاں گھسی تھی، زبیدہ خالہ مغرب کی نماز پڑھ رہی تھیں۔ سیل نیل فر کے کان سے لگا ہوا تھا اس نے دروازے کے لینس سے دیکھا شکیل احمد تھے اس نے جھٹ دروازہ کھولا مگر وہ تو حیرانگی اور سکتے میں آ گئی اس کی بصارت یقین نہیں کر رہی تھی وہ سب یہاں موجود تھے سب سے بڑھ کر ثریا کا ہنستا مسکراتا چہرہ جو اسے ہی پیار بھری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔
''ارے کیا جم گئی ہیں اندر آنے کا راستہ تو دیں۔'' حمزہ کی شوخ و شرارتی آواز نے اس کا سکتہ توڑا۔
وہ سائیڈ پر ہوئی شکیل احمد نے اسے گلے سے لگایا اور ضیاء نے بھی اسے ساتھ لگایا۔
''ارے بیٹی کون آیا ہے؟'' زبیدہ نماز پڑھ چکی تھیں انہوں نے ان سب کو دیکھا تو خوشی سے ان کی آواز نہ نکلی۔
''آپ؟''
''ارے بھئی آپ لوگ حیران نہ ہوں۔'' حمزہ پورے فلیٹ کا جائزہ لے رہا تھا۔
''ادھر آؤ۔'' ثریا نے گم صم نیل فر کو اپنے پاس بلایا وہ بے یقینی کی کیفیت میں چلتی ان تک آئی۔
''آج تمہیں تمہاری ماں لینے آئی ہے۔ چلو گی اپنی ماں کے ساتھ۔'' انہوں نے اس کے بکھرے

بکھرے بالوں کو اپنے ہاتھ سے پیچھے کیا۔
''جی۔'' اس کی تو آواز گنگ ہو گئی تھی۔
درشہوار نے بھی وہاں کا منظر دیکھا اسے خواب ہی لگا مگر جب نگاہ بلیو جینز اور بلیک شرٹ میں ملبوس ضیاء پر پڑی تو وہ جز بز ہی ہو گئی، وہ دن سے آفس جو نہیں جا رہی تھی۔
نیل فر کی آنکھوں میں خوشی سے آنسو آ گئے ثریا نے اسے لے جانے کو کہا تھا اور اس کی ماں بن کے آئی تھیں۔
''آپ سچ کہہ رہی ہیں؟''
''ہاں بیٹا! میں سچ کہہ رہی ہوں مجھے بیٹی کی ضرورت ہے وہ کمی پوری کر دو۔'' ثریا نے اسے گلے سے لگا لیا۔
شکیل احمد نے آسودہ سانس بھری تھی ان کی بیٹی کو خوشیاں مل گئی تھیں۔ رانی کے بعد سے تو وہ اس کی رات دن فکر ہی کرتے رہتے تھے۔
''اس دن تم مجھے متاثر کر گئی ہو تمہاری تربیت بہت اچھی ہوئی ہے۔'' وہ اس کی تعریفوں میں رطب اللسان تھیں۔
''اس گھر میں تمہیں کبھی کوئی کمی نہیں ہوگی اب پہلے ماں تمہاری ہوں ان دونوں کی بعد میں۔''
''ارے واہ آتے ہی ہمارا نمبر پیچھے کر دیا۔'' حمزہ بھی ثریا کے گلے سے لگ گیا۔
''میری بہت صابر و شاکر بیٹی ہے۔'' شکیل احمد نے نیل فر کے سر پر ہاتھ رکھا۔
''آپ کے گھر کچھ کھانے پلانے کا رواج نہیں یا ایسے ہی بھگاتے ہیں مہمانوں کو۔'' حمزہ نے درشہوار کو دیکھ کر چھیڑا۔
''آپ لوگ مہمان نہیں ہیں۔'' اس نے بھی لاجواب کر دیا۔
''میں لاتی ہوں۔'' زبیدہ اٹھنے لگی تھیں۔
''چلو تم اپنا سامان سمیٹو بلکہ رہنے دو جو بھی ہے آتا رہے گا۔'' ثریا نے اسے اپنے پاس ہی بٹھایا ہوا تھا وہ خود بھی شانت ہو گئی تھیں نیل فر کو پا کے۔
''ابو آپ ذرا ان سے یہ تو پوچھئے اس دن پھپھو کے گھر سے بغیر بتائے کیوں گئی تھیں۔''
''میرے پاس آئی تھی اس لئے تم لوگوں کو بتا کے نہیں آئی۔'' ثریا نے بھی حمزہ کو جواب دیا۔
اتنے میں زبیدہ نے لاؤنج میں ہی ٹیبل پر کافی کچھ کھانے پینے کا سامان سجا دیا تھا۔
''آپ نے آفس کی چھٹیاں کس لئے کی ہیں؟'' ضیاء نے درشہوار کو مخاطب کر لیا ورنہ تو وہ اس سے بچ کے بیٹھی ہوئی تھی۔
''وہ میں اب آفس نہیں آؤں گی مطلب جاب چھوڑ رہی ہوں۔''
''گڈ میری سات پشتوں پر آپ کا احسان ہے اور چپ کر کے گھر میں بیٹھیے تو بہتر ہے۔'' اس نے درشہوار کو اچھی خاصی سنا بھی دی۔ وہ سب کے سامنے خفیف سی ہو گئی تھی۔ شکیل احمد نے درشہوار کو مسکرا کے دیکھا۔
نیل فر کو بھی ہنسی آ رہی تھی۔ ثریا کی گہری اور پرسوچ نگاہ درشہوار پر تھی وہ ان سب کے درمیان نروس سی ہو رہی تھی۔
''نیل فر، اٹھو بیٹا چلنے کی کرو۔''
''ہاں تم جاؤ میں نے تمہارا ضروری سامان بیگ میں رکھ دیا ہے اور باقی کا سامان میں کل پیک کر دوں گی۔'' زبیدہ نے کہا۔
''آپ بھی ہمارے ساتھ چل رہی ہیں۔'' ثریا نے ان سے کہا۔
''نہیں بھابی بیگم ہمیں تو یہیں رہنے دیں بھیا کی مہربانی ہے جو مجھ غریب کو سر چھپانے کی جگہ دی ہوئی ہے ورنہ میں کس قابل۔'' وہ نیل فر کے جانے سے اداس ہو رہی تھیں۔
''آپ نے یہ کیا کہا جب آپ نے انہیں بھیا کہا ہے تو آپ اپنے بھائی کی ذمے داری ہوئیں آپ کو وہاں بھی عزت سے رکھا جائے گا۔'' ثریا نے بڑی محبت اور اپنائیت سے کہا۔
''ہاں زبیدہ بہن ثریا ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ میں نے انہیں آپ کے متعلق سب بتایا ہے وہ یہی کہہ رہی تھیں آپ بھی ہمارے ساتھ رہیں گی۔''
''نن...... نہیں انکل ابھی میں جاب تلاش کر رہی ہوں اچھا نہیں لگتا۔'' درشہوار نے بھی جھجک کے مداخلت کی۔
''پھر جاب، آپ سے ٹک کے گھر میں بیٹھا نہیں جاتا۔'' ضیاء نے تو اسے ڈانٹ ہی دیا۔
وہ تو لب بھینچ کے رہ گئی۔
''زبیدہ آپ بھی تیاری کریں۔'' ثریا نے کہا۔
''ہمیں یہی رہنے دو۔'' وہ رونے ہی لگیں۔
''ہم کہاں آپ کے قابل اور اتنے بڑے گھر کی اوقات کہاں۔''
''خالہ آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں میں نے اور ابو نے آپ کو ایسا کبھی نہیں سمجھا اگر ایسی بات ہے تو میں بھی یہیں رہوں گی آپ کے پاس میرے لیے یہی کافی ہے کہ امی نے مجھے بیٹی مان لیا ہے اب دل میں کوئی خواہش نہیں۔'' نیل فر بولی۔
''کیوں کوئی خواہش نہیں اس کے بعد آپ مرنے والی ہیں کیا۔''
''حمزہ کیا فضول ہانکتے ہو اللہ نہ کرے۔'' ثریا نے اسے سرزنش کی۔
''زبیدہ آپ اٹھیے اور سامان سمیٹیں، میں کوئی حیل و حجت نہیں سنوں گی۔''
''ٹھیک کہہ رہی ہیں ثریا آپ کو چلنا ہے۔'' شکیل احمد نے بھی تائید کی۔
درشہوار کا تو بالکل دل نہیں تھا، ہر وقت ضیاء کا سامنا اور وہ لگتا بھی الٹے دماغ کا تھا۔
''تم کیا سوچ رہی ہو اٹھو ضروری سامان لو، باقی کا آتا رہے گا۔'' شکیل احمد نے شہوار کے سر پر ہاتھ رکھا۔
''آں ہاں۔'' وہ چونک گئی۔
زبیدہ کو پھر ماننے ہی بنی تھی چند ضروری سامان لیا باقی چھوڑ دیا تھا۔
''ویسے ابو آپ نے انہیں خاصے ٹھاٹ سے رکھا ہوا تھا۔'' حمزہ کو فلیٹ بہت پسند آیا تھا۔
''یہ بھی میری بیٹی ہے اسے ایسے تو نہیں رکھتا۔'' نیل فر کو اپنے ساتھ لگایا ہوا تھا۔
وہ لوگ ضروری چیزیں لے کے جا رہی تھیں ضیاء اور حمزہ نے گاڑی میں سامان رکھ دیا تھا۔

''ابو، پھوپو کو تو یہ خبر دے دیں۔'' حمزہ نے اپنا سیل نکالا۔ نیل فر کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں کیونکہ یہ خبر فہر کے لیے تو بہت ہی خوشی کا باعث تھی۔

''ہوں دے دو۔'' شکیل احمد گویا ہوئے۔

ضیاء اور شکیل احمد اپنی اپنی گاڑیوں میں آئے تھے۔ سامان ضیاء کی گاڑی میں تھا اور حمزہ ضیاء کے ساتھ تھا ہنستے مسکراتے وہ سب نکلے تھے۔

گھر میں نیل فر داخل ہوئی تو اس کا زبردست استقبال ہوا۔ پھپھو پھوپھا اپنے دونوں بیٹوں سمیت پہلے ہی پہنچ گئی تھیں کچھ ہی دیر میں کنول بھی آ گئی تھیں۔

''مجھے مہاد نے بتایا تو یقین ہی نہیں آیا۔'' زہرہ نے نیل فر کو ڈھیروں پیار کیا۔

اور فہر اسے میٹھی میٹھی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا سی گرین لینن کی پلین شرٹ پر ایمبر ائیڈری تھی، وہ خاصی دلکش لگ رہی تھی ہمیشہ اس نے نیل فر کو سادہ ہی دیکھا تھا۔ میک اپ کے نام پر اس نے لپ اسٹک تک نہیں دیکھی تھی۔ گھر میں ایک تقریب کا سماں تھا، کنول کے شوہر شعیب اور دونوں بیٹے بھی تھے۔

نیل فر ان سب کے درمیان بہت خوش تھی۔

اس کی نگاہ فہر کی سمت اٹھی جو ضیاء سے خوش گپیوں میں مصروف تھا، اس کے چہرے پر بھی اسے اطمینان چھلکتا ہوا نظر آ رہا تھا۔

''ماموں جان، زبردست سی پارٹی تو ہونی چاہیے۔'' مہاد نے کہا۔

''ہاں کیوں نہیں اب تو ایک کے بعد ایک پارٹی ہوگی۔'' ثریا نے خوش ہو کے تائید ہی کی۔

''ہر ایک کے بعد ایک پارٹی۔'' حمزہ تو سن کے ہی حیران رہ گیا پھر اسے اچنبھا بھی ہوا۔

''امی ایک کے بعد ایک پارٹی کیسے۔''

''ضیاء کی شادی کا معاملہ تو دب گیا تھا وہ بھی تو کرنی ہے۔'' انہوں نے گویا دھماکا کیا۔

اور ضیاء وہ تو اچھل گیا فہر کی باچھیں کھل گئیں۔

''ادھر فہر صاحب بھی اٹکے ہوئے ہیں۔'' رحمٰن علی نے کہا۔

نیل فر کو تو فہر کے نام پر گھبراہٹ ہوئی ایسا اسے محسوس ہو رہا تھا اس کے چہرے پر فہر لکھا ہے۔

''ابو آپ نے ٹھیک کہا فہر کی بھی لگامیں کسنی ہیں۔'' کنول نے نیل فر کو مسکراتے معنی خیزی سے دیکھا، وہ جھینپ گئی مگر دل میں دھکڑ پکڑ ہونے لگی تھی۔

فہر تو ایسے ہونٹوں پر مبہم مسکراہٹ لیے ہوا تھا جیسے اس کا فیصلہ نیل فر کے ساتھ ہونے والا تھا۔

''لگتا ہے آپ لوگوں کو ہم سے دشمنی ہو گئی ہے کیوں فہر۔'' ضیاء، فہر کو ٹہوکا مار کے گویا ہوا۔

''یہ تو ہمیں اس وقت پتا چلے گا دشمنی ہے یا محبت۔'' فہر نے گہری معنی خیزی سے کہا۔ زہرہ اور کنول پہلو بدل کے رہ گئی تھیں، زہرہ اس کی معنی خیزی سمجھ گئی تھیں۔

''فکر نہ کرو تم دونوں سے کوئی دشمنی نہیں کرے گا۔'' ثریا نے بھی شوخی سے مسکرا کے کہا تھا۔

''مامی! آپ نے کیا ضیاء کے لیے لڑکی دیکھ رکھی ہے؟'' کنول نے پوچھا۔

''ہاں دیکھی ہے مگر ابھی فیصلہ نہیں کیا ہے کیونکہ میں پہلے اپنی بیٹی سے مشورہ کروں گی پھر ہی بات آگے چلاؤں گی۔'' انہوں نے نیل فر کو شانے سے لگایا جو خود فہر کی موجودگی سے ڈسٹرب ہو رہی تھی۔

کھانا لگ چکا تھا ملازمہ نے اطلاع دے دی تھی اور زبیدہ بھی اس کے ساتھ لگ گئی تھیں۔

''خبردار! جو آپ نے کچن کے کسی کام کو ہاتھ لگایا۔'' ثریا نے زبیدہ سے خفگی بھرے لہجے میں کہا۔

''مجھ سے فالتو نہیں بیٹھا جاتا ہے کم از کم آپ مجھ پر یہ پابندی نہ لگایئے۔'' وہ ان کی محبت پر نہال ہی تھیں اتنی محبت اور اپنائیت کی انہیں امید نہیں تھی، مگر ثریا تو بڑھ کے نکلی تھیں۔

سارے ہی کھانے میں مصروف تھے نیل فر اور درشہوار نے روم میں ہی کھانا منگوا لیا تھا۔

شکیل احمد کو گویا اطمینان ہو گیا تھا ثریا نے سب کچھ خوش دلی سے اپنا لیا تھا انہیں توقع نہیں تھی ثریا اتنی جلدی مان جائیں گی۔

''آپ بھی کھا لیں کھانا یہاں کیوں بیٹھے ہیں۔'' ثریا نے انہیں لاؤنج میں گہری سوچ میں ڈوبا دیکھا۔

''ثریا تم نے مجھے ایسی خوشی دی ہے میں جتنا بھی تمہارا تھینکس کہوں کم ہے۔''

''تھینکس اللہ کا کریں جس نے مجھے گناہ کرنے سے بچا لیا۔'' وہ شکیل احمد سے بول رہی تھیں اور وہ ان تھے۔ ثریا کی اعلیٰ ظرفی پر جو اللہ سے ڈرتی ہیں اور انہوں نے اچھا فیصلہ کیا۔

☆......☆

اسے اتنی بے چینی اور پریشانی تھی وہ کنول کے گھر چلا آیا۔

''آپی! آپ امی کو بولیے نا، کہیں ایسا نہ ہو مامی نیل فر کی کہیں اپنی پسند سے شادی کر دیں اور آپ جانتی بھی ہیں نیل فر ضد میں مان بھی لے گی۔'' فہر تو حواس باختہ اور پریشان تھا۔

''میں نے امی سے کہا تو ہے وہ کہہ رہی ہیں فہر نے نیل فر کو ڈرا دھمکا کے رکھا ہوا ہے جس کی بناء پر وہ اس سے خائف ہے اور میں اپنی بھتیجی کی مرضی کے بغیر تو رشتہ نہیں دوں گی۔''

''امی کو اپنے بیٹے کی نہیں بھتیجی کی فکر ہے میں نے کوئی اسے ڈرا دھمکا کے نہیں رکھا ہوا۔'' وہ چڑ گیا۔

''امی ویسے بھی مجھ سے بھی ناراض ہیں کہہ رہی ہیں میں نے ان سے کیوں یہ سب چھپایا۔ کنول خود اپنے بھائی کے لیے فکرمند تھیں انہیں بھی نیل فر فہر کے لیے ہر لحاظ سے پسند تھی مگر زہرہ نے صاف انکار دیا تھا وہ رشتہ لے کے نہیں جائیں گی۔''

''بہت سخت ہو رہی ہیں امی میرے معاملے میں۔'' وہ افسردہ اور ملول ہونے لگا۔

''میری بھی سمجھ نہیں آ رہا کیا کروں۔'' وہ بھی گہری سوچ میں تھیں کس طرح امی کو منائیں۔

''میں بھی ساری زندگی شادی نہیں کروں گا۔'' اس نے پھر قطعیت بھرے لہجے میں کہا۔

''اچھا، اچھا بس زیادہ ہیرو بننے کی ضرورت نہیں میں کچھ نہ کچھ تو کروں گی۔''

''ٹھیک ہے آپ کچھ نہ کچھ کریں، میں چلتا ہوں۔'' وہ جھٹکے سے کھڑا ہو گیا۔

''فہر، فہر۔'' انہوں نے آوازیں دیں۔

مگر وہ تو نکلتا ہی چلا گیا گاڑی میں بیٹھا اور زن سے آہنی گیٹ سے باہر تھا اس کا ذہن سلگ رہا تھا اسے اور غصہ سوار ہو رہا تھا نیل فر سے تو وہ چاہ کے بھی دست بردار نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ آفس سے سیدھا کنول کی طرف آ گیا تھا مگر کوئی بھی راہ نہیں نکل رہی تھی زہرہ الگ پریشان تھیں۔

گاڑی جھٹکے سے شکیل احمد کے گھر کے باہر رکی، ہارن پر ہارن دے رہا تھا چوکیدار نے چونک کے جلدی جھٹ مین گیٹ کھول دیا تھا وہ گاڑی اندر لے آیا تھا۔

شام گہری ہو رہی تھی وہ دشمن جان لان میں گرین کپڑوں پر شال اوڑھے چیئر پر بیٹھی تھی اسے د
نیل فر گڑبڑا گئی۔

''اچھا ہوا تم ادھر ہی مل گئیں۔'' وہ چلتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔

نیل فر کے دل کی حالت ایسی ہو گئی جیسے دل پسلیاں توڑ کے ابھی باہر آ جائے گا نگاہیں ادھر ادھر بھ
لگیں چہرے کا رنگ بھی سرخ ہو گیا۔

''کیا ہوا تمہارے چہرے کے رنگ اتنے بدلے ہوئے کیوں ہو گئے۔'' فہر نے تفصیلی جائزہ لینے
بعد مسکرا کے گویا ہوا، وہ جو اتنے غصے میں آیا تھا نیل فر سے اتنی نفرت کی وجہ پوچھنے آیا تھا فوراً ہی وہ س
بھول بھی گیا۔

''میں اندر جا رہی ہوں۔'' دھڑ دھڑ دل اور گھبراہٹ الگ فہر کی آنکھوں کی تپش اور آنچ دیتے جذبا
جو اسے پگھلانے کو کافی تھے وہ خود بھی حیران تھی گزشتہ دنوں سے وہ فہر کو سوچنے لگی تھی یا پھر یہ فہر کے جذبا
تھے جو محبت بھرے تھے۔ ان کی سچائی تھی جو اس کے دل کو موم کر رہے تھے وہ اس سے ڈر نہیں رہی تھی بلک
اپنے اندر کی جنگ سے ڈر رہی تھی کہیں اس کے راز فہر پر نہ آشکار ہو جائیں۔

''وہ......وہ مجھے اندر جانا ہے۔'' وہ گھبرا کے دوڑی تھی۔

فہر بھی اس کی تقلید میں پیچھے پیچھے تیزی سے آیا تھا۔

''وہ......امی......امی یہ آئے ہیں۔'' نیل فر نے سٹپٹا کے گھبرا کے ثریا کو بتایا جو فون پر کسی سے محو گفتگ
تھیں۔ دونوں کو خاصی حیرانگی سے دیکھا پھر اشارے سے فہر کے سلام کا جواب دیا۔

''آج تم ادھر کا راستہ بھول گئے۔'' وہ فون رکھ چکی تھیں۔

فہر وہیں ہال کمرے میں ہی کاؤچ پر بیٹھ گیا۔

''ویسے ہی سوچا، ضیاء سے ملتا چلوں۔'' اس نے نیل فر کو دیکھنے سے گریز کیا کیونکہ ثریا کے سامنے و
کوئی بھی ایسی حرکت نہیں کرنا چاہتا تھا جو انہیں شک میں مبتلا کرے۔

''ضیاء تو آج ابھی تک آیا ہی نہیں ہو گا زیادہ کام آفس میں ہے تم بتاؤ آفس سے سیدھے یہیں آ رہے ہو
کچھ کھانے کو منگواؤں۔'' ثریا کو اندازہ تھا وہ عموماً پانچ بجے اپنی جاب سے آ جاتا تھا۔

''میں آپی کی طرف سے آ رہا ہوں وہاں کھایا ہے۔'' اس نے بتایا۔

''اچھا چلو تھوڑا بہت کچھ تو چلے گا۔'' وہ اٹھنے لگیں۔

''امی میں نے ملازمہ سے کہہ دیا ہے وہ چائے بنا رہی ہے۔'' نیل فر نے ان کے اٹھنے پر کہا۔

فہر کی گہری اچٹتی نگاہ ایک لمحے کو اٹھی تھی نیل فر نے اپنی نگاہ جھکا لی تھی۔

''ابھی میں زہرہ سے ہی تمہاری بات کر رہی تھی کہیں لڑکی دیکھی تمہارے لیے۔''

فہر تو ان کے غیر متوقع سوال پر اچھل ہی گیا، جب کہ نیل فر نے وہاں سے کھسک جانے میں عافیت
جانی۔

''نیل فر بیٹا ملازمہ سے کہو ادھر ہی لے آئے چائے وغیرہ۔''

''جی اچھا۔'' وہ الٹے قدموں بھاگ لی۔

''ارے کوئی لڑکی وغیرہ پسند کی تم نے خود سے کیا۔''

یا جانے اسے ٹٹول رہی تھیں یا جاننے کی کوشش کر رہی تھیں فہر کسی لڑکی کو تو پسند نہیں کرتا انہیں فہر نیل
لیے بہت مناسب اور بہتر لگ رہا تھا انہوں نے جانچا بھی تھا۔ دونوں کی جوڑی بھی اچھی تھی شکیل
ذکر تو کیا تھا مگر وہ اپنے طور پر بھی زہرہ سے جاننا چاہ رہی تھیں فہر کے لیے لڑکی شاید دیکھ لی ہو۔

اتنے میں نیل فر ہی ٹرالی پر کافی لوازمات سجائے لے آئی تھی۔

''تم کیوں کرتی ہو کام، ملازمہ سے کہا کرو۔'' وہ نیل فر کو کسی کام کو ہاتھ لگانے نہیں دیتی تھیں۔

''مامی لڑکیوں کو کام کرنا چاہیے کیونکہ بعد میں پھر سسرال میں سننے کو ملتا ہے لڑکی کو کچھ سکھایا ہی نہیں۔''

شرم و جھجک سے لب بھینچ کے رہ گئی اور ثریا مسکرانے لگی تھیں۔

''تمہیں بڑی فکر ہوئی۔'' فہر جھینپ گیا۔

''ویسے میں نے اپنی بیٹی کا بندوبست کر لیا ہے کس گھر میں رخصت کر کے بھیجوں گی۔'' معنی خیز مسکراتا

ل فر تو گڑبڑا گئی اور فہر اس نے خاصی فکرمندی سے پہلو بدلا تھا۔

یل فر سرو کرنے کے بعد وہاں سے اٹھ گئی کیونکہ گفتگو کی نوعیت ہی ایسی تھی۔

''اچھا تم بتاؤ زہرہ کو کسی لڑکی کا بتایا تم نے کوئی پسند ہے یا نہیں۔''

''مامی! میں نے کوئی پسند نہیں کی ابھی تک اور پھر میں نے امی سے کہا کہ باہر لڑکی دیکھنے کی ضرورت
یا ہے خاندان میں دیکھ لیں۔'' اس نے چائے کے سپ لے کے نگاہ جھکائے جھکائے کہا۔

ثریا ایک لمحے کو سوچ میں پڑ گئیں

''ہاں تم نے یہ بھی ٹھیک کہا۔'' وہ جیسے مطمئن ہو گئی تھیں۔ فہر چائے پی کے کھڑا ہو گیا وہ تو نیل فر سے دو
باہر کرنے آیا تھا مگر یہاں ثریا ہی اسے گھیر کے بیٹھ گئیں

''میں چلتا ہوں مامی پھر آؤں گا۔''

''کھانا کھا کے جاتے ضیاء بھی آنے والا ہو گا۔'' وہ گویا ہوئیں

''نہیں کھانے کی تو گنجائش نہیں امی بھی انتظار کر رہی ہوں گی۔

''زہرہ کو میں نے کہہ دیا ہے تم یہاں آئے ہو۔'' انہوں نے بتایا۔

وہ سر ہلاتا ہوا کھڑا ہو گیا اور پھر وہ وہاں سے نکل آیا مگر دل میں جو کچھ تھا وہ رہ گیا۔ ایک
پریشانی یہ بھی لاحق ہو گئی نیل فر کے لیے۔

''مامی نے لگتا ہے کوئی رشتہ دیکھ لیا ہے۔'' وہ سارے راستے ذہنی الجھن کا شکار رہا۔ زہرہ الگ اس
ناراض تھیں۔ اس کا جرمنی کا بھی وزٹ آ گیا تھا چھ ماہ کے لیے اسے وہاں جانا تھا۔ وہاں کا اسے
پیٹ ملا تھا اور یہ اس کی ترقی کے لیے بہت بڑا پروجیکٹ تھا یہ خوش خبری بھی اس نے ابھی تک نہیں
دی تھی۔

''ٹھیک کہا ہے محبت و عشق میں انسان نکما ہو جاتا ہے جتنا وہ سوبر اور ٹھہراؤ والا بندہ تھا اس کی شخصیت
میں شدت پسندی اور غصہ آ گیا تھا۔''

''نیل فر کیوں تم میرے ضبط کا امتحان لے رہی ہو، میں کیسے خود کو تمہارے سحر سے نکالوں۔'' وہ سیدھا گھر
یا اور اوپر جانے لگا رحسن علی کی تشویش بھری نگاہوں نے اس کا جائزہ لیا جو بغیر سلام کے اندر داخل ہوا تھا۔

(جاری ہے)

ناولٹ

شفق پروین

پہلی محبت

"آ......" ٹوٹی پھوٹی سڑکوں پر چلتے ہوئے وہ
ایک دم سے گری۔ اس نے جلدی سے ادھر ادھر

دیکھا تو کوئی بھی نہیں تھا۔
"آ......اٹھا بھی نہیں جا رہا۔" اس نے اٹھنے



کوشش کی تو پاؤں میں چوٹ آنے کی وجہ سے پھر سے زمین پر بیٹھ گئی لیکن اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ اٹھنے کی کوشش کرتی کسی کی آواز کانوں سے ٹکرائی۔

"اوہو...... کیسے گر گئیں تم چوٹ تو نہیں لگی تمہیں۔" اس نے سہارا دے کر اسے اٹھانے کی کوشش کی تو اس نے بھی خود کو سنبھالا۔ وہ اس لڑکے کے سہارا دینے پر اٹھ کر کھڑی ہوگئی تھی اور بڑی بڑی آنکھوں سے اسے ہی دیکھ رہی تھی جب کہ اس نے زمین پر گرے ہوئے شاپنگ بیگ اٹھا کر اسے پکڑائے اور پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا گلی پار کر گیا لیکن وہ ابھی تک اسے ہی غور سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے اس سے پہلے بھی اسے دیکھا تھا مگر دور سے اور سرسری طور پر مگر آج پہلی بار یوں سامنا ہوا تھا اور بس۔ عفت کو گرنے کی وجہ سے پاؤں پر چوٹ لگی تھی مگر درد اٹھ کھڑے ہونے کے بعد محسوس ہو رہا تھا۔ اور وہ بھی پاؤں پر نہیں بلکہ دل پر۔

☆......☆

"سنو! یہاں پر کوئی کھڑوس ٹائپ لڑکا رہتا ہے کیا؟" عفت نے چالاکی مگر سرسری طور پر پوچھا۔ اس کے اس سوال پر نرما اور ارم ٹھٹک گئیں۔

"کھڑوس ٹائپ۔" دونوں نے ایک ساتھ حیرانگی سے کہا۔ عفت کو بے ساختہ ہنسی آگئی۔

"نہیں...... دراصل تم کبھی لڑکوں کے بارے میں بات کرتی نہیں ہو ناں اور آج اچانک سے......" ارم نے حسب معمول انوکھے انداز میں جملہ ادھورا چھوڑا تھا۔ جس پر عفت کچھ کنفیوز ہوگئی۔

"وہ...... دراصل میں...... ایکچوئیلی......"

"اب بول بھی دو۔"

"گلے میں کچھ پھنس گیا ہے کیا؟" نرما نے غصہ دکھاتے ہوئے کہا۔

"وہ...... دراصل...... میں...... اس دن رستے میں گر گئی تھی تو اس نے مجھے اٹھایا تھا۔" عفت نے نروس ہو کر آہستہ آہستہ بتایا۔ جب کہ اس کی بات پر نرما اور ارم کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

"کب گر گئیں کیسے گر گئیں؟ اور کس نے اٹھایا تمہیں۔" ارم نے سارے سوال ایک ہی سانس میں کر ڈالے۔

"پتہ نہیں کون تھا مگر جو بھی تھا بڑا عجیب اور کھڑوس تھا۔" عفت نے جان بوجھ کر تیکھا لہجہ ظاہر کیا وہ کن انکھیوں سے ان دونوں کو ہی دیکھ رہی تھی۔

"اچھا وہ کیوں؟" نرما نے متجسس ہو کر پوچھا۔

"ہاں...... میں جیسے ہی گری اس نے پیچھے سے آ کر میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اٹھایا پھر شاپنگ بیگ اٹھا کر مجھے پکڑائے اور بس...... چلا گیا۔" عفت کا انداز معصوم سا تھا۔

"تو تمہارے خیال میں اسے کھڑے ہو کر تمہارا انٹرویو لینا چاہیے تھا۔" ارم نے معنی خیز انداز میں کہا۔

"یا پھر مرہم پٹی کرنی چاہیے تھی۔" نرما نے بھی لقمہ دیا اور ساتھ ہی افسوس کرتے ہوئے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

"جی نہیں ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔" عفت نے بھی چڑانے والے انداز میں "جی نہیں" کہا اور ساتھ ہی نرما کے کاندھے پر ایک زور کا تھپڑ بھی رسید کیا جب کہ ارم اور نرما کی بے ساختہ ہنسی فضاء میں گونجی تھی۔

☆......☆

"عفت! اچھا ہوا تم آگئیں۔ چلو ذرا تم میرے ساتھ مارکیٹ۔" عفت نے جیسے ہی دروازے میں قدم رکھا امی کا سامنا ہوا۔

"مارکیٹ......" عفت نے امی کو عجلت میں دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں فریحہ کا فون آیا تھا شام میں وہ اور اس کے

سرال والے آرہے ہیں۔ اسی لیے مارکیٹ سے سامان لینا ہے۔" امی نے شال اوڑھتے ہوئے تفصیل بتائی تھی۔

"امی! میں ابھی کالج سے آئی ہوں رک جائیں میں تیار ہو جاؤں۔"

"تیار ہونے کی کیا ضرورت ہے مارکیٹ ہی جانا ہے۔ کوئی سیر و تفریح کے لیے تھوڑی جا رہی ہو۔" امی نے ڈپٹتے ہوئے کہا۔ صحن میں سویرا جو جھاڑو لگانے میں مصروف تھی۔ امی کی بات سن کر اسے بھی ہنسی آگئی۔

"لیکن امی!"

"عفت مجھے واپس آ کر کھانا بھی بنانا ہے اب چلو تم۔" امی اسے حکم دے کر دروازے سے باہر نکل گئیں۔ جب کہ وہ سویرا کو اپنا کالج بیگ پکڑا کر امی کی تقلید میں بڑھ گئی۔

"آج کل کی لڑکیوں کو بس صرف تیار ہونے دو۔ کہیں بھی جانے سے پہلے چینج کرنا ضروری سمجھتی ہیں۔"

"امی! تیار ہونے کا مطلب پارلر جانا نہیں ہوتا مجھے ہاتھ منہ دھونا تھا۔" عفت نے مسکراتے ہوئے کلیئر کیا۔

"لو بھلا منہ دھونے میں کتنی دیر لگتی ہے۔ نکلتے ہوئے منہ پر پانی مار لیتیں۔" امی کے بولنے کا انداز اتنا نرم اور دلچسپ تھا کہ عفت کو ہنسی آگئی۔

"اوہ...... کتنا عجیب لگ رہا ہے میرا یقیں اگر وہ مجھے اس حلیے میں دیکھے گا تو......" عفت امی کی باتوں کو غور سے سن رہی تھی مگر اس کا دھیان دوسری طرف بھی تھا۔ وہ دل ہی دل میں دعا کر رہی تھی کہ مارکیٹ میں کہیں وہ نہ مل جائے وہ دونوں مارکیٹ پہنچ چکی تھیں اور امی اب ایک شاپ کیپر سے سامان وغیرہ لے رہی تھیں جب کہ وہ شاپ کے سامنے ہی امی کے پیچھے کھڑی ہوگئی۔ اس کا دھیان شاپ پر کھڑے لوگوں کی طرف تھا۔ کچھ لمحے بعد جیسے ہی اس نے برابر والی شاپ میں دیکھا اسے وہی کھڑا نظر آیا۔ عفت نے آنکھیں بڑی کر کے غور سے اسے دیکھا اور پھر جلدی سے منہ گھما کر دوسری طرف دیکھنے لگی۔

"یہ یہاں بھی آگیا۔ انسان ہے یا بدروح ہر جگہ پہنچ جاتا ہے۔" عفت منمناتے ہوئے اپنے آپ سے کہنے لگی اور امی کی آڑ میں جا کر کھڑی ہوگئی۔

"پتہ نہیں اس نے مجھے دیکھا تھا یا نہیں دیکھوں کیا؟" عفت نے سوچا لیکن پھر اپنا خیال جھٹک دیا۔

"ناں بابا! اس کو دیکھنے کے چکر میں کہیں وہ مجھے نہ دیکھ لے۔" عفت نے دوبارہ سے امی کی آڑ لے لی۔ لیکن جب دل نہ مانا تو ہلکا سا گردن کو پیچھے کر کے اس کی طرف دیکھا۔ وہ بھی اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ عفت کا دل چھن سے ہو کر رہ گیا۔

"اس نے مجھے دیکھ لیا۔" عفت کا دل زور سے چلایا تھا۔ وہ دوسری طرف گھوم کر کھڑی ہوگئی اور خود کو نارمل اور لاتعلق ظاہر کرنے لگی

☆......☆

رنگ برنگی پانچ واٹر بالز کو بائیں ہاتھ کی انگلیوں میں پھنسائے ارم عفت کے ساتھ ہی کھڑی تھی۔

"کیوں نہ ہم دونوں واٹر بالز بیچتے ہیں۔" ارم نے بڑے پرجوش انداز میں کہا تھا۔

"بیچتے ہیں کیا مطلب؟" عفت نے "بیچتے ہیں" پر زور دیتے ہوئے بہت ہی حیرانگی سے پوچھا۔

"ہاں! دیکھتے ہیں۔ کتنی دیر میں ہم یہ واٹر بالز بیچ دیتے ہیں۔" ارم نے چیلنج والے انداز میں کہا تھا۔ وہ اکثر اسی طرح الٹی سیدھی حرکتیں کر کے انجوائے کیا کرتی تھیں۔

"ہاں ٹھیک لیکن...... مجھے...... عجیب لگ رہا ہے۔"
عفت نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے میں آوازیں لگاؤں گی اور تم اپنی انگلیوں سے واٹر بالز نکال کر سب کو دینا اور پیسے جمع کرنا۔" ارم نے یہ کہتے ہوئے پانچوں واٹر بالز کو عفت کی پانچ انگلیوں میں پھنسا دیا۔ اس سے پہلے کہ عفت کچھ کہتی ارم اسے شولڈر سے پکڑ کر آگے بڑھ گئی۔ عفت بھی مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ ہو گئی۔

"واٹر بال والے...... واٹر بال والے۔" اپنا محلہ تھا اس لیے ارم آوازیں بھی بلند لگا رہی تھی۔ جب کہ عفت کی ہنسی چھپائے نہیں چھپ رہی تھی۔ دونوں اپنے ہی آپ میں مگن چلی جا رہی تھیں۔ بیس منٹ میں صرف دو واٹر بالز بکے تھے۔ آوازیں لگاتے لگاتے جیسے ہی وہ دونوں پیچھے والی گلی میں داخل ہوئیں۔ عفت کی ہنسی ایک دم سے غائب ہو گئی۔ کچھ ہی دور اسے وہی کھڑا نظر آیا۔ عفت کا دل زور سے دھڑکا اور بس ادھر ارم نے اسے دیکھ کر زور سے آوازیں لگانا شروع کر دیں۔ جب کہ عفت نے جلدی سے واٹ بالز کو اپنے پیچھے چھپا لیا اور خود کو ریلیکس ظاہر کرنے لگی۔ حالانکہ اس نے عفت کو واٹر بالز چھپاتے ہوئے دیکھ لیا اور ارم کی آوازیں بھی سن لی تھیں۔ اور اب وہ ان دونوں کو دیکھ کر مسلسل ہنس رہا تھا۔ ارم بھی اسے دیکھ کر ہنسنے لگی اور انجوائے کرنے لگی جب کہ عفت کو شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے ایک جھٹکے سے ارم کا ہاتھ اپنے شولڈر سے ہٹایا اور وہاں سے تیزی سے بھاگ گئی۔

☆......☆

"اوہ...... شٹ......" چوتھی بار بال گرنے پر ارم زور سے چلائی تھی۔ اس بار اس سے شکست برداشت کرنا مشکل ہو گیا تھا جب کہ عفت اپنے بار بار جیتنے اور اس کے بار بار ہارنے پر کھل کر ہنس رہی تھی۔

"تم ہنس کیوں رہی ہو مجھے غصہ آ رہا ہے۔" ارم بچوں کی طرح ری ایکٹ کر رہی تھی۔

"کیا تمہیں اپنی دوست کے جیتنے کی خوشی نہیں ہے۔" عفت نے معصوم مگر چڑانے والے انداز میں کہا تھا۔ ارم نے دوستوں والی ایک گھورتی نظر اس پر ڈالی اور بیڈمنٹن غصے سے وہیں پٹخ کر سامنے سیڑھیوں پر جا کر بیٹھ گئی۔

"ہار جیت تو ہوتی رہتی ہے تم کیوں اتنا سیریس ہو رہی ہو۔" عفت اسے سمجھانے لگی۔

"نہیں میں بار بار آؤٹ ہو رہی ہوں۔" ارم نے خفگی سے کہتے ہوئے جیسے ہی گلی کے کارنر پر دیکھا تو فرخ بھائی اور میزان پر نظر پڑی۔

"ارے وہ دیکھو۔" اس نے گلی کے سیدھ میں اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ انداز دلچسپ تھا عفت نے سرسری طور پر دیکھا۔ کچھ قدم کے فاصلے پر فرخ بھائی کے ساتھ اسے وہی دکھائی دیا۔ جس کی وجہ سے وہ آج کل الجھی الجھی سی رہنے لگی تھی۔

"فرخ بھائی ہم دونوں بیڈمنٹن کھیل رہے تھے آپ بھی ہمیں جوائن کریں ناں۔" وہ دونوں جیسے ہی قریب آئے۔ ارم نے بہت ہی دوستانہ انداز میں انہیں مخاطب کیا۔

"ہاں بالکل کھیلیں گے۔ پہلے یہ بتاؤ کہ تم دونوں میں چیمپئن کون ہے۔" فرخ بھائی نے خوش دلی سے جواب دیا۔ میزان ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ ان دونوں کی گفتگو سن رہا تھا۔

"وہ تو یہ ہے مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں۔" ارم نے خفگی سے کہتے ہوئے دایاں ہاتھ زور سے عفت کے شولڈر پر رکھا۔

"اصل میں جو چیمپئن ہوتا ہے اسے ہرانے کا مزہ ہی الگ ہے۔" فرخ بھائی نے بھی کھیل میں دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔ فرخ بھائی کی بات سن کر ارم

اور میزان کھل کر ہنسے تھے جب کہ عفت نے مسکرانے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

"اوکے لیکن فرخ بھائی! عفت بہت زیادہ اچھا کھیلتی ہے۔ اسے ہرانا آسان نہیں۔" ارم نے چیلنج کیا تھا۔

"اگر یہ اچھا کھیلتی ہے تو میرا دوست بھی کوئی کم نہیں۔" فرخ بھائی نے چیلنج قبول کرتے ہوئے میزان کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور تھپتھپایا۔

"تو آج عفت اور میزان کھیلیں گے۔" ارم نے انجوائے کرتے ہوئے کہا مگر اس کی بات سن کر عفت کا دل دھک سے رہ گیا۔ جب کہ میزان کا انداز نارمل تھا۔

"آ...... نہیں...... وہ...... ایکچولی میں گھر جا رہی ہوں۔"

"کیوں؟" ارم نے فوراً ہی پوچھا تھا۔

"وہ...... میں...... وہ مجھے نیند آ رہی ہے۔" عفت کو کوئی مناسب بہانہ نہ سمجھ آیا تو ایک دم سے بوکھلا گئی جب کہ اس کی بات سن کر ارم کو غصہ آ گیا۔

"اس وقت تم؟"

"مجھے دیر ہو گئی ہے امی پریشان ہو رہی ہوں گی۔" عفت نے تیز سانس لیتے ہوئے کہا اور تیزی سے قدم بڑھاتے ہوئے اپنے گھر کی طرف چل دی جب کہ وہ تینوں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ ارم کے چہرے پر بدمزگی کا اظہار تھا۔

"پتہ نہیں اسے اچانک سے کیا ہو گیا۔" ارم بڑبڑانے لگی۔

"وہ چیمپئن ہے ناں ہم لوگوں سے ڈر کر چلی گئی ہو گی۔" فرخ بھائی نے ہنستے ہوئے کہا تھا۔ ارم اور میزان مسکرانے لگے۔

☆......☆

رات کا ایک پہر گزر چکا تھا لیکن اسے نیند نہیں آ رہی تھی یا پھر وہ سونا ہی نہیں چاہتی تھی یہ اس کی بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

"آج تو میں بچ گئی ورنہ آج تو ارم ہم دونوں کو مد مقابل لا کر چھوڑتی۔ پتہ نہیں اس کے سامنے جانے سے میں گھبرا کیوں جاتی ہوں۔ اسکول، کالج کہیں بھی کسی کے سامنے بھی اتنی کنفیوز نہیں ہوئی لیکن اس کے سامنے کیا ہو جاتا ہے مجھے۔ کچھ بولوں تو الفاظ کھو جاتے ہیں۔ الٹی سیدھی باتیں کرنے لگتی ہوں۔" ابھی وہ یہ سب کچھ سوچ رہی تھی کہ اچانک سے اسے یاد آیا۔

"تو آج عفت اور میزان کھیلیں گے۔"

"میزان' میزان نام ہے اس کا۔" نام یاد آتے ہی تمام خیالات پس پردہ ہو گئے تھے۔

"میزان۔" دوبارہ سے نام دہراتے ہوئے وہ ایک دم سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"میں کتنے دنوں سے پریشان تھی نام جاننے کے لیے اور آج......" اس نے دو تین بار اس کا نام زیر لب دہرایا اور پھر ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پر پھیل گئی۔

☆......☆

اسکول کا بہت بڑا فنکشن تھا۔ پرانے اسٹوڈنٹس کا بھی ہجوم تھا۔ جن میں عفت، ارم اور نرما بھی شامل تھیں۔ عفت نے اسٹیج کی طرف دیکھا۔ تالیوں کی گونج میں میزان اور ایک صاحب مد مقابل کھڑے تھے۔

"یہ تو...... یہ......" عفت بولتے بولتے رہ گئی۔

"ہاں یہ میزان ہے۔" نرما نے عفت کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ عفت میزان کو اسٹیج پر دیکھ کر حیران رہ گئی۔

"تمہیں نہیں پتہ کہ میزان فائٹر ہے؟" ارم نے سرسری طور پر پوچھا۔

"نہیں...... مجھے نہیں پتہ۔"

"میزان بہت ہی اچھا پلیئر ہے۔ بیسٹ فائٹر

ہے۔تم دیکھنا ابھی اسے۔'' نرما نے میزان کے بارے میں بتاتے ہوئے اسٹیج کی طرف اشارہ کیا۔ نرما اور ارم میزان کو سراہنے والے انداز میں دیکھ رہی تھیں۔میزان اسٹیج پر بیسٹ پرفارم کررہا تھا۔اس کی فائٹنگ دیکھ کر عفت کا منہ کھلا ہی رہ گیا۔وہ بڑی بڑی آنکھوں سے اسی کو دیکھ رہی تھی۔تھوڑی ہی دیر بعد پھر سے ایک شور اٹھا۔اس بار تالیوں کے ساتھ سیٹیوں کی آوازیں بھی تھیں۔سب کی طرح عفت نے بھی بہت انجوائے کیا۔اسے وہ کھیل اتنا زیادہ سمجھ تو نہیں آیا مگر وہ شور کی وجہ سے اتنا تو سمجھ چکی تھی کہ میزان ون کر چکا ہے۔اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ پوری آڈینس پر جوش نظر آرہی تھی۔یوں جیسے سب اس کے دوست ہوں۔میزان کے ون کرنے پر عفت بے حد خوش تھی مگر ارم اور نرما کے سامنے اس نے کچھ بھی ظاہر نہیں کیا تھا۔بس ہلکی سی مسکراہٹ چہرے پر تھی مگر نگاہوں کا زاویہ مسلسل اسٹیج کی طرف ہی تھا۔

☆......☆

کتنے ہی مہینوں سے اس نے خود کو روکا ہوا تھا مگر اب تنہا دل کو جلانا اس کے لیے مشکل تھا۔

''ہے تو وہ اسی محلے کا مگر کانٹیکٹ کیسے کروں؟ کہ اس سے بات ہو جائے۔'' پچھلے دو تین گھنٹوں سے وہ اسی سوچ میں مبتلا تھی۔

''یہاں کے سبھی لڑکوں سے تو بھائی کی دوستی ہے اس سے بھی دوستی ہوگی۔کیوں ناں بھائی کے موبائل میں اس کا نمبر چیک کروں۔'' اتنی دیر ٹینشن میں رہنے کے بعد آخر اس نے راستہ نکال ہی لیا اور اب وہ کچھ ایزی فیل کررہی تھی۔

☆......☆

کمرے میں داخل ہوتے ہی وہ ٹی وی کے پاس رکھے موبائل کی طرف بڑھی۔اس نے ایک بار پیچھے گھوم کر دیکھا۔علی بھائی امی کے کمرے میں تھے۔وہ دو قدم میں دروازے سے موبائل تک کا فاصلہ طے کرگئی اور موبائل اٹھا کر ٹچ اسکرین پر نمبر سرچ کرنے لگی۔اچانک سے ''میزان'' نام پر نظر پڑی۔نمبر دیکھ کر تو دل جیسے اچھل کر باہر آنے کو ہی تھا۔خود پر قابو پاتے ہوئے عفت نے جلدی سے اس کا نمبر ایک کاغذ پر لکھا اور علی بھائی کے آنے سے پہلے ہی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

☆......☆

اب وہ پریشان تھی کہ اسے کیا میسج کرے۔ اتفاق سے پاکستان اور بنگلہ دیش کا کرکٹ میچ تھا۔ جس میں پاکستان کو فتح ہوئی تھی۔

''پاکستان ون دا میچ۔'' عفت نے گھبراتے ہوئے پہلا میسج سینڈ کیا۔

''یہ نمبر کس کا ہے۔'' میسج پڑھ کر وہ اپنے آپ میں بڑبڑایا۔ادھر عفت جو پہلا میسج کرکے اب ریپلائی کے انتظار میں تھی۔ موبائل کی آواز پر جلدی سے موبائل اٹھا کر چیک کرنے لگی۔دیکھا تو اسی کا ریپلائی تھا۔

''ہو آر یو؟'' عفت نے میسج پڑھا۔مسکراہٹ خود بخود بڑھ گئی۔

''انسان۔'' عفت نے جواب دیا۔

''اوہ اچھا ہوا بتا دیا۔'' سامنے والے نے ریپلائی کیا تھا۔عفت کو اس کا میسج پڑھ کر شرارت سوجھی۔

''اتنا سینس تو ہونا ہی چاہیے کہ میسج انسان ہی کریں گے۔''

''سینس تو ہے میم! آپ نے اپنے انسان ہونے کا خود ہی بتایا ہے۔'' اس نے دلچسپی والی ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی۔اس لیے عفت کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا آنسر دے۔وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ دوبارہ ایک میسج موبائل پر نمودار ہوا۔اس نے جلدی سے ییس کیا۔

''آپ کو یہ نمبر کہاں سے ملا؟'' اس کا یہ سوال پڑھ کر اب وہ کچھ سیریس ہوگئی۔اس سے کوئی جواب بن نہیں پا رہا تھا۔اور پھر تیسرا میسج بھی آن پہنچا۔

''آپ ہیں کون؟'' تھوڑی دیر پھر وہی سوال پھر وہی جواب۔عفت کے اس میسج پر اسے بھی ہنسی آئی تھی۔جیسے اس نے میسج میں شو بھی کیا تھا۔

''ہاہاہا میرا مطلب ہے آپ کا نام کیا ہے۔'' عفت کو بھی میسج پڑھ کر ہنسی آگئی۔

''میں عینی ہوں۔'' عفت اپنا نام نہیں بتانا چاہتی تھی۔

''کون عینی کہاں رہتی ہو؟ میرا نمبر کہاں سے ملا۔'' میزان نے سارے سوال ایک ہی میسج میں کر لیے تھے۔

''میں حیدرآباد میں رہتی ہوں اور آپ؟''

''میں کراچی میں رہتا ہوں۔''

''اوہ! کراچی میں میری ایک فرینڈ بھی رہتی ہے۔'' عفت مزید بار کرنا چاہ رہی تھی۔

''اچھا تم مجھے جانتی ہو؟''

''ابھی تک نہیں۔لیکن اب جاننا چاہوں گی۔'' عفت ہر ایک میسج بہت سوچ سوچ کر لکھ رہی تھی۔

''کیوں؟''

''بس یوں ہی۔'' عفت نے مسکراتے ہوئے ریپلائی کیا۔سوال و جواب ہو رہے تھے۔اور باتیں ہو رہی تھیں۔عفت بہت خوش تھی کہ جو اس کی سوچ میں تھا اب اس سے حقیقت میں باتیں ہو رہی تھیں۔

☆......☆

تین بار ہیلو کا میسج کر کے بھی جب کوئی ریپلائی نہ آیا تو سوری لکھ کر سینڈ کر دیا اور خود بھی کمپیوٹر میں مصروف ہوگئی۔ذہن کمپیوٹر کی طرف تھا مگر دل اسائنمنٹ بنانے پر بالکل بھی آمادہ نہیں تھا۔

''کیا کروں آج اسائنمنٹ بنانے کے لیے ذہن میں کچھ آ کیوں نہیں رہا۔'' پریشان ہو کر عفت نے سر کو کرسی سے لگا دیا۔آنکھیں یوں بند تھیں گویا اسی کے بارے میں سوچ رہی ہوں کچھ ہی دیر بعد موبائل کی آواز آئی تو اس نے فوراً سے سوالیہ میسج کیا۔

''دوستوں کے ساتھ تھا۔''

''او کے لیکن ایک بار میسج کر کے بتا دیا ہوتا۔''

''ضروری نہیں سمجھا۔'' میسج پڑھ کر عفت کو عجیب سا فیل ہوا مگر اس نے اگنور کر دیا۔

''پھر ابھی کیوں میسج کیا۔'' عفت کے چہرے پر خفگی تھی۔اسے غصہ آرہا تھا۔

''او کے نہیں کروں گا اب بائے۔'' عفت نے میسج پڑھا اور موبائل کو سائڈ پر رکھ دیا۔تھوڑی دیر بعد میسج ٹون بجا۔عفت نے جلدی سے ییس کر کے میسج پڑھا۔

''تم آج کوچنگ نہیں جاؤ گی؟'' حسب توقع میزان کا ہی میسج تھا۔عفت کا مرجھایا ہوا چہرہ ایک دم سے کھل اٹھا۔پل بھر میں ساری ناراضی ختم ہوگئی۔ عفت نے میسج کا آنسر دیا اور اگلے میسج کا انتظار کرنے لگی۔

☆......☆

ٹیرس پر ٹہلتے ہوئے عفت اسی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔جب دل و دماغ پر پوری طرح اس کا خیال چھا گیا تو آسمان کی طرف دیکھنے لگی اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔وہی چہرہ وہی سنجیدگی وہی پیشانی پر بکھرے ہوئے بال۔

''وہ اتنا انجان کیوں ہے مجھ سے۔اتنی باتیں کرتا ہے لیکن انجان بن کر۔'' عفت نے آنکھیں کھولیں اور اپنے اردگرد کے ماحول کو دیکھنے لگی۔وہ اب اپنے خیالوں پر مسکرائی تھی۔

''میں کتنی پاگل ہوں وہ مجھے نہیں جانتا اور

میں...... جو لوگ ہمارے بارے میں نہیں جانتے وہ انجان ہی ہوتے ہیں۔" ٹھنڈی ہواؤں نے اس کے بالوں کو چہرے پر بکھیر دیا تھا۔

"بہت جلد ہمارے درمیان یہ بے گانگی ختم ہو جائے گی اور تمہارا دل بھی میری طرف جھکنے لگے گا۔" چہرے پر اڑتے بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے اس نے خود کو یقین دلایا تھا۔

"کیا لکھوں کون ہوں میں؟ اگر سچ بتاتی ہوں تو ڈر ہے کہ کہیں وہ...... مجھے چھوڑ نہ دے۔" ابھی وہ اسی ٹینشن میں تھی کہ ایک بار پھر میسج ٹون بجی۔ چیک کیا تو اس کا میسج تھا عفت کو میسج پڑھ کر ہنسی آئی تھی اور ساتھ میں اپنے لیے بے چینی اور بے تابی دیکھ کر اسے خوشی بھی ہو رہی تھی اور حیرانگی بھی۔

"میں اتنی جلدی کیسے بتا دوں مجھے تھوڑا ٹائم دیں۔"

"او کے میں اس وقت اپنے دوستوں کے ساتھ کہیں جا رہا ہوں۔ دو گھنٹے میں واپس آ جاؤں گا تم اچھی طرح سوچ لو تمہارے پاس پورے دو گھنٹے ہیں۔" میزان نے آناً فاناً میسج لکھا تھا عفت کو میزان کی طرف سے ملنے والے شارٹ ٹائم پر بے ساختہ ہنسی آئی تھی۔

"ڈیڑھ گھنٹہ ہو گیا۔ ابھی تک کچھ سمجھ نہیں آیا۔ سچ بتاؤں یا نہیں۔" نیلے رنگ کی شلوار قمیض اور وائٹ دوپٹے میں وہ صوفے پر بیٹھی اسی کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ سچ اور جھوٹ کے درمیان ایک بیزاریت سی محسوس ہو رہی تھی۔ عینی بن کر بات کرنا۔ اس کی ہنسی میں ہنسنا اب اسے اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اسے میزان کی سچی محبت چاہیے تھی۔ جس کے لیے اسے حقیقت بن کر اس کے سامنے آنا ضروری تھا۔ آخر اس نے اسے سب کچھ بتانے کا فیصلہ کر لیا اور اب وہ دو گھنٹے کی ٹوٹی پھوٹی ہمت کو جوڑ کر میزان کے فون کا انتظار کر رہی تھی۔

☆......☆

"میں عفت ہوں۔" عفت نے اپنی گھبراہٹ پر قابو پاتے ہوئے بمشکل اپنا جملہ مکمل کیا تھا۔

"کون عفت؟"

"علی کی بہن۔" عفت نے جواب دیا۔

"علی......" میزان نے ناواقف ہونے کا اظہار کیا۔

"وہ آپ کے دوست علی...... جو......" عفت کنفیوز ہو رہی تھی۔

"اوہ...... وہ علی وہ تو میرا دوست ہے۔ تم اس کی بہن ہو۔" میزان بہت حیران ہوا تھا۔ اسے یہ شک تھا کہ وہ اس کے جاننے والوں میں سے ہی ہے مگر وہ علی کی بہن ہے یہ سن کر اسے زوردار جھٹکا لگا تھا۔

"لیکن تم آئی مین اگر علی کو پتہ چلے گا کہ میرا تم سے میسج کے ذریعے کانٹیکٹ ہے تو اسے برا لگے گا۔" میزان نے بہت ہی سلجھے ہوئے انداز میں اسے آگاہ کیا۔ ادھر عفت کے ذہن میں بھی طرح طرح کی سوچوں نے گھر کر لیا وہ کشمکش و پیچ میں مبتلا تھی۔

"تمہیں کیسے شک ہوا کہ میں عینی نہیں ہوں۔ کچھ دیر تمہاری باتوں کو میں بس ایسے ہی سن رہا تھا۔ اسی وجہ سے مجھے تمہاری باتوں سے ہی شک ہوا۔" میزان کی بات سن کر عفت نے پھر کوئی میسج نہیں کیا۔ شاید اس کے پاس کہنے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ اس کے بعد میزان نے بھی حسب توقع میسج نہیں کیا۔ وہ بھی اسے اچھی طرح سمجھ چکی تھی۔ اس نے کبھی خود سے اسے میسج نہیں کیا تھا۔ وہ اس کے میسج پر یس اور نو کا آنسر دیتا تھا۔ جو کہ عفت کے لیے بہت تھا۔ اب اس کے میسج کا انتظار کرنا اس کی حماقت تھی۔

☆......☆

"آپ نے بتایا نہیں کہ اب ہم پھر سے پہلے کی طرح باتیں کریں گے یا نہیں۔" عفت نے ڈرتے

ڈرتے آخر پوچھ ہی لیا۔

"بتایا تو تھا اگر علی کو پتہ چلا تو اسے برا لگے گا۔" میزان کو ابھی تک عفت میں کوئی خاص دلچسپی نہیں ہوئی تھی۔

"ہماری بھی کوئی بہت زیادہ بات نہیں ہوئی۔ صرف ہیلو ہائے اور بس اور میں بھائی کے رہتے ہوئے ویسے بھی کوئی میسج نہیں کرتی۔" عفت نے لمبا چوڑا میسج لکھا۔

"او کے جو تمہیں مناسب لگے۔" کچھ دیر بعد میزان نے ریپلائی کیا۔ اس کا میسج پڑھ کر ایک دم سے عفت کی اداسی غائب ہوئی۔ اب کہیں جا کر اسے کچھ سکون محسوس ہوا تھا۔

"او کے تھینک یو۔" عفت نے فوراً سے میسج سینڈ کیا تھا۔

"اٹس او کے۔" میزان نے جواب دیا۔ وہ عفت سے کم باتیں کرتا تھا مگر اس کے اتنے شارٹ میسج پر وہ حیران تھی۔ اسے عجیب سا فیل ہو رہا تھا مگر وہ پھر بھی دل کے ہاتھوں مجبور تھی اور اس لیے خوش بھی تھی کہ سچ جاننے کے بعد بھی وہ کم از کم اس کے میسج کا جواب تو دے رہا ہے۔

☆......☆

ہلکی پھلکی سی چیٹ چاٹ میں تین سال کا عرصہ گزر چکا تھا لیکن ان تین سالوں میں میزان نے ایک بار بھی ایسی کوئی بات نہیں کہی تھی کہ جس سے عفت کی زندگی میں کوئی تبدیلی آتی۔ وہ ہمیشہ کی طرح میسج میں پہل کرتی اور وہ ہمیشہ کی طرح رسمی بات کرتا۔

☆......☆

"کہاں ہو؟"

"کمپنی میں ہوں۔"

"مصروف ہو؟"

"ہوں۔"

"او کے میں بھی کوچنگ جا رہی ہوں۔" عفت نے آخر میں ایک میسج کر کے سارے میسج ڈیلیٹ کر دیے۔ اور کمرے سے باہر چلی گئی۔ ٹی پنک کلر کی ہلکی سی ایمبرائیڈری والے سوٹ میں اس کا رنگ بھی نکھر رہا تھا۔ گھر سے نکلتے ہوئے ایک بار آئینے میں خود کو دیکھا شولڈر پر سے بالوں کو پیچھے کیا اور کوچنگ کے لیے چلی گئی۔ ادھر میزان نے لاسٹ او کے کا میسج کیا تھا جو اس نے دیکھا ہی نہیں۔

☆......☆

"امی! میں بازل کو کل سے فون کر رہا ہوں اس کا نمبر بند جا رہا ہے۔" علی جاب سے آ کر فریش ہونے کے بعد چائے پی رہا تھا۔ تب ہی اس نے امی کو بتایا۔

"چارج نہیں ہو گا اس کا موبائل۔" امی نے سرسری طور پر کہا۔

"کل سے چارج نہیں ہو گا موبائل۔" علی نے گرم گرم مگر سوالیہ انداز میں کہا تھا۔

"ہاں یہ بھی ہے مگر تم کیوں دونوں سے اسے فون کر رہے تھے۔"

"جاب کے حوالے سے کچھ بات کرنی تھی۔" علی نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے کہا۔

"تو گھر پر فون کر لو رات کو تو وہ جلدی گھر آ جاتا ہے۔"

"ہوں......" علی نے اثبات میں سر ہلایا۔

"آنٹی کا نمبر میرے پاس نہیں ہے عفت سے لینا ہو گا۔ سویرا! عفت کا موبائل مجھے لا کر دینا۔" علی نے سویرا کو آواز دی اور پھر امی سے باتوں میں مصروف ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد سویرا نے علی کو عفت کا موبائل لا کر دے دیا۔ علی نے موبائل لے کر جیسے ہی ایک بٹن پریس کیا۔ ایک آن نون نمبر سے او کے کا میسج دکھائی دیا۔ علی نے میسج دیکھ کر وہی نمبر اپنے موبائل پر سرچ کیا اور پھر...... وہ سب کچھ سمجھ چکا تھا

لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کس طرح ری ایکٹ کرے۔ وہ کچھ دیر خاموش رہا اور پھر کہا۔

”امی! میں عفت کی دوست کے میسج پڑھ چکا ہوں۔ آپ اسے بتا دیجیے گا۔“ اور پھر اس کا موبائل لے کر اپنے کمرے میں جانے لگا۔ لیکن دروازے تک پہنچ کر وہ پھر سے رک گیا۔

”اور...... امی اسے یہ بھی بتا دیجیے گا کہ اگر موبائل کی ضرورت ہو تو وہ خود آ کر مجھ سے لے لے۔“ علی یہ کہہ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ جب کہ امی کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کچھ سمجھنے کی کوشش کرنے لگیں۔

☆......☆

”تم ڈرو مت۔ کوئی بہانہ کر کے بھائی سے موبائل لے لو اگر اس نے کوئی میسج کر دیا تو اس بار تو بھائی پاپا کو بتا دیں گے۔“ سویرا پاپا اور بھائی کے غصے سے بہت ڈرتی تھی۔ اس لیے اسے مشورہ دے رہی تھی۔

”نہیں مجھے پتہ ہے وہ خود سے کبھی کوئی میسج نہیں کریں گے۔“ عفت نے پورے اطمینان سے کہا۔

”لیکن...... اگر...... کر ہی دیا تو......؟“ عفت نے ڈرنے والا منہ بنا کر کہا۔ اور اپنی بات پر خود ہی ہنس پڑی۔

”کمال ہے عفت! تمہیں اس سچویشن میں بھی ہنسی آ رہی ہے؟“ سویرا نے حیرت سے کہا۔

”سویرا مجھے ناں ٹینشن سے ہنسی آ رہی ہے۔“ عفت کو اب اور بھی ہنسی آ رہی تھی۔ اس کے امی کو اعتماد میں لینے کا آئیڈیا ذہن میں آ چکا تھا۔ سویرا بھی اس کے بتانے سے پہلے اس کا آئیڈیا سمجھ گئی اور اس کی ہنسی میں شامل ہو گئی۔

☆......☆

”علی بیٹا! عفت کا موبائل کہاں رکھا ہے تم نے؟ اسے اپنی کسی دوست کو فون کرنا ہے۔“ علی کمپیوٹر میں مصروف تھا۔ تب ہی امی نے محتاط ہو کر کہا۔ علی نے کمپیوٹر سے نظر ہٹا کر امی کی طرف دیکھا اور پھر اپنا موبائل اٹھا کر ان کے سامنے رکھ دیا۔

”اس سے کہیں کہ میرے موبائل سے فون کر لے۔“ علی کا موڈ آف تھا۔

”اچھا لیکن اسے اس کا موبائل تو دے دو۔“ امی نے پیار سے کہا۔

”ضرورت نہیں اب اس کی اسے جتنے بھی فون یا میسج کرنے ہوں میرے موبائل سے کر لیا کرے۔“ علی نے سنجیدگی سے کہتے ہوئے کمپیوٹر اسکرین پر نظریں جما دیں۔

”لیکن اس کی دوستوں کے میسج آتے رہتے ہیں اس کے موبائل میں۔“ امی نے استفسار کیا۔

”میں نے پتہ کر لیا ہے کن دوستوں کے میسج آتے ہیں اس کے موبائل میں اور آپ کو کچھ نہیں پتہ ہے اس لیے آپ کچھ نہ بولیں۔“ علی کا لہجہ سخت ہوا تھا۔ امی بھی خاموش ہو گئی تھیں۔ مزید کچھ بولنا انہیں مناسب نہیں لگ رہا تھا۔

☆......☆

”میں نے اکثر علی بھائی اور میزان کو ایک ساتھ دیکھا ہے ان دونوں کی دوستی ہے۔“ عفت نے ارم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”لیکن عفت! ان دونوں کی دوستی پرابلم کریئیٹ نہیں کر رہی پرابلم یہ ہے کہ علی بھائی کو تم پر شک کیسے ہوا۔“ ارم نے سنجیدگی کا اظہار کیا تھا۔

”مجھے نہیں پتہ بھائی کو مجھ پر شک کیسے ہوا۔ انہیں کس نے کیا بتایا؟ انہوں نے مجھ سے موبائل بھی لے لیا۔“ عفت بہت پریشان تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے گھبراہٹ میں اس سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔

”لیکن عفت! تم یہ سوچو کہ اگر علی بھائی غصے میں سب کچھ آنٹی کو بتا دیتے یا گھر میں انکل کے

سامنے اس ٹاپک پر شور کرتے تو کیا ہوتا؟“ ارم اب بہت نرمی سے اسے سمجھا رہی تھی۔

”تم یہ سوچ کر ریلیکس ہو جاؤ کہ تمہارے گھر میں سب کچھ ٹھیک ہے۔“ ارم کو اس کی فکر ہو رہی تھی۔ عفت کو اتنا پریشان اور بے بس دیکھ کر اسے دکھ ہو رہا تھا۔

”لیکن ارم! تم یہ بھی تو سوچو کہ میں ان سے بات کیے بغیر کیسے رہوں گی۔ اور اگر علی بھائی نے امی ابو کو سب کچھ بتا دیا تو میں کیا کروں گی۔“

”عفت میری دوست! میں تمہارا کیا کروں۔“ ارم نے پیار سے اسے جھنجھوڑا۔

”ابھی جو پرابلم چل رہی ہے اسے سولو کرو جو پرابلم نہیں ہے اس کے بارے میں سوچ کر کیوں اتنی ہلکان ہوتی ہو۔“ ارم کے سمجھانے سے اس کا دماغ کھلنے لگا تھا۔ وہ اس کی بات سمجھ رہی تھی اور پھر کچھ ہی دیر میں وہ ریلیکس فیل کر رہی تھی۔

☆......☆

لائبہ اور عفت کوچنگ کی فرینڈ تھیں اور آپس میں کلوز بھی تھیں۔ عفت کو میزان سے بات نہ کیے چار مہینے ہو چکے تھے ان چار مہینوں میں ارم اور لائبہ ہی تھیں جن سے بات کر کے اسے کچھ تسلی ہوتی تھی۔

”کیا ہوا؟ کال نہیں لگ رہی۔“ لائبہ نے تجسس سے پوچھا۔

”ہوں...... شاید نمبر بند ہے۔“ عفت نے بے بسی سے لائبہ کی طرف دیکھا اور نظریں جھکا لیں۔

”تم پریشان کیوں ہوتی ہو سم بند ہو گی۔“

”لائبہ...... میں اسے پسند کرتی ہوں کتنی مشکلوں سے میں نے ان کا نمبر حاصل کیا تھا۔ پھر ان سے کانٹیکٹ کیا۔ تین سال تک ہم بات کرتے رہے۔“ عفت کی باتوں میں ٹھہراؤ تھا۔ وہ بہت دھیمی آواز میں بول رہی تھی۔ لائبہ نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

”مجھے نہیں پتہ وہ مجھے پسند بھی کرتا ہے یا نہیں۔“ اتنا ہی کہہ کر عفت نے ہونٹ بھینچ لیے۔

”تم اس کا نمبر ٹرائی کرتی رہنا۔ شاید کبھی اس کی کال لگ جائے اور پریشان مت ہو۔ میں جانتی ہوں کہ تم اسے بہت پسند کرتی ہو تم دیکھنا ایک نہ ایک دن وہ خود تم سے کانٹیکٹ کرے گا۔“ ارم نے اسے تسلی دی تھی اور اسے بھی کچھ حوصلہ ہوا تھا۔

☆......☆

میزان کی یادیں ابھی تک اس کے دل و دماغ میں مقید تھیں۔ اس کی آنکھیں خشک رہتی تھیں لیکن اکثر وہ راتوں کو اٹھ کر رو دیا کرتی تھی لیکن اپنی خواہش اپنی تمناؤں اور اپنی محبت کو چھپانا بھی اسے اچھی طرح آتا تھا۔ دن گزر رہے تھے اور ایسے میں حیا آپی کی شادی کی خوشی نے زندگی میں ایک خوب صورت سا رنگ بکھیر دیا تھا۔ شادی کی مصروفیت اور گہما گہمی میں بھی وہ اسے بھولی نہیں تھی۔ وہ بہت سی باتیں بہت سی خوشیاں اس سے شیئر کرنا چاہتی تھی لیکن اسے علی بھائی کا خوف تھا۔ اور کچھ میزان کے رویے نے بھی اس کے قدم روک رکھے تھے۔

☆......☆

آج حیا آپی کی بارات تھی علی نے اپنے سارے دوستوں کو بلایا تھا۔ جس میں میزان بھی شامل تھا۔ عفت کا رنگ گندمی تھا مگر چہرے پر کشش اور سادگی کی وجہ سے وہ اسے پسند کرتا تھا گو کہ اس نے ابھی تک ظاہر نہیں کیا تھا لیکن آج تو وہ اسے دیکھ کر دنگ ہی رہ گیا۔ لائٹ پنک اور براؤن کلر کی لمبی سی فراک میں سلور اور پنک ستاروں سے کیا ہوا کام جھل مل کر رہا تھا۔ سلور نگوں سے مزین نازک سی ہیل پہن رکھی تھی۔ فل سلیوز میں پھولوں کے کنگن پہنے ہوئے ہاتھ بھی دلچسپی کا باعث بن رہے تھے۔ کچھ بالوں کو اٹھا کر چھوٹے سے کیچر میں مقید کیا ہوا

تھا۔ جب کہ کچھ سلکی بالوں کو شانوں پر اور باقی کو پیچھے کھلا چھوڑا ہوا تھا۔ نیچرل میک اپ اور سمپل سی جیولری اس کے سوبر پن کو ظاہر کر رہی تھی۔ وہ اس کی نظروں سے دور دوستوں کی چھیڑ چھاڑ میں مصروف تھی۔ جب کہ میزان ساتھ بیٹھے دوستوں کی وجہ سے بار بار اپنی نگاہوں کا زاویہ بدلتا مگر کوشش کے باوجود نگاہیں اس پر جا کر ٹھہر جاتیں اس کے اندر ایک طوفان بپا تھا جس نے اس کے دل کو عفت کی طرف جھکا دیا تھا ادھر عفت بھی اس کی نگاہوں کی تپش محسوس کر رہی تھی۔ دل چاہ رہا تھا کہ ایک بار اس سے جا کر مل لے۔ محبت نہیں تو کم سے کم دوستی کے حق سے تھوڑی دیر ساتھ بیٹھے مگر رسمی تکلف نے قدموں کو روک رکھا تھا۔

☆......☆

ڈارک گرے اور بلو کلر کے سوٹ میں ہائی پونی کیے وہ لائبہ سے ملنے اس کے گھر آئی ہوئی تھی۔ نازک سے دو کڑے اس نے اپنے دائیں ہاتھ میں ڈالے ہوئے تھے۔ بائیں ہاتھ میں وہ گھڑی پہنے ہوئے تھی۔

''لائبہ! مجھے لگتا ہے کہ شاید وہ بھی مجھے پسند کرتا ہے۔'' عفت نے لائبہ کے کانوں میں سرگوشی کی تھی۔

''اچھا تمہیں کیسے پتہ؟'' لائبہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

''ہاں میں کوچنگ سے آتے ہوئے اکثر اسے دیکھتی ہوں۔''

''اوہ عفت! تم بھی ناں اتفاق سے نظر آ جاتا ہوگا۔'' لائبہ نے تصویر کا دوسرا رخ دکھانے کی کوشش کی۔

''مجھے بھی ایسا لگا تھا مگر اتفاق تو کبھی کبھی ہوگا ناں وہ تو اکثر مجھے نظر آتا ہے۔'' عفت نے کچھ پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

''تم فون کر لو اسے۔'' لائبہ نے تسلی والے انداز میں مشورہ دیا۔

''لیکن اگر میرا اندازہ غلط ہوا؟'' عفت نے لائبہ کی آنکھوں میں یوں جھانکتے ہوئے کہا جیسے کسی خاص نتیجے پر پہنچنا چاہ رہی ہو۔

''عفت! اگر کچھ سمجھ میں نہ آئے تو سب کچھ قسمت پر چھوڑ دینا چاہیے۔ تم کچھ دن اور جانے دو۔ پھر دیکھو کیا ہوتا ہے۔ تمہیں پتہ ہے اگلے ہفتے سے روزے شروع ہو جائیں گے۔ تم اسے بہت چاہتی ہو ناں...... پھر پریشان کیوں ہو؟ اس مہینے میں بے شمار دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ تم خود اس سے کانٹیکٹ نہ کرو بلکہ اپنی دعاؤں میں اتنی شدت پیدا کرو کہ وہ خود تمہارے پاس لوٹ آئے۔''

☆......☆

جتنی تیزی سے رمضان کا مہینہ گزر رہا تھا عبادتوں اور دعاؤں میں بھی اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ عفت زندگی کی کشمکش میں مبتلا تھی اگر کبھی سحری سے پہلے اس کی آنکھ کھلتی تو وہ تہجد کی نماز ادا کرتی اور دعاؤں میں اسے ہی مانگا کرتی افطار سے پہلے بھی کافی دیر تک دعا میں ہاتھ اٹھے ہوتے۔ اسی طرح پورا مہینہ گزر گیا عید کے دن بھی وہ بظاہر خوش تھی لیکن اس کے دل میں ایک اداسی سی تھی پورا دن اس کی یادوں میں ہی گزر گیا۔ شام میں جب لائبہ اپنی دو بہنوں ملائکہ اور علیشا کے ساتھ اس سے ملنے آئی تو پھر اسے تھوڑی خوشی محسوس ہوئی۔

''عفت! تم نے یہ سوٹ بنایا ہے بہت ہی خوب صورت ہے۔ ہلکا سا میک اپ بھی کر لیتیں۔'' لائبہ نے پیار سے اسے کہا۔

''لائٹ میک اپ کیا تھا لیکن دوپہر میں سو گئی تھی ابھی اٹھی ہوں۔'' عفت نے تفصیل بتائی تھی۔

''اچھا اور تم تو دوستوں کی خبر لو گی نہیں۔ رمضان کے شروع میں جو فون پر بات ہوئی تھی بس۔ اس کے

بعد تم نے دوبارہ بات ہی نہیں کی۔'' اس نے عفت کو مذاق میں چھیڑتے ہوئے شکایت کی تھی۔

''ہاں مصروف اتنی ہو گئی تھی۔ روزے بھی کتنی جلدی گزر گئے۔'' عفت نے مسکراتے ہوئے سوالیہ انداز میں کہا تھا۔ ملائکہ نے بھی تائید والے انداز میں سر ہلایا۔

''حیا آپی ٹھیک ہیں آج آئی ہوں گی؟'' لائبہ نے پوچھا۔

''ہاں وہ ٹھیک ہیں کل آئیں گی۔ امی نے کل سب کو دعوت دی ہے۔'' عفت نے تفصیل بتائی تھی۔

''عفت آپی! حیا آپی کی شادی کی تصویریں ہیں آپ کے موبائل میں۔'' ملائکہ نے تصویریں دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔

''ہاں ہیں ناں تصویریں یہ لو۔'' عفت نے فوراً سے سائڈ ٹیبل سے موبائل اٹھایا اور تصویریں نکال کر اسے دے دیا۔ ملائکہ اور علیشا تصویریں دیکھنے لگیں جب کہ لائبہ جلدی سے صوفے کے ایک سائیڈ پر آ کر بیٹھ گئی اور عفت سے سرگوشی میں باتیں کرنے لگی۔

''عفت تمہیں پتہ ہے میں اعتکاف میں بیٹھی تھی۔ میں نے تمہارے اور میزان کے لیے بہت بہت دعائیں کی ہیں تم دیکھنا تمہاری زندگی میں بہت جلد سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' لائبہ آہستہ آہستہ مگر بہت ہی پرجوش انداز میں بتا رہی تھی۔ وہ بہت ہی ایکسائیٹڈ ہو رہی تھی اس کے چہرے پر ایک خوشی تھی یقین تھا عفت کو اس کے انداز میں بہت ہی اپنائیت محسوس ہوئی وہ مسکراتے ہوئے اسے ہی دیکھ رہی تھی اور یہ سوچ رہی تھی کہ لائبہ اس کے ساتھ کتنی زیادہ مخلص ہے۔ عفت کو لائبہ کی ایکسائیٹمنٹ دیکھ کر اپنی دوستی پر رشک ہونے لگا تھا۔

''ایک تو یہ موبائل بھی ناں ہمیشہ غلط ٹائم پر ہی بجتا ہے۔'' عفت بڑبڑاتے ہوئے فون اٹھانے کمرے میں گئی تھی لیکن افسوس اس کے جانے سے پہلے موبائل کا ٹون بند ہو چکا تھا۔ عفت نے موبائل اٹھا کر چیک کیا۔

''یہ نمبر...... یہ تو سرفراز کا نمبر ہے لیکن یہ مجھے کیوں کال کر رہا ہے؟'' سرفراز ارم کا منگیتر اور میزان کا دوست تھا اور اس نے میزان کی خاطر ارم کو بغیر بتائے اس کے موبائل سے عفت کا نمبر لیا تھا۔ عفت ابھی نمبر دیکھ رہی تھی کہ میسج کی ٹون بجی۔ بس کیا تو صرف ''عفت'' لکھا ہوا تھا۔

''جی بولیں۔'' عفت نے ریپلائے کیا۔

''تم جانتی ہو ناں میں کون ہوں۔'' بغیر کسی تمہید کے جملہ لکھا گیا تھا۔

''جی آپ سرفراز ہیں۔'' عفت نے بھی ایک جملہ لکھ کر سینڈ کر دیا۔

''میں میزان کا دوست ہوں۔'' پھر سے سرفراز کا میسج آیا۔ اس بار عفت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسے سرفراز کے میسجز پر غصہ آ رہا تھا۔

''میزان آج کل بہت پریشان رہتا ہے بہت ہی زیادہ گم صم رہنے لگا ہے۔ میں نے وجہ جاننے کی کوشش کی تو اس نے پہلے تو ٹال دیا لیکن جب میں نے زبردستی پوچھا تو اس نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا۔'' عفت کو سرفراز کا یہ میسج پڑھ کر کچھ تجسس ہوا۔ ابھی وہ کچھ سوچ ہی رہی تھی کہ اگلا میسج بھی آ گیا۔

''میزان آپ سے بات کرنا چاہتا ہے اگر آپ کہیں تو اسے آپ کا نمبر دے دوں؟'' سرفراز نے میسج کے آخر میں سوالیہ نشان لگایا تھا۔ میسج پڑھ کر عفت کے دل میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی کچھ لمحے تک تو وہ اس کے اس میسج کو غور سے دیکھتی رہی اور جب اسے اس پر یقین آ گیا تو اس نے اپنے رب کا شکر ادا کرتے ہوئے آنکھیں زور سے بند کر لیں۔

وہ میزان کو نمبر دینا چاہتی تھی مگر سرفراز کے سامنے وہ بالکل بھی ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی کہ وہ بھی اسے پسند کرتی ہے۔

''انہیں مجھ سے کیا بات کرنی ہے۔ وہ کیوں مجھ سے کانٹیکٹ کرنا چاہتے ہیں۔'' عفت خود ہی سوچنے لگی۔

''آپ میزان کو میرا نمبر دے دیں اور کہیں کہ شام تک وہ مجھے کال کریں۔'' عفت سرفراز کو میسج کر کے اس کے ریپلائی کا انتظار کرنے لگی۔ تھوڑی دیر بعد سرفراز کا اوکے کا میسج آیا تو موبائل سے سرفراز کے سارے میسجز ڈیلیٹ کر کے وہ صحن میں آ گئی۔

☆......☆

شام ہو چکی تھی۔ وہ کافی دیر سے میزان کے فون کا انتظار کر رہی تھی۔ آخر ایک ڈیڑھ گھنٹے کے بعد موبائل کی ٹون بجی۔ عفت نے ریسیو کیا تو ایک مانوس سی آواز کانوں سے ٹکرائی۔ ایک لمحے میں وہ ساری یادیں تازہ ہو گئیں جو اس نے دل کے کسی کونے میں چھپا رکھی تھیں۔ وہ خاموش تھی۔ تین سال کا انتظار آنسو بن کر آنکھوں میں چبھ رہا تھا۔ اس نے شدت سے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ خوب روئے اس سے اس کی لاتعلقی کا سوال کرے لیکن اس نے ضبط کر لیا۔

''آپ نے سرفراز کو ہم دونوں کے بارے میں کیوں بتایا۔'' خوشی اور ناراضی کی ملی جلی کیفیت میں وہ اس سے مخاطب ہوئی۔

''تم کیسی باتیں کر رہی ہو تمہیں لگتا ہے کہ میں تمہارے بارے میں کسی کو بھی کچھ بتا سکتا ہوں۔ سرفراز میرا بہت اچھا دوست ہے۔ وہ بھی کسی سے ہمارے متعلق کوئی بات شیئر نہیں کرے گا۔'' میزان کی وضاحت پر عفت خاموش ہو گئی۔

''عفت! میں تم سے پہلے ہی کانٹیکٹ کرتا لیکن تمہارا نمبر نہیں تھا میرے پاس تم نے نئی سم لی ہے۔''

''ہاں بھائی کو مجھ پر شک ہو گیا تھا اس لیے انہوں نے موبائل لے لیا تھا مجھ سے کچھ دن پہلے ہی نئی سم لگا کر انہوں نے موبائل واپس مجھے دے دیا ہے۔''

''اچھا میں حیا آپی کی شادی میں آیا تھا۔ تمہیں بھی دیکھا تھا تم بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ میں تم سے ملتا لیکن تمہاری فیملی تھی۔ اس لیے مجھے مناسب نہیں لگا تھا۔'' میزان کے منہ سے پہلی بار اپنی تعریف سن کر عفت کو بہت اچھا لگا تھا۔ اور بہت حیرت بھی ہوئی تھی۔ آج میزان نے خود اس سے فون پر بات کرنے کی خواہش ظاہر کی تھی اور یہ عفت کے لیے میزان کی طرف سے ملنے والی سب سے پہلی اور بڑی خوشی تھی۔ وہ میزان سے اور باتیں کرتی لیکن شاید کمرے میں امی کے آنے کی آہٹ محسوس ہوئی تھی۔

''اچھا ابھی میں فون رکھ رہی ہوں آپ مجھے رات میں میسج کر لیجیے گا اوکے۔'' ادھر میزان بھی اتنے دنوں کے بعد بات کرنے پر گھبرایا ہوا تھا۔ اس لیے اس نے بھی خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا۔

☆......☆

سب لوگ دادی کے گھر گئے ہوئے تھے۔ جب کہ شفاء آپی کچن میں مصروف تھیں۔ عفت نے جلدی سے میزان کو ''کال می'' کا میسج کیا۔ تھوڑی ہی دیر میں میزان کی کال آ گئی۔

''ہیلو......'' میزان نے آہستہ آواز میں ہیلو کہا۔

''ہیلو جی سوری میں نے اچانک سے کال کرنے کا کہہ دیا۔''

''کیسی بات کر رہی ہو عفت میرا تو خود تم سے بات کرنے کا دل چاہ رہا تھا۔''

''اچھا وہ کیوں؟'' عفت نے حیرانگی سے پوچھا۔

''وہ......ایسے ہی دراصل بہت دن ہو گئے ہیں تم سے بہت ساری باتیں کرنی ہیں۔'' میزان نے

بہت ٹھہر ٹھہر کر کہا۔ اس کے لہجے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ نروس بھی ہے۔

''آپ نے خود پہلے مجھ سے کانٹیکٹ نہیں کیا۔'' عفت کا انداز سوالیہ تھا۔

''کیسے کرتا تمہیں بتایا تھا ناں میرے پاس تمہارا نمبر نہیں تھا۔ تمہیں کیا بتاؤں عفت تمہارا نمبر لینے کے لیے میں کتنا پریشان تھا۔ آخر میں تمہارا نمبر لینے کے لیے سرفراز سے ہیلپ لی۔ عفت میں تمہارے لیے بہت پریشان تھا۔ تم سے ملنے کے لیے تم سے بات کرنے کے لیے میں سوچتا تھا کہ زندگی میں تم سے کبھی بات ہو گی بھی یا نہیں۔'' وہ اپنی ہی دھن میں بولے جا رہا تھا۔ عفت خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ اسے یوں لگا کہ جیسے تین سال صرف وہی نہیں تڑپی، وہی نہیں جاگی، تین سال کی کٹھن مسافتوں سے وہ بھی گزرا ہے۔ اس نے بھی چین کھویا ہے۔ وہ اس سے کیسے شکایتیں کرتی۔ دل پر لگے زخموں کو کیسے دکھاتی۔ وہ محسوس کر رہی تھی۔ میزان کی بھرائی ہوئی آواز دکھ بھرا لہجہ اسے یقین ہو رہا تھا کہ سالوں کی جدائی نے میزان کو بھی توڑ ڈالا ہے۔

''عفت! تم سن رہی ہو ناں۔'' میزان نے اسے خاموش پا کر آواز دی تھی۔

''جی میں سن رہی ہوں۔ آپ کہیں ناں۔ میں سن رہی ہوں۔''

''عفت! آئی ایم سوری میں نے تمہاری قدر نہیں کی میں نے تمہارا دل دکھایا لیکن یقین کرو تم سے دور رہ کر میں بھی خوش نہیں تھا۔ تم سے بات کرتے کب مجھے تمہاری عادت ہو گئی۔ مجھے پتہ ہی نہیں چلا۔'' میزان ایک لمحے کے لیے خاموش ہو گیا۔ عفت کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ آخر اس سے کیا کہے۔

''آئی ایم سوری مجھے لگا کہ آپ کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میں بات کروں یا نہیں میں نہیں جانتی تھی کہ آپ کو بھی میری عادت......'' عفت اتنا ہی کہہ کر خاموش ہو گئی۔

''اک بات کہوں تم ناراض تو نہیں ہو گی۔'' میزان نے التجائیہ کہا۔

''نہیں ہوں گی۔''

''عفت! میں نہیں جانتا تھا کہ مجھے کب تمہاری عادت ہو گئی پھر جب تم سے کانٹیکٹ ختم ہو گیا تبھی مجھے احساس ہوا اور جب حیا آپی کی شادی میں تمہیں دیکھا تو مجھ سے رہا نہ گیا۔ میں اس دن سے تم سے بات کرنے کے لیے بہت پریشان تھا۔'' میزان بہت نروس ہو رہا تھا۔

''عفت! میں ایکچوئیلی......میں تمہیں پسند کرتا ہوں۔ مجھے نہیں پتہ کب سے لیکن میں اتنا جانتا ہوں کہ میں اب تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔'' میزان کی بات سن کر عفت کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ اسے اپنی سماعتوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ نادانی میں اسے دیکھتے رہنا اس کے بارے میں سوچنا۔ اس کا نمبر حاصل کرنا اس سے اتنے دنوں تک باتیں کرنا اسے اپنے ذہن کے پردے میں صاف صاف دکھائی دے رہا تھا۔ وہ بہت خوش تھی کیونکہ نادانی سے لے کر باشعور ہونے تک اس نے صرف میزان کے ہی سپنے دیکھے تھے اور وہ جو ہمیشہ اس سے انجان بنا رہتا تھا۔ آج اس سے اپنی محبت کا اظہار کر رہا تھا۔ وہ محسوس کر رہی تھی اس کا لہجہ، اس کا انداز اسے یقین ہو گیا تھا کہ میزان کا دل اس کی طرف جھک چکا ہے۔ خوشی سے دل کی دھڑکنیں شور کر رہی تھیں۔ آنکھوں نے بھی منظر کو دھندلا کر دیا تھا۔ اس نے رب کا شکر ادا کرتے ہوئے ہونٹ بھینچ لیے۔ آنکھوں کو بند کر لیا تھا اور آنسوؤں کے چند قطرے اپنی حدیں توڑ کر رخسار پر پھیل چکے تھے۔

......☆......

حفصہ کنول

عید مہرباں

مغرب کی نماز پڑھنے کے بعد جائے نماز سائیڈ پر رکھ کے عالیہ نے جیسے ہی باہر جانے کے لیے دروازہ کھولا اندر آتے شیراز سے بری طرح ٹکرا گئی تھی۔ شیراز کے ہاتھ میں پکڑی فائل میں جمع شدہ کاغذات اِدھر اُدھر بکھرے تو عالیہ کا سانس سینے میں ہی اٹک گیا تھا۔

''جاہل لڑکی اندھی ہو دکھائی نہیں دیتا؟'' وہ جارحانہ انداز میں دھاڑا تو وہ فق چہرہ لیے سہم کر دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

''نہیں، نہیں اندھی کہاں ہو تم، سب دکھائی دیتا ہے تبھی تو جان بوجھ کر مجھ سے ٹکرائی ہو، میرے قریب آنے کے بہانے ڈھونڈتی ہو، ہے ناں۔'' اس کی الزام تراشیوں پر وہ آنکھیں پھاڑے ٹکر ٹکر اسے دیکھتی رہی تھی۔ ''ایسے کیا دیکھ رہی ہو مجھے۔'' اس کے بائیں بازو کو سختی سے دبوچا تھا۔ ''تم میری طرف دیکھتی ہو تو مجھے الجھن ہونے لگتی ہے۔ تمہیں پتا ہے میں نہیں جانتا تھا کہ نفرت ہوتی کیا ہے، مجھے نفرت کرنا تم نے سکھایا ہے اور جتنی نفرت میں تم سے کرتا ہوں کبھی کسی سے نہیں کی۔'' ایک جھٹکے سے اس کا بازو چھوڑا تھا وہ لڑکھڑاتی بمشکل گرنے سے بچی۔

''فائل کے کاغذات سمیٹو۔ ذرا بھی اونچ نیچ ہوئی تو جان نکال لوں گا تمہاری۔'' انگلی اٹھا کے تحکم آمیز لہجے میں وارن کرتا واش روم میں گھس گیا تھا۔ وہ لب بھینچے آنسوؤں پر بند باندھتی نیچے بیٹھ کے کاغذ اٹھانے لگی تھی۔ صد شکر کاغذوں پر نمبرنگ تھی انہیں ترتیب سے فائل میں رکھ کے وہ کمرے سے نکل آئی تھی۔

☆......☆

''یار عالیہ! مجھے سمجھ نہیں آئی ایسے دل پھینک۔ فلرٹی بندے سے تم کیسے محبت کرسکتی ہو۔'' عشنا کا دل اکثر چاہتا کہ عالیہ کے سر پہ کچھ مار کے اس کا دماغ ہی درست کردے۔

عشنا اس کی پھوپی زاد کزن تھی۔ گاؤں میں اعلیٰ تعلیم نہ ہونے کے باعث پچھلے دو سالوں سے اپنے ماموں کے ہاں قیام پذیر تھی، چھٹیوں میں اپنے گھر چلی جاتی، عشنا کی صورت عالیہ کو بہن اور دوست کا ساتھ مل چکا تھا۔ اکلوتے پن کا قلق بھی کچھ کم ہوگیا تھا۔

''محبت کبھی بھی کسی سے بھی ہوسکتی ہے۔'' عالیہ نے فلسفہ جھاڑا تھا۔

''محبت کرنے سے پہلے کم از کم اتنا تو خیال رکھنا چاہیے کہ وہ بندہ محبت کے قابل ہے بھی کہ نہیں۔ اپنے انمول جذبات ایسے بندے پر لٹاتے رہو جسے آپ کی قدر بھی نہ ہو اور تو اور پاکستان کی تقریباً تمام لڑکیوں سے اس کا افیئر بھی ہو۔''

''اللہ کو مانو عالیہ۔ آنکھوں دیکھی مکھی نہیں نگلی جاتی اور تم ہو کہ پلیٹ بھر کے مکھیاں کھانے کو تیار کھڑی ہو۔''

''شٹ اپ۔'' وہ تو بھنا اٹھی تھی۔

''مجھے آج یقین ہوگیا ہے کہ تم میری بہن پلس دوست نہیں بلکہ دشمن پلس ڈائن ہو۔ تم چاہتی ہی نہیں ہو کہ مجھے میرا پیار ملے۔''

''میں ایسا کیوں چاہوں گی۔ میں کون سا تمہاری طرح اس کے عشق میں مبتلا ہوں۔ آنکھیں رکھتی ہوں میں، تمہاری طرح عقل سے پیدل نہیں ہوں۔ نہ جانے کتنی لڑکیوں کو اپنے پیچھے لگایا ہوا ہے اور سب کی

سب تمہاری طرح اندھی اس کی باتوں میں آجاتی ہیں۔ میرا بس چلے ناں تو تم سمیت ایسی تمام لڑکیوں کو ایک کمرے میں بند کر کے آگ لگا دوں۔'' اس نے خوب بھڑاس نکالی تھی۔

''تم جتنا مرضی الٹا سیدھا بک لو۔ پر شیراز مجھ سے بات کیے بنا نہیں رہ سکتا۔ چاہے جتنی مرضی لڑکیوں کے گرد منڈلاتا پھرے پر آخر میں اس نے آنا میرے پاس ہی ہوتا ہے۔'' اس کے لہجے میں ایک ان دیکھا یقین تھا۔

''سوچ ہے تمہاری۔'' عشنا نے ناک پر سے مکھی اڑائی تھی۔

''یہ دیکھو!'' کھنکتی آواز میں بولتی وہ موبائل کا رخ عشنا کی طرف کر گئی تھی جہاں شیراز کا نمبر جگمگا رہا تھا۔

وہ جانتی تھی شیراز دل کا برا نہیں ہے۔ بچوں کے ساتھ بچہ اور بڑوں کے ساتھ بڑا بن جاتا۔ عالیہ جانے کیسے اسے دل دے بیٹھی تھی اب اس محبت سے جان چھڑانا اسے اپنے بس کی بات نہیں لگ رہی تھی۔

☆......☆

''کیا سوچ رہی ہو؟'' کل کے ٹیسٹ کو رٹا لگاتے ہوئے عشنا کی نظر عالیہ پر پڑی تھی جو گود میں کتاب رکھے گم صم سی بیٹھی تھی۔

''میں سوچ رہی تھی کہ کاش کچھ ایسا ہو جائے کہ شیراز اپنی تمام گرل فرینڈز کو چھوڑ کے صرف میرے بارے میں سوچے۔'' ''اففف......'' عشنا نے اپنا ماتھا پیٹ لیا تھا۔

''یہ فضول کام صرف تم ہی کر سکتی ہو، اس کے پاس کرنے کو اور بہت سے کام ہیں۔ آدھی رات کو بھی تمہارے دماغ میں شیراز کا بھوت سوار ہے۔ اللہ کا خوف کھاؤ۔''

''تم نہیں سمجھوگی۔'' اس نے کتاب پر نظریں جھکا لی تھیں۔

''کیا ہو گیا اب۔'' اتنی سیریس کیوں ہو رہی ہو؟''

عشنا نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا تھا۔

''کبھی کبھی مجھے اپنی قسمت پر رونا آتا ہے۔ محبت ہوئی بھی کس سے جسے محبت کا مطلب بھی نہیں معلوم۔'' ٹپ ٹپ گرتے آنسو کتاب کا ورق بھگونے لگے تھے۔

''عالیہ! پاگل ہو گئی ہو کیا۔'' عشنا نے فوراً آگے بڑھ کے اسے ساتھ لگا لیا تھا۔

''تمہیں پتہ ہے تم دنیا کی سب سے بے وقوف لڑکی ہو اگر تمہاری جگہ میں ہوتی ناں تو شیراز کے بچے کو گھاس بھی نہ ڈالتی۔'' عالیہ خاموشی سے آنسو پونچھنے لگی تھی۔

''اچھا چھوڑو اگر اسے قابو کرنا ہے تو جیسے میں کہوں ویسے کرتی جاؤ۔'' عشنا اس کے کان میں گھسی اپنے نایاب مشورے اس کے گوش گزار کرنے لگی تھی۔

☆......☆

زندگی اتنی مشکل نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی اسے مشکل ہم خود بنا لیتے ہیں۔ کبھی اپنی نادانیوں سے اور کبھی سب ٹھیک کرنے کے چکروں میں۔ بالکل اسی طرح جیسے ریشم کے باریک دھاگوں کو سلجھانے کی کوشش میں اسے مزید الجھا دیتے ہیں۔ کچھ گرہیں ایسی ہوتی ہیں جو تا حیات نہیں کھلتیں اور اگر یہ گرہیں رشتوں میں پڑ جائیں تو محبت کے ساتھ ساتھ اعتبار کا رشتہ بھی ختم ہو جاتا ہے۔ کچھ غلطیاں ایسی ہوتی ہیں جن کا ازالہ شاید عمر بھر نہیں کیا جا سکتا۔ جن آنکھوں میں محبت نہ سہی ایک مان، یقین، بھروسہ صاف دکھائی دیتا تھا۔ اب ان آنکھوں میں بے اعتباری کے ساتھ ساتھ نفرت بھی صاف چھلکتی تھی۔ کچھ بھی ایسا نہیں تھا اس کے پاس کہ وہ شیراز کی نظروں میں پہلے جیسا مقام حاصل کر سکتی۔

حال و ماضی کے گرداب میں پھنسی وہ کمرے کی ڈسٹنگ بھی کر رہی تھی۔ جانے کیسے دوپٹے کا کونہ پھنسنے سے سائیڈ پر پڑا لیمپ زمین پر گر کر ٹوٹ چکا

تھا۔ تبھی شیراز نے کمرے میں قدم رکھے تھے۔ آنکھوں میں دہکتے شعلے لیے اس کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

''کس کے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی جو اپنے ارد گرد ہر شے سے غافل ہو گئی تھی۔'' اس کا بازو دبوچے اس نے ایک ایک لفظ چبا کے ادا کیا تھا۔ عالیہ کے لبوں سے سسکی برآمد ہوئی تھی۔

''اب اس سے بات نہیں ہوتی کیا؟'' گرفت سخت ہوئی تھی۔ عالیہ کی آنکھیں سمندر بننے لگی تھیں۔

''تمہاری شادی کے بعد بھی وہ تم سے بات کرتا رہے گا یہ ہی کہا تھا ناں اس نے۔'' عالیہ کے چہرے پر پھیلتی شرمندگی اسے آنکھیں جھکانے پر مجبور کر گئی تھی۔

''ڈر کے بھاگ گیا وہ یا تم نے ہی راستہ بدل لیا؟ لو پکڑو۔'' شیراز نے اس کے لرزتے ہاتھ پر اپنا موبائل رکھ دیا تھا۔

''کرو کال اسے۔ میں بھی دیکھتا ہوں میرے ہوتے ہوئے وہ کیسے بات کرتا ہے تم سے۔'' دیوار کے ساتھ لگی وہ پنجرے میں قید پرندے کی مانند آزادی کے لیے پھڑپھڑا رہی تھی۔

''سنا نہیں تم نے۔'' شیراز کی گرجدار آواز پر اس نے سہم کے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

''جانے دیں مجھے پلیز......'' کپکپاتے ہونٹوں سے بمشکل لرزتی آواز نکلی تھی۔ شیراز چند ثانیے کھڑا اسے گھورتا رہا پھر زور سے دیوار پر ہاتھ مارتا اس کے سامنے سے ہٹ گیا تھا۔

☆......☆

''کہاں بزی تھی آج کوئی لفٹ ہی نہیں۔'' کال پک کرتے ہی شیراز کا شکوہ اس کی سماعتوں سے ٹکرایا تھا۔

''جب تم اپنی گرل فرینڈ کے ساتھ بزی ہوتے ہو۔ میں نے تو کبھی شکایت نہیں کی۔'' ہاتھ میں پکڑی کتاب بند کرتے ہوئے وہ بولی تو آج اس کی آواز میں کچھ انوکھا پن تھا۔

''جلنے کی بو آ رہی ہے مجھے۔''

''ہاہاہاہا۔'' جواب میں عالیہ دل کھول کے ہنسی تھی۔

''ارے بھئی میں کیوں جلنے لگی۔ جب تم سے بہتر اوپشن موجود ہے میرے پاس تو مجھے جلنے کی کیا ضرورت ہے۔'' اس کے لہجے میں تفاخر بھرا ہوا تھا۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب کہ......'' تجسس پھیلانے کو کچھ دیر رکی تھی۔

''مجھے پیار ہو گیا ہے۔''

''ہاہاہا۔'' شیراز کے قہقہے نے اس کا بھرپور مذاق اڑایا تو اس نے کان سے موبائل ہٹا کے فون کی طرف گھور کے دیکھا تھا جیسے شیراز کو گھور رہی ہو۔

''میں نے کوئی جوک نہیں سنایا۔''

''اس سے بڑا کوئی جوک ہو بھی نہیں سکتا۔''

''کیوں؟'' اس نے ابرو اچکائے تھے۔

''کیونکہ میں جانتا ہوں عالیہ میرے علاوہ کسی اور سے محبت کر ہی نہیں سکتی۔''

''اتنا یقین۔'' عالیہ کچھ پل کے لیے منجمد بیٹھی رہ گئی تھی۔

''او کے نہ مانو۔'' بظاہر لاپرواہی دکھاتے فون بند کر دیا۔

''تمہارا آئیڈیا ناں تمہاری طرح بے تکا ہی نکلا۔'' وہ فوراً عشنا کے سر پر پہنچ گئی تھی۔

''کیوں کیا ہوا؟''

''میں نے شیراز سے کہا میں کسی اور سے محبت کرنے لگی ہوں تو اسے کوئی فرق ہی نہیں پڑا۔ کہتا ہے تم میرے علاوہ کسی اور سے محبت کر ہی نہیں سکتیں۔'' وہ روہانسی ہوئی پڑی تھی۔

''جب تم اتنے سالوں سے اس کی محبت کا راگ الاپتی آ رہی ہو تو پھر وہ کیسے ایک دم تمہاری بات پر یقین کر سکتا ہے سلو پوائزن کی طرح آہستہ آہستہ ہی

اثر ہوگا۔ تم ٹینشن نہ لو۔" عشنا نے ڈولتی کشتی کو پھر سے سنبھال لیا تھا۔

☆......☆

"میں نے بتایا ناں تمہیں کہ مجھے کسی سے پیار ہوگیا ہے۔ اف اللہ کیا بتاؤں اس کے بارے میں۔ کیا زبردست پرسنلٹی ہے اس کی۔ اتنا ڈیشنگ، اتنا ہینڈسم لڑکیاں تو اسے دیکھ کے ہی آہیں بھرتی ہیں۔ اتنا بڑا اور شاندار بنگلا میں تو کسی کمرے میں ہی گم ہوجاؤں اور اس کی بلیک مرسڈیز تو میرے دل میں جم ہی گئی ہے۔" وہ بڑی مہارت سے جھوٹ پر جھوٹ بولے جارہی تھی۔ پاس بیٹھی عشنا نے انگوٹھے سے اسے ویل ڈن کا اشارہ دیا تھا۔

"اچھا اس عقل کے اندھے کو تم میں نظر کیا آیا؟ دنیا بھر کی حسین لڑکیاں مر گئیں تھیں کیا جو وہ تمہارے ساتھ ٹائم ضائع کرنے نکل پڑا۔" شیراز پر رتی برابر بھی اثر نہیں ہوا تھا۔

"محبت اسے مجھ سے محبت ہوگئی ہے کسی اور کی طرف دیکھنے کا تو وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔ پر تم کیا جانو محبت کو تمہاری سمجھ میں آنے والی باتیں نہیں ہیں یہ۔" وہ کسی بی جمالو کی طرح بولے جارہی تھی۔

"اور کوئی نئی تازی؟" شیراز نے بات بدل دی تھی۔

"نئی تازی کیا سناؤں تمہیں میری تو پرانی بھی بھول گئی ہوں۔ جب سے اسے دیکھا ہے میری نظروں کے سامنے سے تو اس کا چہرہ ہی نہیں ہٹتا۔"

"عالیہ! میں اچھی طرح جانتا ہوں تمہیں اس لیے تمہاری کسی بھی جھوٹی کہانی پر میں کان نہیں دھرنے والا۔" مطلب اس کی کسی بھی بات پر شیراز کو یقین نہیں تھا۔

"میں......میں کیوں جھوٹ بولوں گی تم سے ہاں۔ کسی دن اسے اچانک تمہارے سامنے لاکر کھڑا کردیا پھر یقین آئے گا تمہیں۔" وہ بھلا ہار ماننے والوں میں سے کب تھی۔ شیراز نے بس ہنسنے پر ہی اکتفا کیا تھا۔

☆......☆

"شیراز آرہا ہے۔" عشنا بھاگتی ہوئی آئی تھی۔ عالیہ نے فوراً پاس پڑا موبائل کان سے لگا لیا۔ باہر لان کی طرف کھلنے والی کھڑکی کے پاس سے گزر کر اس نے اندر جانا تھا اس لیے قدرت کی طرف سے ایک اور موقع ان کے ہاتھ لگ گیا تھا۔

"میری اسٹڈی کمپلیٹ ہوجائے پھر گھر بات کرنا آپ۔ میرے گھر والے اتنی جلدی نہیں مانیں گے۔" ترچھی نگاہوں سے کھڑکی کے باہر کھڑے سائے کو دیکھتے ہوئے تھوڑا اونچی آواز میں بولی تھی۔

"آپ کو میری محبت پر یقین نہیں ہے کیا؟" منہ پر ہاتھ رکھ کے ہنسی روکی تھی۔

"روز روز تو آپ کے ساتھ نہیں جاسکتی ناں اگر گھر میں کسی کو پتہ چل گیا تو پرابلم ہوجائے گی۔ پھر کسی دن چلیں گے۔" سایہ آگے بڑھ گیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مار کے ہنس پڑی تھیں۔

شیراز جتنی دیر رکا اس کے ماتھے پر پرسوچ پرچھائیاں رقم کررہی تھیں انداز بھی کھویا کھویا تھا۔ منزل قریب آتی محسوس ہورہی تھی۔

☆......☆

شیراز کی نو، دس بجے کال آیا کرتی تھی۔ عشنا کے کہنے پر اس نے اپنے موبائل سے عشنا کے نمبر پر کال ملا کے دونوں موبائل پاس رکھ لیے تھے خود دونوں کل کے ٹمیسٹ کی تیاری میں مصروف ہوگئی تھیں۔ کچھ ہی دیر بعد عالیہ کے نمبر پر شیراز کی کال آنے لگی تھی۔ نمبر بزی شو ہو رہا ہوگا اور وہ یہ ہی تو چاہتی تھی کہ اس کا تجسس بڑھے۔ گیارہ مسڈ کالز کے بعد شیراز کی کال آنا بند ہوگئی تھی۔ اگلے دن کالج سے آکے اس نے خود شیراز کو کال ملائی تھی۔

"تمہاری کال آئی تھی؟" عام سے لہجے میں پوچھا تھا۔

"کل کال کی تھی اور تمہیں پوچھنے کا اب یاد آرہا ہے۔" وہ تو جلا بیٹھا تھا۔ عالیہ کو اس کا جلن اچھی لگ رہی تھی۔

"رات کال سے فری ہوتے ہوئے کافی دیر ہوگئی تھی اور صبح کالج چلی گئی اس لیے بیک رنگ نہیں کرسکی۔" ایک اور جھوٹ پھینکا تھا۔

"کس کی کال تھی جو اتنی دیر تک چلتی رہی؟" نا چاہتے ہوئے بھی وہ پوچھ بیٹھا تھا اور وہ یہ ہی تو چاہتی تھی کہ شیراز اس سے یہی سوال کرے۔

"وہ......اس کی کال تھی۔" ہاتھ میں پکڑی پینسل کو لبوں میں دبائے اس نے آواز میں اچھی طرح شرماہٹ گھولی تھی۔

وہ جو کوئی بھی ہے ناں تمہارے ساتھ ٹائم پاس کر رہا ہے اور تم اس کے ہاتھوں الو بن رہی ہو۔" وہ اپنی جلن چھپا نہیں سکا تھا۔ عالیہ کو اپنی ہنسی روکنا مشکل لگ رہی تھی۔

"آج کل کے لڑکے اپنا مطلب نکالتے ہیں بس اور بعد میں تم جیسی لڑکیاں منہ چھپائے روتی رہ جاتی ہیں۔" حقیقت کے ساتھ حسد بھی ٹپک رہا تھا۔ اس کی بات کا مطلب سمجھتے ہوئے عالیہ گڑبڑا گئی تھی۔

"وہ ایسا نہیں ہے۔" سنبھل کے فوراً جواب دیا تھا۔

"ہونہہ۔" شیراز نے سر جھٹکتے ہوئے ہنکارا بھرا تھا۔

"تمہیں پتہ ہے رات مجھ سے کہہ رہا تھا۔ عالیہ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تم سے بات نہ ہو تو مجھے ادھورا پن محسوس ہونے لگتا ہے۔ تمہاری آواز سن کے میں ہلکا پھلکا ہوجاتا ہوں۔ خدانخواستہ اگر تم مجھے نہ ملی تو میں پھر بھی تم سے رابطہ ختم نہیں کروں گا۔ چاہے تمہاری شادی اور کہیں ہوجائے میں ہر صورت تم سے بات کیا کروں گا۔" شیراز نے بغیر کچھ کہے فون بند کر دیا تھا۔

اگلے دن پھپھو کی آمد ہوئی اور شیراز کے لیے عالیہ کا ہاتھ مانگ گئیں۔ وہ تو خواب کے عالم میں کھڑی اپنے چٹکی کاٹ گئی حقیقت کا ادراک ہوا تو عشنا سے لپٹ کے جھومنے لگی۔

"تمہارا آئیڈیا تو بڑے کمال کا نکلا۔ اوہ مائی گاڈ مجھے یقین نہیں ہو رہا۔" خوشی سے ہانپتی وہ کمرے میں ادھر سے ادھر چکر کاٹ رہی تھی۔

چند دنوں بعد پھپھو کو مثبت جواب دے دیا گیا تھا۔ پیپروں میں تقریباً دو مہینے رہ گئے تھے اور چھ ماہ بعد شادی فائنل کردی گئی تھی۔

☆......☆

چھ مہینے آنکھ جھپکتے ہی گزر گئے تھے۔ پہلے پیپروں کی تیاری پھر شادی کی تیاریوں میں وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔ روز بازاروں کے چکر لگ رہے تھے۔ شیراز کو پالینے کا خیال ہی اس کے چہرے پر انوکھی تازگی اور چمک لے آیا تھا۔ محبت مل جائے تو انسان کے پیر زمین پر کہاں ٹکتے ہیں۔ وہ بھی خیالوں میں شیراز کا ہاتھ تھامے چاند، ستاروں کی سیر کر آتی۔ شادی کا دن بھی آ گیا زنک اور اسکن لہنگے میں دلہن بنی وہ سب کی نگاہوں کا مرکز تھی پاس بیٹھی عشنا اسے بار بار شیراز کے نام سے چھیڑ کر اسے شرمانے پر مجبور کردیتی۔

کچھ ہی دیر بعد وہ شیراز کے کمرے میں بیٹھی اس کے آنے کی منتظر تھی۔ دل کی دھڑکن آج انوکھے سروں سے دھڑک رہی تھی۔ شیراز کا سامنا کرنے کا خیال ہی نگاہیں جھکا لینے پر مجبور کررہا تھا اور پھر......
دروازہ کھول کے بھاری قدموں سے چلتے شیراز کو دیکھ کر اس کا سر مزید جھک گیا تھا۔ بیڈ کے پاس آکے کچھ دیر کھڑا ابرہی سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر جھٹکے سے بیڈ کے گرد لٹکتی پھولوں کی لڑیوں کو نوچ کے

پھینک دیا تھا۔ وہ حیرت کا مجسمہ بنی اسے دیکھ رہی تھی جب اسے بازو سے کھینچتے ہوئے کھڑا کیا تھا۔

"شادی کے بعد بھی وہ تم سے بات کرنے کا خواہش مند تھا، ہے ناں۔ اسے بولو اب کرے بات۔" عالیہ کا دل گہرے سمندر میں ڈوبتا چلا گیا تھا۔ ایک مذاق اسے کہاں سے کہاں لے آیا تھا۔

☆......☆

رمضان المبارک کی آمد اللہ کریم کی بابرکت رحمتوں کے سائے میں ہوئی تو سبھی نے دلجمعی سے عبادتوں کی طرف رخ موڑ لیا۔ وہ نماز، روزے کی زیادہ پابند نہیں تھی پر اس مرتبہ دل سے تمام فرائض اور نفلی عبادتوں میں سکون کی تلاش میں سرگرداں تھی۔

پندرہویں روزے کو امی کے ساتھ عشنا عیدی لیے آ گئیں۔

"تمہیں کیا ہوا؟" تنہائی ملتے ہی عشنا نے جانچتی نگاہوں سے اس کی اداس صورت کا مشاہدہ کیا تھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ زبردستی مسکرائی تھی۔

"عالیہ......" چند لحظے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے رہنے کے بعد عشنا کے پکارنے پر اس کی جھکی پلکوں پر نمی چمکنے لگی تھی۔

"کیا بات ہے مجھے نہیں بتاؤ گی۔" ٹھوڑی سے پکڑ کے اس کا چہرہ اوپر کرتے ہوئے عشنا فکر مندی سے پوچھ رہی تھی۔ آنکھوں میں سمندر بھرے وہ سب بتاتی چلی گئی تھی۔ شیراز نے اس کے مذاق کو سچ جان کر کیسے ضد میں اس سے شادی کی آنسو لکیریں بناتے گالوں پر لڑکھڑاتے رہے تھے۔

"عالیہ اتنا کچھ ہو گیا اور تم نے مجھے بتایا تک نہیں۔" عشنا دکھ و صدمے کی کیفیت سے دوچار تھی۔

"کیا بتاتی۔" آنسو پونچھتی بھیگی آواز میں بولی تھی۔

"تمہیں کم از کم شیراز بھائی کی غلط فہمی دور کرنی چاہیے تھی۔ انہیں بتانا چاہیے تھا وہ سب ایک ڈراما تھا۔ خیر تم سے تو اس عقلمندی کی توقع ہے نہیں۔ میں خود بات کرتی ہوں شیراز بھائی سے۔"

"نہیں عشنا۔" اس نے فوراً روک دیا تھا۔

"دل میں ایک مرتبہ شک جگہ بنا لے ناں تو کبھی نہیں نکلتا اگر ہم نے کوشش بھی کی تو شیراز کو یہ بھی ایک من گھڑت کہانی لگے گی۔ وہ کبھی یقین نہیں کرے گا۔" عشنا کے بازو پر سر رکھے اس کے آنسوؤں میں مزید روانی آ گئی تھی۔

☆......☆

رمضان کا بابرکت مہینا اپنے اختتام کی طرف گامزن تھا۔ اس کی پہلی عید تھی۔ پھپھو نے بہت اچھی شاپنگ کی تھی۔

اسے پا کے بھی یہ دل
ہر لمحہ لاعلاج رہا

شیراز سے محبت کرنا اسے اپنی پہلی غلطی لگتی۔ اس سے جھوٹا مذاق کرنا دوسری غلطی اور پھر اس جھوٹ کے بعد شیراز سے شادی کرنا تیسری غلطی لگتی۔

پھپھو کی زبانی اسے چاند نظر آنے کی نوید ملی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہی سفید، شلوار قمیض میں شیراز بھی چلا آیا۔ بڑے خوشگوار موڈ میں پھپھو کو چاند رات کی مبارک باد دی تھی۔ ایک طرف کھڑی وہ اسے حسرت بھری نظروں سے دیکھ کے رہ گئی۔

"شیراز تمہاری اور عالیہ کی یہ پہلی چاند رات ہے، چلو اسے باہر گھمانے لے جاؤ۔ مہندی اور چوڑیاں بھی دلوا دینا، شاباش۔" پھپھو کی بات پر اس نے ہڑبڑا کے شیراز کی طرف دیکھا تھا۔ دونوں کی نظروں کا تصادم ہوا تھا۔

"نہیں پھوپھووہ......"

"آ جاؤ، روز روز یہ آفر نہیں ملنے والی۔" براہِ راست اسے مخاطب کرتا اس کی دھڑکنوں کو بڑھا گیا تھا۔ وہ تیار ہونے کی غرض سے کمرے میں چلی آئی۔ کپڑے چینج کر کے آئینے کے سامنے کھڑی بال بنا رہی تھی جب پیچھے شیراز کا عکس نمودار ہوا تھا۔ بالوں میں برش کرتے اس کے ہاتھ تھم گئے تھے۔ اس کی گہری نظریں خود پہ محسوس کرتے ہوئے ہاتھ میں پکڑے برش کو دھیرے سے ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ کے جانے کے لیے پلٹی تھی، جب اس کا بازو پکڑے وہ اسے روک گیا تھا۔ عالیہ کا سانس اوپر کا اوپر اور نیچے کا نیچے رہ گیا تھا۔ یقیناً اب اس کی کلاس لگنے والی تھی۔ ڈری سہمی نظریں سامنے کھڑے وجود پر ڈالی تھیں جہاں غصے کی جگہ نرم گرم سے جذبات نمایاں تھے۔

"جھوٹ بولتے ہوئے تو تمہاری زبان قینچی کی طرح چلتی تھی۔ کسی طوطے کی طرح فرفر اول فول بک دیا کرتی تھیں۔ سچ بتاتے ہوئے کون سی موت پڑ گئی تھی۔" وہ ناسمجھی سے شیراز کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

"میں نے اس دن تمہاری اور عشنا کی باتیں سن لی تھیں۔" اس کی نگاہوں کا مطلب سمجھتے ہوئے وہ گویا ہوا تو عالیہ نے لب بھینچتے ہوئے نظریں جھکا لی تھیں۔

"اگر مجھے بتا دیتی تو اتنے مہینے میں بھی ان دیکھی آگ میں نہ جلتا اور تم بھی بلاوجہ اذیت نہ سہتی۔ جب میں سوچتا تھا کہ میرے علاوہ تمہاری زندگی میں کوئی تھا تو میرا دل کرتا میں پوری دنیا کو آگ لگا دوں۔ مجھے نہیں پتا مجھے تم سے محبت تھی کہ نہیں پر جب تم کسی اور کی محبت کے قصے سنایا کرتی تھیں تو مجھ سے برداشت نہیں ہوتا تھا اور جب تم نے یہ بتایا کہ وہ شادی کے بعد بھی تم سے بات کیا کرے گا تو مجھے لگا جیسے کسی نے مجھے کھلم کھلا چیلنج دیا ہو۔ میں نے غصے اور ضد میں آ کے تم سے شادی کی تھی کہ میں بھی دیکھتا ہوں میرے ہوتے ہوئے تم دونوں کیسے بات کرتے ہو۔" وہ لحظہ بھر کو رکا تھا۔

"پھر اس دن تمہاری اور عشنا کی باتیں سنی تو مجھے حقیقت معلوم ہوئی اور سچ پوچھو تب تم پر ٹوٹ کے پیار آیا تھا۔ کیسے پیارے پیارے جھوٹ بولا کرتی تھیں تم۔" اس کے انداز پر وہ جھینپ گئی تھی۔

"اور سچ تو یہ بھی ہے کہ تمہارے اس جھوٹ کی وجہ سے آج ہم ایک ہیں۔" اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنی گرفت میں لیا تھا۔

"تھینکس جھوٹ بولنے کے لیے۔" عالیہ کے چہرے پر بے ساختہ ہنسی امڈ آئی تھی۔

"پر دوبارہ ایسا جھوٹ خواب میں بھی مت بولنا ورنہ......" عالیہ نے فوراً سوالیہ نگاہیں اس کی طرف اٹھائی تھیں۔

"ورنہ......" ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ سجائے وہ اس کے قریب ہوا تو عالیہ بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹتی ڈریسنگ ٹیبل سے جا لگی تھی۔

"اگلی بار سزا ضرور ملے گی۔" اس کے چہرے پر جھکا اس کی دھڑکنیں تیز کر گیا تھا۔

"پھوپھو......" وہ اسپرنگ کی مانند اچھلتا دور ہٹا تھا۔ عالیہ ہنستی چلی گئی تھی۔

"کوئی بات نہیں۔ آنا تو میرے پاس ہی ہے ناں۔ بخشوں گا نہیں۔" پیار بھری دھمکی دی تھی۔

"دیر ہو رہی ہے اگر میری مہندی رہ گئی تو پھوپھو تمہیں نہیں بخشیں گی۔"

"اچھا سنو تو۔" پاس سے گزرتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کے پھر روکا تھا۔

"عید مبارک۔" میٹھی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے میٹھی عید کی مبارک باد دی تھی۔

"آپ کو بھی۔"

"بس ایسے ہی؟" اس نے گھورا تھا۔

"تو......" جواب میں اس نے بانہیں پھیلا دی تھیں۔

"موقع بھی ہے اور دستور بھی ہے۔"

عالیہ شرمگیں مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے دو قدم اس کی طرف چلی تھی اور پھر یکدم دروازے کی طرف دوڑ لگا دی تھی۔ اس کی ہنسی میں شیراز کی ہنسی بھی شامل تھی۔

☆......☆

ریحانہ آفتاب

عشق کی داستاں جدا ہے میری

گزشتہ اقساط کا خلاصہ:

آئنور غریب گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔ چار بہنوں میں اس کا نمبر دوسرا تھا۔ وہ سب میں حسین تھی۔ خود سے پہلے اپنے والدین اور بہنوں کی خوشی کا سوچتی تھی۔ کم عمری میں ہی اس نے گھر کی تنگدستی دور کرنے کے لیے محنت کرنا شروع کر دی تھی۔ اپنے لیے خریدی چیزیں بہنوں کے پسند آ جانے پر انہیں دے دیتی تھی۔ وہ اپنی روتی بلکتی زندگی سے عاجز تھی اس نے ٹھان لیا تھا کہ وہ کسی امیر کبیر بندے سے شادی کر کے اپنے گھر والوں کی زندگی سنوارے گی۔ دونوں چھوٹی بہنیں اس پر جان چھڑکتی تھیں۔ اس سے بڑی درخشاں کی آئنور سے ٹھنی رہتی تھی۔ وہ طنز کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھی۔ قدوس صاحب جو آئنور کے والد ہیں اولاد نرینہ نہ ہونے پر اپنی بیوی ہاجرہ کو ساری زندگی باتیں سناتے رہے۔ انہیں آئنور کا کالج جانا پسند نہیں تھا۔ ہاجرہ، آئنور کے پارلر (جو اس نے گھر میں ہی کھولا ہوا تھا اور محلے کی عورتیں بڑے پارلر میں پیسے بچانے کی خاطر اس کے پاس آتی تھیں کہ وہ کم پیسوں میں بہترین کام کرتی تھی) اور کوچنگ سے ملنے والی آمدنی کے گن گاتیں تو قدوس صاحب کی انا بلبلا جاتی تھی۔ آئنور بھی ان کی جلی کٹی کی زد میں رہتی تھی۔ عرشمان ولی جدی پشتی رئیس ہے۔ Perfection اس کی پہچان ہے۔ ذرا بھی نقص اسے برداشت نہیں خواہ وہ چیز اسے کتنی ہی عزیز کیوں نہ ہو۔ وہ اپنے کمرے سے ملحق

قسط نمبر 16





کمرے کی زینت بنا دیتا تھا مگر خود سے جدا کرنا گوارا نہیں تھا۔ عرشان ولی وجاہت کا اعلیٰ نمونہ تھا۔ وہ بے حد ہمدرد دل رکھتا تھا۔ ماہ پارہ بے حد تنک چڑھی اور ماڈرن خاتون ہیں۔ عرشان ولی کی والدہ محترمہ، فرہاد صاحب، ماہ پارہ کے مزاج کے بالکل برخلاف بہت اچھے انسان ہیں۔ ماہ پارہ اور فرہاد صاحب کی تین اولادیں ہیں۔ اسمارا بڑی بیٹی ہے جو اپنے شوہر راحیل اور تین بچوں کے ساتھ شارجہ میں رہتی ہے۔ راحیل لالچی انسان ہے۔ اسمارا، ماہ پارہ کی طرح تنک مزاج ہے۔ اسمارا سے چھوٹا شاہ میر ہے۔ حمنیٰ، شاہ میر کی بیوی ہے جسے کم صورتی کے باعث اکثر ماہ پارہ جلی کٹی سناتی تھیں۔ حمنیٰ کی شادی کو پانچ سال ہو گئے تھے وہ ابھی تک بے اولادی کا شکار تھی۔ حمنیٰ سلجھے مزاج کی لڑکی ہے۔ ماہ پارہ کی بیسٹ فرینڈ واصفہ کی دو اولاد ہے۔ کاشان اور زویا۔ کاشان بھنورا صفت انسان ہے۔ فلرٹ اس کا من پسند مشغلہ ہے۔ زویا تنک چڑھی لڑکی ہے۔ وہ عرشان ولی کو پسند کرتی ہے۔ اس کی نظر کرم حاصل کرنے کے جتن کرتی رہتی ہے۔ تینوں بچپن سے دوست ہیں۔ آئنور نے زویا سے بڑے جتن کر کے دوستی کی تھی۔ کاشان کی صورت میں محروم زندگی سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتی تھی۔ زویا نے کاشان کو چیلنج کیا تھا کہ وہ آئنور سے فلرٹ کر کے دکھائے تو وہ استاد مان لے گی۔ کاشان نے چیلنج قبول کر لیا تھا جلد ہی اس نے آئنور سے دوستی کر لی۔ اسے سوٹ اور سیل فون گفٹ کیا۔ جدید اسمارٹ فون استعمال کرنا آئنور کو مشکل لگ رہا تھا۔ عرشان ولی، کاشان کو اس کی حرکتوں پہ بے نقط کی سناتا رہتا تھا۔ اسے ان لڑکیوں پر غصہ آتا تھا جو کاشان کا شکار بنتی تھیں۔ وہ اپنی محبت اور جذبے اس کے لیے بچھائے بیٹھا تھا جو صرف اس کی ہوتی۔ ولید عرشان ولی کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ (اب آپ آگے پڑھیں)

☆......☆

آئنور کی نگاہ میں زمین و آسمان لرز رہے تھے۔ وہ جن لمحوں سے بھاگنا چاہ رہی تھی۔ جن ناموں، چہروں کو دیکھنا نہیں چاہتی تھی نام اور چہرے بار بار اس کے سامنے آ رہے تھے۔

اسکرین پر نظر آتے زویا کے نام کو دیکھ کر تمانچے کی گونج بہت زور سے محسوس ہوئی تھی۔ ساتھ ہی تمسخر اڑاتی نظریں مذاق اڑاتے قہقہے۔

''زویا کی کال؟ اتنے عرصے بعد؟'' وہ چونک کر اس کی طرف ہاتھ بڑھا گیا۔ ہاتھوں کی لرزش پر قابو پا کر سیل فون اسے تھما دیا۔ تب تک کال بند ہو چکی تھی۔

''محترمہ سے ذرا انتظار نہ ہوا تو کال ہی بند کر دی، چلو خیر ہے، میرا ابھی بات کرنے کا موڈ نہیں تھا۔'' سیل فون لے کر اس نے واپس بیڈ پر رکھ دیا۔ وہ کچھ بول نہ سکی۔ عرشان ولی کے لفظوں سے ظاہر تھا وہ اسے بہت اچھی طرح جانتا تھا اور کچھ عرصے سے ان کی بات چیت نہیں ہو رہی تھی لیکن کیوں......!

''دوست ہے آپ کی تو دوبارہ کر لے گی۔'' اپنی کیفیت چھپاتے ہوئے کہا۔ ساتھ ہی مزید جاننے کی جستجو ہوئی۔ کیا ہوا تھا جو اتنے عرصے میں عرشان ولی نے کبھی اس کے سامنے زویا کا نام تک نہیں لیا تھا اور آج وہ ایک دم سے سامنے آ گئی تھی۔

''ایکچولی میں ہر ریلیشن میں پیورٹی چاہتا ہوں، تو تمہیں انفارم کرنا ضروری ہے کہ یہ زویا کون ہے۔ اس کی تصویر تو تم نے دیکھ لی البم میں۔ زویا اور کاشان اچھے دوست تھے۔ مما اور واصفہ آنٹی کی خواہش تھی کہ میں زویا سے شادی کروں۔ خود زویا کی بھی یہ ہی خواہش تھی۔'' عرشان ولی اس کی سوچوں کے عین مطابق خود ہی اس کی ہر الجھن سلجھانے لگا۔ آئنور شاکڈ رہ گئی تھی۔ یہ جان کر کے نا صرف ماہ پارہ بلکہ زویا کی بھی یہ ہی خواہش تھی۔ وہ عرشان ولی کا چہرہ دیکھنے لگی تھی۔ آئنور کا ہاتھ ہاتھ میں لے کر اس کی انگلیوں میں اپنی انگلیاں پیوست کر لی تھیں۔

''زویا کبھی بھی لائف پارٹنر کے فریم میں فٹ نہیں ہو سکتی تھی۔ نہ ہی میں نے کبھی اسے اس نظر سے دیکھا تھا۔ میں نے انکار کر دیا۔ سب نے بہت کوشش کی۔ ان ہی دنوں میں نے پہلی بار تمہیں آفس میں دیکھا اور پھر کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ میں زویا کیا کسی بھی اور لڑکی کے لیے مان جاتا۔ میرے انکار پر زویا کو بہت برا لگا۔ اس نے دوستی ختم کر دی۔ مما اور واصفہ آنٹی کے تعلقات میں بھی کافی فرق پڑا اور آج جانے کیوں اتنے دنوں بعد اسے کال کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ میرے انکار کے بعد دونوں فیملیز کے تعلقات میں کافی دوری آ گئی۔ عرصہ ہوا کاشان سے بھی بات نہیں ہوئی۔ دونوں بہن بھائی ہم مزاج ہیں۔ تمہیں بتاؤں، دونوں میں بیٹ لگی تھی کہ کاشان، زویا کی کلاس فیلو کے ساتھ فلرٹ کرے گا اور آخر میں خبر ہوئی وہ لڑکی ہی ان کے ساتھ فلرٹ کر گئی۔ وہ غریب لڑکی امیر بننے کے خواب دیکھ رہی تھی۔'' عرشان ولی کہہ رہا تھا اور آئنور کا دم سینے میں اٹکنے لگا۔ اس کے اندر بے پناہ خوف سمٹ آیا تھا۔ عرشان ولی سب جانتا ہے، یہ حقیقت اسے مزید ہراساں کر گئی۔

''بہت فلرٹی ہے یہ کاشان لیکن اس سے کہیں زیادہ مجھے ان لڑکیوں پر غصہ آتا ہے جو اس کے ہاتھ چڑھتی ہیں۔'' وہ کہہ رہا تھا اور آئنور کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کیسے اپنا ماضی بدل آئے۔ اس کا دل ڈر رہا تھا کہ اگرچہ عرشان ولی کو خبر ہو جائے تو کیا ہوگا۔ اپنے پیر پر رکھے اس کے گھنے بالوں والے سر کو دیکھتے اس کی نگاہیں دھندلی ہو رہی تھیں۔

☆......☆

کبھی کبھی لگتا ہے ضبط کا دامن ہاتھ سے چھوٹ رہا ہے۔ حمنیٰ بھی ضبط کرتے کرتے تھک گئی تو سسک سسک کر رونے لگی۔ وہ باخبر تھی کہ ماہ پارہ اسے پسند نہیں کرتیں لیکن ان کی نفرت اس انتہا کو چھو رہی تھی۔ یہ اس کے گمان میں نہیں تھا۔ جانے کب سے کن کن ہتھکنڈوں سے وہ اس کی کوکھ اجاڑ رہی تھیں، اسے نامکمل کرنے کا کھیل کھیل رہی تھیں۔

دروازہ کھلنے کی آواز آئی تو وہ اپنے آنسو خشک کرتی رخ پھیر گئی لیکن آنکھیں بار بار برس رہی تھیں۔

''تمہیں کیا ہوا، طبیعت تو ٹھیک ہے؟'' شاہ میر کی نظر اس کے روتے ہوئے چہرے پر پڑی تو وہ پریشان سا ہو گیا۔ وہ کچھ بول نہ سکی۔

''حمنیٰ! کیا پچھلی بات کو لے کر پریشان ہو؟'' شاہ میر شرمندہ تھا۔

''میں نے معافی تو مانگی نہ تم سے۔''

''وہ بات نہیں، حمزہ تو واپس چلا بھی گیا۔ میرے سر میں درد ہے۔'' وہ دھیمی آواز سے کہہ گئی۔

''میڈیسن لی؟ چائے بنواؤں تمہارے لیے؟'' وہ اس کے پاس ہی بیٹھ گیا۔ چائے کا سن کر اس کے اندر سے نفرت بھری آہ نکلی۔

''تم مجھ سے کتنی محبت کرتے ہو؟'' وہ جیسے اچانک کسی فیصلے پر پہنچ گئی تھی۔ تب ہی اس سے سوال کرنے لگی۔

''اتنی محبت کہ اس کا اندازہ تم اس بات سے لگا سکتی ہو کہ تمہاری توجہ ذرا سی حمزہ کی طرف بڑھی تو میں نے الٹا سیدھا بول دیا۔'' وہ محبت سے دیکھتے اس کی پیشانی پر آئے بال اوپر کرنے لگا۔

''میں اب مزید یہاں نہیں رہ سکتی، میرے لیے الگ گھر لو۔'' وہ دوٹوک انداز میں کہہ کر اس کی شکل دیکھنے لگی۔ شاہ میر جو اس خیال سے مسکرا رہا تھا کہ جانے وہ محبت کا کون سا ثبوت مانگتی ہے لیکن غیر متوقع ڈیمانڈ پر وہ ایک دم چپ ہو گیا۔ مسکراتے لب ساکت ہو گئے۔

''ایسی کیا بات ہو گئی جو تم نے ایک دم سے فیصلہ کر لیا؟'' وہ جاننا چاہتا تھا لیکن وجہ ایسی تھی کہ وہ بتا بھی دیتی

تب بھی وہ یقین نہ کرتا اس لیے کوشش فضول تھی۔

"پانچ سال بہت ہوتے ہیں تم گواہ ہو تمہاری مما کی میں نے ہر بات برداشت کی لیکن انہیں خود سے محبت کرنے پر مجبور نہ کر سکی۔ کسی کی ناپسندیدگی کی زد میں رہنا آسان نہیں ہوتا اور اب مجھے اچھی طرح احساس ہو گیا ہے کہ وہ مجھ سے کبھی راضی نہیں ہوں گی تو میرا یہاں نہ رہنا ہی بہتر ہے اس لیے میں تم سے الگ گھر کی ڈیمانڈ کر رہی ہوں۔"

وہ حمنی کو بغور دیکھ رہا تھا۔ اس کے تاثرات سے ظاہر تھا کہ وہ فیصلہ کر چکی ہے اور اب اس کا فیصلہ سننے کے لیے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شاہ میر کے چہرے پر شش و پنج کے تاثرات آ گئے تھے۔

☆......☆

"بڑے افسوس کی بات ہے ماہ پارہ، تم نے عرشان کی شادی کر دی اور مجھے بلانا تک گوارا نہیں کیا۔" واصفہ کال پر گلہ کر رہی تھیں۔ ماہ پارہ عرصے بعد ان کی کال اور گلہ پر ایک ثانیے کے لیے چپ رہ گئیں۔

"سوری اور سوری، ہاں یہ غلطی تو مجھ سے ہو گئی لیکن تم انگلینڈ گئی ہوئی تھیں اس لیے بھی انوائیٹ نہ کر سکی۔"

"چھوڑو یہ باتیں نہ بلانے کے سو بہانے ہیں۔" واصفہ ماہ پارہ کی باتیں سن کر برا مان گئیں۔ انہیں اس بات کا بھی دکھ تھا کہ عرشان نے شادی کر لی تھی، ان کی زویا سے نہیں بلکہ کسی اور سے۔

"اب تم سے کیا چھپانا واصفہ ایک وجہ تو یہی ہے کہ تم انگلینڈ میں تھیں۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ مجھے آج تک افسوس ہے کہ زویا کی شادی عرشان سے نہ ہو سکی۔ کس منہ سے بلاتی، تمہارا سامنا کرتی۔"

"ہاں ہمیں نہ بلا کر بہو تو پھر بھی لے ہی آئیں نا گھر۔ اب کہاں گیا تمہارا دکھ؟" واصفہ کو یقین نہ آیا۔

"بے شک عرشان کی ضد پر بیاہ لائی ہوں ورنہ بیٹا کھو دیتی میں نے آنئور کو بہو کے روپ میں قبول نہیں کیا اور نہ کبھی کروں گی۔" ماہ پارہ کا لہجہ تلخی لیے ہوئے تھا۔ واصفہ کے علم میں تھا کہ زویا ماہ پارہ کی اولین پسند تھی، بہو کو انہوں نے مارے باندھے قبول کیا ہو گا اور اب ان کے لہجے سے بہو کے لیے بے زاری بھرے جملے سن کر ان کے موڈ پر خوشگوار اثر پڑا۔

"میری آج بھی اولین خواہش ہے کہ عرشان کسی طرح آنئور کو طلاق دے دے اور میں زویا سے اس کی شادی کر دوں۔" ماہ پارہ کی دلی خواہش جان کر واصفہ کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

"دوسری شادی کے لیے طلاق کی کیا ضرورت ہے۔ عرشان پر کون سی پابندی ہے کہ وہ دوسری شادی نہیں کر سکتا۔ تم اسے زویا سے شادی کے لیے منا لو۔ باقی طلاق زویا خود دلوا دے گی شادی کے بعد۔" واصفہ کی بات پہ ماہ پارہ اپنی جگہ سے اک دم اچھل پڑیں۔

"سچ واصفہ، تم اب بھی راضی ہو؟" ماہ پارہ کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

"عرشان کی شادی میری زویا سے ہو جائے، اس سے بڑی خوشی میرے لیے اور کیا ہو گی، سچ پوچھو تو عرشان کے انکار کے بعد سے میری زویا بہت بدل گئی ہے، بہت صدمہ پہنچا ہے اسے۔" واصفہ کی نظروں میں بیٹی کی باغیانہ روش اور عادت کا منظر گھوم گیا۔

"بس تو پھر طے ہے کہ عرشان کی شادی زویا سے ہو گی۔ تم آؤ کسی دن گھر۔ بہت دن ہو گئے زویا سے ملے ہوئے۔" ماہ پارہ اور واصفہ پرانے انداز میں گھل مل کے باتیں کر رہی تھیں اور یہ سب سنتی آنئور دیوار سے لگ گئی تھی۔ زویا اور عرشان کی شادی...... اسے ماہ پارہ کے ارادے ٹھیک نہیں لگ رہے تھے۔

☆......☆

''مجھے تو دال میں کچھ کالا لگ رہا ہے۔ تمہارے میاں کے ارادے کیا ہیں، ایویں تو وہ یہ کروڑوں کا اپارٹمنٹ اور جنرل اسٹور کھول کر نہیں دے گیا کہ کوئی نہ کوئی مفاد تو پوشیدہ ہوگا اس کا۔ بڑے لوگ کب بنا مفاد کے کسی پر ایک روپیہ خرچ کرتے ہیں۔''

ماہ پارہ کی باتیں سن کر اس کا دل پریشان ہوگیا تھا۔ عرشمان ولی نے استفسار کیا تو وہ گھر والوں کی یاد آ رہی ہے کہہ کر بہانہ بنا گئی۔ اس کی پریشانی دور کرنے کے لیے وہ اسے صبح ہی چھوڑ گیا تھا۔ سونی تو اسکول گئی ہوئی تھی اس کے بورڈ کے پیپرز ہو رہے تھے۔ قدوس صاحب اسٹور پر تھے۔ گھر میں صرف ہاجرہ اور روبی تھی۔ دونوں نے خوش دلی سے خوش آمدید کہا تھا۔ روبی تو اسے دیکھتے ہی لپٹ گئی تھی۔ سونی بھی پیپر دے کر لوٹ آئی تو اپنے پیپر کی تفصیلات بتاتی رہی۔ اس کے روکنے کے باوجود ہاجرہ نے خود ہی کھانا تیار کرلیا تھا۔

''اماں! میں اب سے نہیں آؤں گی آپ کے گھر۔ آپ مہمانوں والا سلوک کرتی ہیں میرے ساتھ۔'' ہاجرہ کسی بھی کام کو ہاتھ لگانے نہیں دے رہی تھیں جس پر وہ ٹھنک کے بولنے لگی۔

''ویسے آپس کی بات ہے آئنور ہم سب کو تمہاری شادی کے بعد سے یہ ہی فیلنگ آ رہی ہے کہ تم بہو ہو اور عرشمان بھائی اس گھر کے بیٹے۔''

سونی نے بھی لقمہ دیا تو وہ اسے گھور کے مسکرا دی۔

حقیقتاً ایسا ہی تھا۔ عرشمان ولی ایک ایک فرد سے جس طرح گھل مل گیا تھا اس سے کہیں گمان نہیں ہوتا تھا کہ وہ اس گھر کا داماد ہے۔ اس نے واضح طور پر محسوس کیا تھا کہ یہاں آ کے اپنوں سے مل کے اس کا موڈ کچھ خوشگوار ہوا تھا۔

اور اس وقت سب کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے جب درخشاں بھی آصف کے ساتھ چلی آئی۔

''عرشمان ولی نے انہیں اپارٹمنٹ لے کر دیا ہے جس میں وہ سب شفٹ ہو گئے ہیں اور قدوس صاحب جنرل اسٹور چلا رہے ہیں۔'' یہ سب سن کر درخشاں تو کب سے آنے کے لیے مچل رہی تھی مگر آصف کو ہی اپنے اسٹال سے فرصت نہیں مل رہی تھی اور آج درخشاں لڑ جھگڑ کر اسے لے ہی آئی تھی۔

اپارٹمنٹ کی ایک ایک چیز کو وہ نخوت سے دیکھتی دل ہی دل میں متاثر ہو رہی تھی۔ آصف بھی یہ سن کر متاثر ہو گیا تھا کہ یہ سب عرشمان ولی نے کیا ہے۔ درخشاں کی نسبت وہ اچھی فطرت کا مالک تھا۔ اس نے کھلے دل سے ہر چیز کی تعریف کی تھی۔ وہ جانا چاہ رہا تھا تاکہ شام کو درخشاں کو لینے آ سکے لیکن ہاجرہ نے جلدی سے دسترخوان لگا کر اسے بٹھا لیا۔

قدوس صاحب بھی کھانا کھانے آ گئے تھے۔ وہ دن کا کھانا گھر آ کر ہی کھاتے تھے۔ نماز ظہر کے لیے اسٹور کو بند کر کے نماز ظہر ادا کر کے گھر میں کھانا کھا کر تھوڑی دیر آرام کر کے دوبارہ اسٹور چلے جاتے تھے۔ آنے جانے کا مسئلہ بھی حل ہو گیا تھا کہ عرشمان ولی نے انہیں اسکوٹر دلا دی تھی۔ وہ تو گاڑی کا تکلف کر رہا تھا لیکن قدوس صاحب نے اسکوٹر پر اکتفا کیا کہ وہ مزید اس کے زیر بار نہیں ہونا چاہتے تھے۔

اسٹور پر دو لڑکے بھی کام کرتے تھے۔ وہ بھی وقفہ میں کھانا کھانے چلے جاتے تھے۔ وہ نماز پنجگانہ ادا کرنے لگے تھے۔ اس تبدیلی پہ ہاجرہ سمیت سب کو خوشی ہوئی تھی۔

ہاجرہ کو اپنی مصیبت بھری رات کی سحر مل گئی تھی لیکن یہ بھی عرشمان ولی کی عنایت کی بدولت ہوا تھا۔ اگر جو وہ ان کے لیے آسانیاں فراہم نہ کرتا تو وہ چند ہزار کی نوکری میں گھر کا کرایہ، گیس بجلی کے بل، بیٹیوں کے بڑھتے

قد اور روز کے گھریلو خرچے پر ایک دوسرے سے لڑ لڑ کر زندگی حرام کرتے رہتے۔

سونی نے انہیں فون پر بتا دیا تھا کہ آئنور اور درخشاں بھی آئی ہوئی ہیں۔ تب ہی آتے ہوئے وہ بیٹیوں کے لیے نمکو بسکٹ، پھل اور جوس لیتے آئے تھے۔ درخشاں آنکھیں پھاڑ کر ان کے ہاتھ میں موجود شاپرز کو دیکھ رہی تھی اور قدوس صاحب کو بھی جو ہاجرہ کو ہدایت کر رہے تھے کہ شام کی چائے پر بیٹیوں کو اچھی طرح کھلا دینا۔ سونی جوس اور پھل جمبو سائز فریج میں رکھنے لگی تو درخشاں کی زبان میں خارش ہوئی اور اندر کا زہر اس نے لفظوں کی صورت اگل دیا۔

دسترخوان پر موجود تمام اشخاص ایک پل کو ساکت رہ گئے تھے۔ آصف جو مزے سے کوفتے بریانی کھا رہا تھا (اسے بچی بوٹیاں یاد آ گئی تھیں) ایسے میں درخشاں کی گوہر افشانی پر اسے تاسف سے دیکھ کے رہ گیا۔

''کچھ لوگ صرف اسی شخص کا خیال نہیں رکھتے جو اس سے جڑا ہو بلکہ اس سے جڑے لوگوں کی بھی اتنی ہی پروا کرتے ہیں عرشمان میری فیملی کو اپنی فیملی سمجھتے ہیں اور وہ وہی آسائش، آسانیاں پیدا کرتے ہیں جو میں اپنی فیملی کے لیے سوچتی ہوں۔ عرشمان کا کوئی مفاد پوشیدہ نہیں ہے درخشاں، تم بے فکر رہو۔''

آئنور کو عرشمان ولی کے لیے درخشاں کے الفاظ چبھے ضرور مگر حسب عادت اس نے نرمی سے کہا تو درخشاں نخوت سے اس کے خوب صورت چہرے کو دیکھتی رہ گئی۔ کانوں میں پڑے ڈائمنڈ کے ٹاپس، نازک سی چین میں ڈائمنڈ کا چھوٹا سا دل اس کی سانس کی تلی سے ذرا نیچے دمک رہا تھا۔ ہر آتی جاتی سانس کے ساتھ یہ ڈائمنڈ کا ننھا سا دل ایک پل کو چمکتا ضرور تھا۔

''کچھ لوگ بلا کے خودغرض ہوتے ہیں۔ میں کھالوں، میں پہن لوں، میں عیش کرلوں ہی سوچتے ہیں۔ عرشمان بھائی کی نیچر آئنور جیسی ہے جیسے یہ پہلے ہم کے لیے سوچتی تھی۔ عرشمان بھائی بھی سب سے پہلے اس کی خوشی کا سوچتے ہیں۔ ابا نے تو انہیں ہر ماہ ایک رقم دینے کی بھی کوشش کی لیکن وہ ناراض ہونے لگے۔ آپ ایسی باتیں کر کے ابا کی عزت نفس نہ کچلیں آپی کہ وہ خود کو عرشمان بھائی کا زیر ماتحت سمجھیں۔'' سونی کو ہمیشہ کی طرح درخشاں کی کتر کتر چلتی زبان پر غصہ آیا تھا کہ وہ بولنے سے پہلے سوچتی نہیں تھی یا پھر دوسرے کا دل جلا کر اسے خوشی ملتی تھی۔

قدوس صاحب بھی ایک لمحے کے لیے چپ سے ہو گئے تھے لیکن سونی کی بات پر انہیں تقویت ملی۔

''عرشمان ولی کے پاس ایک خوب صورت دل ہے جس کی وجہ سے وہ ہر دل عزیز ہے اس نے کہا ہے کہ میں اسے کچھ واپس نہ کروں، بس روبی، سونی کی فکر کروں۔ جب دونوں کی شادی ہو جائے گی تو وہ خود مجھ سے مانگ لے گا۔ مجھے پتا ہے یہ بھی اس نے میرا دل رکھنے کو کہا ہے۔ لینا اس نے تب بھی کچھ نہیں ہے۔'' قدوس صاحب کہتے ہوئے مسکرا رہے تھے۔ سب کو عرشمان ولی کی تعریفیں کرتے دیکھ کر درخشاں کو چپ ہی ہونا پڑا۔

''تم مجھے آصف بھائی کا نمبر دے دینا۔ عرشمان کہہ رہے تھے وہ آصف بھائی سے بات کرنا چاہتے ہیں۔'' آئنور نے کہا تو درخشاں کے کان کھڑے ہو گئے۔

''آصف سے کیا بات کرنی ہے؟'' آصف بھی استعجابیہ نظروں سے آئنور کو دیکھ رہا تھا۔ درخشاں نے تجسس سے استفسار کیا۔

''میں نے کہا نا، عرشمان بھائی سب کے دن پھیرنے کی کوشش کرتے ہیں اب شاید آصف بھائی کے دن پھرنے والے ہیں۔ ساتھ ہی آپ کے کہ آپ آئنور کی بڑی بہن ہیں۔'' سونی نے جتاتی ہوئی نظر ڈالی۔ درخشاں کی باچھیں چر گئی تھیں۔

''ہیں واقعی ...... اچھا ...... لکھو ...... لکھو آصف کا نمبر بلکہ رکو میں آصف کے نمبر سے تمہیں مس کال دیتی ہوں سیو کرلو۔'' درخشاں اتاولے پن سے کہتے آصف کے کہنے سے پہلے ہی اس کا سیل فون جھٹ سے اٹھا کر آنئور کو مس کال دینے لگی۔ آصف نے روکنا چاہا کہ اس کی خودداری کا سوال تھا مگر درخشاں نے بری طرح اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔ سونی کے لبوں پر تمسخرانہ مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔

''جلدی سے سیو کرلو، آصف کے نام سے اِدھر اُدھر نہ کھو جائے لسٹ میں نمبر۔''

''توبہ ہے درخشاں، پہلے سکون سے کھانا کھالے اور سب کو کھانے دے۔'' ہاجرہ بیگم ناگواری سے اسے ٹوک کے رہ گئیں اور اسے اس وقت تک چین نہیں آیا۔ جب تک آنئور نے سیو کرکے دکھا نہیں دیا۔

☆......☆

''لوگ اب اتنے مغرور ہوگئے ہیں کہ بچپن کے دوستوں کی کال پک کرنا بھی گوارا نہیں کرتے۔'' وہ میٹنگ میں بری طرح بزی تھا۔ زویا کی مسلسل آتی کال پر ایک نظر ڈال کر اگنور کرتا رہا لیکن جب چند لمحوں کی بریک ہوئی اور کال مسلسل آنے لگی تو بالآخر اس نے پک کر ہی لی۔ پک کرتے ہی زویا کا طنزیہ لب و لہجہ سماعت سے ٹکرایا تھا۔

''میٹنگ چل رہی ہے، کہو کیسے یاد آئی، اتنے عرصے بعد۔'' عام سے لب و لہجے میں سچائی بیان کرکے استفسار کیا۔

''مجھے تو یاد آ بھی گئی، تمہیں تو اتنی توفیق بھی نہیں ہوئی۔'' وہ ہنوز طنز فرما رہی تھی۔

''زندگی اتنی مصروف اور سمٹ گئی ہے کہ موقع ہی نہیں ملتا کسی کو یاد کرنے کا۔'' حسب روایت اس نے ایسا جملہ کہا کہ زویا کو اپنی ساری خوش فہمی کو سائیڈ لگانا پڑا۔

''کہیں بیوی کا نام، مصروفیت تو نہیں؟'' طنز کیا۔

''نہیں وہ تو زندگی ہے۔'' عرشمان ولی کی مسکراتی آواز اور لہجے سے جھلکتی تازگی پر زویا کو شعلوں نے گھیر لیا۔

''چھپ چھپاتے شادی بھی کرلی، اتنا ڈر تھا کہ مجھے انوائیٹ تک نہیں کیا۔'' لہجہ تمسخرانہ تھا۔

''چھپ چھپاتے کہاں، سنت نبویؐ کے مطابق سادگی سے نکاح کیا اور علی الاعلان ولیمہ کیا، جس میں ہزاروں لوگ مدعو تھے۔ چھپ چھپاتے تو تم ملک سے فرار ہوئی تھیں اور اب لوٹی ہو تو میگزینز میں نظر آرہی ہو۔''

اس کے تمسخرانہ انداز کا اس نے سچائی سے جواب دے کر اسے آئینہ دکھایا تو زویا کے چہرے پر تشویش کی ایک لہر دوڑ گئی۔ نہ جانے اس کے پاس کون سا میگزین تھا۔ حال ہی میں ایک انگلش میگ کے لیے وہ بہت بولڈ فوٹو شوٹ کروا کے لوٹی تھی۔

''کیسی ہے تمہاری بیوی، نام کیا ہے، تصویریں واٹس اپ کرو مجھے۔'' وہ جلدی سے بات بدل گئی تھی۔

''کیسی ہے کا جواب میرے لیے دنیا میں سب سے زیادہ خوب صورت ہے۔ نام میں کیا رکھا ہے کہ وہ میری زندگی ہے، رہی تصویروں کی بات تو میری بیوی کوئی سیلیبریٹی یا پبلک پراپرٹی تو ہے نہیں کہ میں اس کی تصویریں کسی کو واٹس اپ کرتا رہوں۔ وہ میری عزت ہے اور مجھے اپنی عزت کی بڑی پروا ہے۔ تصویر سے معذرت کسی دن گھر آکر بالمشافہ مل لو۔'' تصویر والی بات اسے بری طرح چبھی تھی۔

''یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں آج تک تم سے محبت کرتی ہوں تم مجھے اپنی بیوی سے ملنے کو کہہ رہے ہو۔'' اس نے جیسے مزا لیا۔

''کاٹنڈلی محبت کا راگ الاپنے کے لیے دوبارہ فون مت کرنا، ورنہ نمبر ریجیکٹ لسٹ میں ڈالتے مجھے ذرا دیر نہیں لگے گی۔'' انگلش میگ پر زویا کی عریاں تصویر والا صفحہ بند کرکے میگزین کو نفرت سے دور پھینکتے اس کے تیز لہجے میں کہی بات زویا کو زناٹے کا تھپڑ لگی تھی۔

☆......☆

''تم نے جواب نہیں دیا۔'' حمنیٰ انتظار ہی کرتی رہی تھی کہ شاہ میر کوئی جواب دے گا لیکن جب اس کی طرف سے مسلسل خاموشی رہنے لگی تو اسے پوچھنا ہی پڑا۔

''کس سلسلے میں جواب دینا تھا؟'' وہ الٹا اس سے استفسار کرنے لگا تو حمنیٰ کے ماتھے پر شکنیں پڑنے لگیں۔ لب بھینچ گئے۔ شاہ میر نے بغور اس کے تیور دیکھے۔

''میں نے الگ گھر کی ڈیمانڈ کی تھی آپ سے۔'' حمنیٰ کا لہجہ طنزیہ ہوگیا۔ شاہ میر لمبی سانس بھر کے رہ گیا۔ وہ بھولی نہیں تھی اسے تو لگا تھا وقتی غصہ ہے، یقیناً مما سے تو تو میں میں ہوئی ہوگی اور تب ہی حمنیٰ نے الگ گھر کا فیصلہ کیا ہوگا۔ اس کا خیال تھا غصہ اترنے کے بعد وہ بھول جائے گی مگر ایسا نہیں ہوا تھا، وہ انتظار کرنے کے بعد سراپا سوال تھی۔

''میں مانتا ہوں کہ تمہاری مما سے نہیں بنتی لیکن ایک شخص کی ناپسندیدگی کی وجہ سے میں باقی لوگوں کو کیوں چھوڑوں؟ وہ تو تمہیں بہت پسند کرتے ہیں۔''

شاہ میر کا انداز ناصحانہ تھا۔ وہ اپنے علم کے مطابق اسے قائل کرنا چاہ رہا تھا اگر جو اسے خبر ہوجاتی کہ حمنیٰ کے تقاضے کے پیچھے کیا وجوہات ہیں تو شاید وہ ایک پل کی بھی دیری نہیں لگاتا۔ بات بڑھنے لگی تھی۔ حمنیٰ کے غصے کا گراف بڑھنے لگا تھا، شاہ میر بھی چلا رہا تھا۔

علیحدہ گھر نہ لینے کی صورت میں حمنیٰ گھر چھوڑنے کا فیصلہ سنا چکی تھی شاہ میر شاکڈ رہ گیا تھا۔ اسی اثناء میں فریاد صاحب کی کال حمنیٰ کے نمبر پر آنے لگی تھی۔ سسر ہونے کے باوجود وہ جس طرح بیٹوں کو فون کرتے تھے اسی طرح بہوؤں کو بھی اپنی موجودگی کا احساس دلاتے رہتے تھے اور تب ہی تو حمنیٰ اتنے سالوں سے ماہ پارہ جیسی عورت کے ساتھ رہ رہی تھی کہ ایک ان کی نفرت اتنے سارے لوگوں کی محبت پر حاوی نہیں ہو پائی تھی لیکن اب پانی سر سے گزر گیا تھا۔ شاہ میر روٹھ کے بیٹھ گیا تھا اور حمنیٰ اپنا سامان پیک کرتی آنسو بہاتی فریاد صاحب کی کال پک کرگئی۔

''حمنیٰ! تم رو رہی ہو، کیوں؟ کیا ہوا ہے بیٹا؟ شاہ میر کہاں ہے؟'' اس کی متورم آواز سن کر فریاد صاحب میلوں دور بیٹھے پریشان ہوکر ایک ساتھ کئی سوال کرگئے۔

''پپا! میں اس گھر میں نہیں رہ سکتی، آپ پلیز شاہ میر کو کہیں کہ وہ میرے لیے الگ گھر کا انتظام کرے، ورنہ میں ہمیشہ کے لیے یہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔ میں نہیں چاہتی کہ اپنی فیملی کو اس مسئلے میں گھسیٹوں اور آپ سب کی عزت میری فیملی کے سامنے جائے۔ اس لیے پلیز شاہ میر کو سمجھائیں۔'' حمنیٰ، فریاد صاحب سے کہہ گئی تو شاہ میر اسے گھور کے رہ گیا۔ دوسری طرف فریاد صاحب حمنیٰ کے دوٹوک فیصلے پر کچھ پریشان سے ہوگئے۔

''ایسا کیا ہوا ہے بیٹا جو تم نے انتہائی فیصلہ کرلیا؟'' وہ جاننا چاہتے تھے۔

''بعض اوقات سچ اتنے دل شکن ہوتے ہیں، مقابل اتنے معتبر ہوتے ہیں کہ ان کے متعلق کچھ بھی کہنے سننے سے پہلے زبان کٹ کے گرنا پسند کرتی ہے۔ بات اتنی بڑی اور ہستی اتنی معتبر ہے کہ میں چاہ کر بھی آپ کو سچ نہیں بتا سکوں گی۔''

وہ اتنے پر درد لہجے میں کہہ رہی تھی کہ جہاں فریاد صاحب چپ ہوگئے وہیں شاہ میر اسے چونک کر دیکھنے لگا۔ وجہ تو اس نے کبھی جاننے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ جس لہجے میں فریاد صاحب کو گوش گزار کر رہی تھی اس پر چونک گیا تھا۔

"دھمنی! جہاں اتنا برداشت کیا ہے، وہاں کچھ دن اور کر لو۔ بیٹا میں جلد آجاؤں گا، پھر مل بیٹھ کر بات کریں گے۔ اگر تمہاری بات کی روشنی میں تمہارے حق میں فیصلہ ہوا تو بھلے تم الگ گھر میں رہ لینا۔ میں خود شاہ میر سے کرواؤں گا یہ کام۔ ابھی میری بات مان کر آپس میں مت لڑو۔ یہ میری ریکوسٹ ہے تم سے۔" فریاد صاحب اتنے حلیم لہجے میں کہہ رہے تھے کہ دھمنی کا غصے سے بیگ پیک کرتے ہاتھ ساکت ہوگئے۔

اس کے عمل کی وضاحت ہر کوئی مانگتا ہے۔ کیا وہ وضاحت کر سکتی تھی؟ کیا وہ ایک بیٹے کے سامنے اس کی ماں کا اصل چہرہ دکھا سکتی تھی؟ وہ تھک کے بیٹھ گئی۔ شاہ میر اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

☆......☆

میرے ڈھولے سجے سانول جی
تیرا من بھاوے انداز پیا
تیری باتیں گڑ، گھی شکر جیسی
تیری آنکھیں فتنہ ساز پیا
میری ہستی، نام سنوار دیا
مجھے دکھ کے پار اتار دیا
مجھے تیری ذات سہارا ہے
مجھے تیری چاہ پہ ناز پیا
میں پیار کروں، کوئی ظلم کیوں
کچھ لوگ برے ہیں جلتے ہیں
وہ من کی مستی کیا جانیں
میرا بس اک تو ہمراز پیا
تیری آگے سائباں مرضی ہے
میری بس اتنی سی عرضی ہے
بھلے جگ کی ہر شے بھول چکوں
رہے قائم عشق غاز پیا
رہے قائم عشق نماز پیا

"بڑی بے وفا بیوی ہو، میکے جا کے میاں کو بھول ہی گئیں۔ صبح سے نہ کوئی کال نہ میسج۔"

وہ سب لنچ سے فارغ ہو چکے تھے۔ قدوس صاحب اسٹور پر واپس چلے گئے تھے۔ آصف کو بھی اسٹال لگانا تھا۔ عرشان بھی رات تک لینے آنے کا کہہ کر چھوڑ گیا تھا۔ اس لیے وہ بھی ریلیکس ہوئی بیٹھی تھی۔ درخشاں کرید کرید کر اس کے بنگلے کا حدود و رقبہ، اس کے کمرے کے کرٹن کارپٹ کے کلر پوچھنے لگی تو اس نے اپنا سیل فون اسے تھما دیا۔ جس کی گیلری میں اس کی اور عرشان کی کافی سیلفیس تھیں جو وہ وقتاً فوقتاً گھر کے مختلف حصے میں

کھنچتی رہتی تھی کہ عرشان ولی ہر پل کو ہی خاص کر دیتا تھا اور وہ فوراً اس پل کو قید کر لیتی تھی۔
تصویر دیکھتی درخشاں از حد متاثر ہوگئی تھی۔ اندر کے حسد کو چھپا کر اس نے رشک بھرے انداز میں تعریف کی۔ ہر تصویر میں عرشان کی جذبے لٹاتی نظریں آنور پر اٹھی ظاہر کر رہی تھیں کہ وہ اس کے لیے کتنا پاگل تھا۔

"بہت خوش قسمت ہو تم۔" جانے وہ کیسے سراہ گئی۔ شاید اس لیے کہ ابھی اسے اپنا مطلب پورا کرنا تھا۔

"الحمدللہ! رب العزت کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔"

وہ فرحت سے مسکرائی تھی۔ اسی اثناء میں اس کا سیل فون بجنے لگا تھا۔ اسکرین پر جھلملاتی محبوب شوہر کی تصویر کو دیکھتے اس کے لب مسکرا دیے تھے۔ کال ریسیو کرتے اس کا گلہ آمیز جملہ ٹکرایا تھا وہ کھل کے مسکرا دی۔

"ناحق معصوم بیوی پر الزام ہے بے وفائی کا۔ ہرجائی تو آپ ہیں جو بیوی کو اس کے میکے چھوڑ کر اتنے بے حس ہوتے ہیں کہ خود رابطہ نہیں کرتے اور جب بیوی کرے تو نمبر بزی رکھتے ہیں۔" آنور نے بھی اسی کے جیسے لہجے میں جملہ پھینکا تو رج کے محظوظ ہوتے وہ بے ساختہ ہنسا۔

"میری ساحرہ! صبح سے میٹنگ میٹنگ کا کھیل چل رہا ہے۔ ذرا سی بھی فرصت نہیں۔ اب بھی ایک میٹنگ ان اپ ہے۔ بریک ملی تو سوچا اپنی ساحرہ کو یاد دلاؤں کہ میں تا مرگ اس کے سحر میں جکڑا قیدی ہوں۔"

"لگتا ہے میٹنگ کی بجائے اور ہی کلاس چل رہی ہے، تب ہی موڈ بڑا شاعرانہ ہو رہا ہے۔" وہ بے حد محظوظ ہوئی تھی۔ وہ ہنس دیا۔

"میری ساحرہ! تمہارے فراق میں بس نزول ہی ہوتا ہے۔" وہ اعتراف کر گیا۔

"پہلے زندگی اور اب یہ ساحرہ! کتنی محبوباؤں کے نام مجھ سے موسوم کریں گے ذکر کسی کا آڑ میری واہ......" اس کے چلبلے انداز پر عرشان ولی کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔

"قسم سے ساری تھکن دور ہوگئی تمہاری دلنشین آواز اور پیاری باتیں سن کر، جیو میری جان۔" وہ محبت سے بریز لہجے میں سراہ گیا تو وہ بھی مسکرا دی۔

"گڈ کور، میاں جی!" وہ چڑانے لگی۔ وہ ہنس پڑا۔

"تو یہ قسم لے لو جو کبھی کوئی محبوبہ رہی ہو سوائے تمہارے۔" وہ یقین دلا رہا تھا۔

"پھر نمبر کیوں بزی تھا۔ میں نے کئی بار ٹرائی کیا لیکن مسلسل انگیج تھا۔" اس نے یوں ہی پوچھ لیا۔

"بتایا نا، میٹنگ میں بزی تھا۔ سیل فون تو فری ہی تھا، ہاں زویا کی کال مسلسل آرہی تھی۔ شاید تم نے اسی وقت ٹرائی کیا ہو۔ فری ہو کر یک کی تھی اس کی کال۔" اچھے شریف شوہر کی طرح صفائی دیتے اسے ایک دم سے یاد آیا تو زویا کا نام سن کر اس کے مسکراتے لب ساکت ہوگئے۔ جس ذکر سے بچنے کی کوشش کر کے دھیان ادھر ادھر لگائی تھی وہ سانپ بن کر اس کے سامنے آجاتا تھا۔

"کیا ہوا، زویا کا نام سن کر تم چپ سی کیوں ہوگئیں؟" اس کے ایک دم سے خاموش ہو جانے پر عرشان ولی نے محسوس کر لیا۔ وہ اک دم سے چونک گئی۔

"آ...... نہیں تو۔" اس نے جھٹلانا چاہا۔

"شاید تم جیلسی، انسکیور فیل کر رہی ہو، میں نے تمہیں بتایا جو ہے کہ زویا مجھ میں انٹرسٹڈ تھی۔" وہ اندازہ لگا رہا تھا اور وہ اسے جھٹلا بھی نہ سکی۔ جھٹلاتی تو سچ بولنے کا دم کہاں سے لاتی۔

"بھلے مجھ میں کوئی لاکھ انٹرسٹڈ رہے لیکن جس طرح تم نے عرشان ولی سے پہلی بار محبت کی اسی طرح عرشان

ولی نے بھی تم سے پہلی بار محبت کی ہے۔'' اس کے تیقن بھرے لہجے پر وہ چونک گئی۔

''آپ سے کس نے کہا۔ میں نے پہلی بار آپ سے محبت کی؟''

''بس خبر ہے!'' لہجہ معنی خیز تھا۔

''اجازت بھی لوگی یا صرف باتیں کرتی رہوگی؟'' پیچھے سے سونی کی آواز آئی تو دونوں چونک گئے۔

بات کرنے کی غرض سے وہ تھوڑا الگ ہوگئی تھی۔ دھیمے سروں میں بات کررہی تھی کہ درخشاں کی نظریں اسی پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ اسے اشارے سے کچھ سمجھانا چاہ رہی تھی۔ وہ سمجھ کر اسے تسلی دینے لگی۔ سونی بولتی ہوئی گزر گئی تھی۔

''میں آپ کو ہی کال کرنے لگی تھی تاکہ اجازت لے سکوں۔ روبی، سونی باہر آئس کریم کھانے کی ضد کررہی ہیں۔ درخشاں بھی آئی ہوئی ہے۔ سب ساتھ ہیں تو ابا نے کہا بھی آئس کریم گھر بھجوا دیتے ہیں لیکن یہ ضدی لڑکیاں مان نہیں رہیں۔'' اس نے سنجیدگی سے گوش گزار کیا۔

''ہاں تو ٹھیک ہے نا، ہو آؤ باہر، تفریح ہوجائے گی۔ اس کے لیے اجازت کی کیا ضرورت ہے۔'' وہ سراہ کر حوصلہ بھی دے گیا۔

''آپ کے بنا کہیں اکیلی جاتی جو نہیں۔'' وہ جملہ مکمل نہ کرسکی۔ زویا کی کال پر بات ہوئی۔ جانے کیا بات ہوئی ہوگی؟ وہ ان ہی سوچوں میں غلطاں تھی۔

''تم پر کوئی پابندی تو نہیں ہے زندگی، جہاں مرضی آؤ جاؤ۔ مجھے تم پر خود سے بڑھ کے بھروسہ ہے۔'' وہ سحر پھونک کر اس کی آنکھوں کو نمکین پانی سے بھر گیا۔ جب اسے خبر ہوگی کہ وہ قابل بھروسا نہیں، تب وہ کیا کرے گی؟

''اگر ابھی میٹنگ نہ ہوتی تو میں خود آجاتا، سب ساتھ چلتے۔ کب تک نکلو گی تم لوگ؟''

''بس پندرہ منٹ میں۔''

''اوکے تیار بیٹھو، ڈرائیور کو کال کردیتا ہوں، وہ آجائے گا۔'' وہ تفصیل پوچھ کر اس کی مشکل دور کر گیا کہ کچھ گھنٹوں کے لیے اسے فرصت نہیں تھی۔

''زحمت نہ کریں۔ ہم آٹو یا ٹیکسی کرلیں گے۔'' وہ تکلیف دینا نہیں چاہ رہی تھی۔

''بالکل نہیں۔ ڈرائیور آرہا ہے۔ بس ڈن۔'' اس کے حتمی انداز پر وہ چپ ہوگئی۔

''چلو جی میٹنگ اسٹارٹ کرنے سگنل مل رہے ہیں بند کررہا ہوں کال اور ہاں سنو۔''

''اوکے...... جی......'' جواب دیتی وہ ہمہ تن گوش ہوگئی۔

''آئس کریم کھاتے ہوئے مس می!'' اس انوکھی فرمائش پر اس کے لبوں پر شرمیلی مسکان آگئی۔

''تم نے عرشان کو آصف کا نمبر دیا۔'' کال کے بعد وہ لوٹ آئی تو درخشاں کو اپنا کام یاد آیا۔

''میں گھر جاکر تسلی سے سارے کام کرلوں گی، تم فکر نہ کرو۔'' وہ تسلی دینے لگی۔ درخشاں اتاولی ہورہی تھی۔

''معمولی سے اسٹال سے کیسے گزارا ہوتا ہے اندازہ لگاسکتی ہو تم۔'' وہ دکھڑا رونے لگی۔

''پریشان نہ ہو، اللہ بہتر کرے گا۔'' اس نے ڈھارس دی اور جب سب نے سنا کہ عرشان ولی ڈرائیور کو بھیج رہا ہے سب مزید ایکسائیٹڈ ہوگئیں۔

☆......☆

ایک بار پھر دھتکار اس کا مقدر بنی تھی۔ یہ جلن، یہ آگ پہلے ہی کیا کم تھی کہ عرشان ولی نے اسے ٹھکرا کر کسی

اور سے شادی کرلی تھی اور وہ اتنی اچھی تھی کہ وہ اس کے گن گاتے نہیں تھک رہا تھا اس کی محبت کو ایک بار پھر قدموں تلے روند دیا تھا۔

وہ سگریٹ پر سگریٹ پھونک رہی تھی۔ کمرا دھوئیں کی آماجگاہ بن گیا تھا۔ آنکھیں سرخ ہونے لگی تھیں، پپوٹے بوجھل ہونے لگے تھے مگر سگریٹ پھونکنے کا عمل رک نہیں رہا تھا۔

کاشان اس کے روم میں داخل ہوا تو ایک لمحے کے لیے دروازہ کھول کر اسے اندر کا منظر بھی دھوئیں کے مرغولے میں نظر آیا۔

''کم از کم کھڑکی تو کھول دیا کرو اسموکنگ کرتے ہوئے۔'' دھوئیں کو ہاتھ سے منتشر کرتے اس نے آگے بڑھ کر کھڑکی کھول دی۔ اے سی چلنے کے باوجود پنکھا پوری رفتار سے چلا دیا تاکہ دھوئیں کے بادل چھٹیں۔

زویا خاموش نظروں سے اس کے عمل کو دیکھ رہی تھی۔

''کیا ہوا؟ کیوں اس قدر خود کو جلا رہی ہو۔ کتنی بار سمجھایا ہے اوور ڈوز نہ لیا کرو۔'' کاشان مقابل بیٹھ گیا۔ ایک وہی تھا جس کی باتیں اسے ناگوار نہیں گزرتی تھیں کہ دوستی بہت تھی اور اس کے انداز میں حکم نہیں ہوتا تھا۔ نہ ہی وہ روک ٹوک کا قائل تھا۔

''عرشان ولی سے بات کی تھی۔'' لفظ چبا کر وہ جیسے اطلاع دینے لگی۔

''کیا ضرورت تھی خود کو اذیت دینے والی بات ہے۔'' کاشان کو بہن کے لیے افسوس ہوا۔

''جانے اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے؟ جس دن اس کی کوئی کمزوری میرے ہاتھ لگی، دیکھنا کیسے بیچ چوراہے پر ذلیل کروں گی کہ یاد کرے گا، کبھی کسی زویا سے واسطہ پڑا تھا۔'' وہ ناگن کی طرح پھنکار رہی تھی۔

''مشکل تو یہ ہے کہ اس کی کوئی کمزوری نہیں ہے۔'' کاشان طائرانہ نگاہ عرشان ولی کی زندگی پر ڈال رہا تھا۔

''تھی نہیں، لیکن اب بن گئی ہے۔'' زویا کا انداز پرسوچ تھا۔

''کون؟'' کاشان نے حیرت کا اظہار کیا۔

''اس کی بیوی!'' زویا نے لال آنکھوں سے اسے دیکھا۔

''پتا کرو، کون ہے کہاں سے ہے، بڑا غرور تھا بیوی کے لیے اس کے لہجے میں۔''

''کیا کروگی اس کی بیوی کے متعلق جان کے۔'' اسے سمجھ نہیں آئی۔

''کسی کو کریکٹر لیس ثابت کرنے میں دیر کتنی لگتی ہے۔ چند نیک تصاویر، چند باتیں اور بس۔'' زویا کا شاطر ذہن آنکھوں سے جھلکنے لگا تھا۔

''اس سے کیا ہوگا، تمہیں عرشان مل جائے گا؟'' اس نے جاننا چاہا۔

''کم از کم سکون ضرور ملے گا۔ جب عرشان ولی تڑپے گا۔ تصویر دکھانے کا کہا تو بولنے لگا میری بیوی پبلک پراپرٹی نہیں ہے اسے آٹھ آٹھ آنسو نہ رلایا تو میرا نام زویا نہیں۔'' وہ عزم سے کہہ کر پھر سے کش لگانے لگی۔

☆......☆

ڈرائیور آچکا تھا۔ وہ سب بھاگم دوڑی میں تیار ہورہی تھیں۔ روبی کو میچنگ دوپٹا نہیں مل رہا تھا تو درخشاں اپنے میک اپ سے مطمئن ہوتی نظر نہیں آرہی تھی۔ عرشان ولی کے اصرار پر ہاجرہ بھی ساتھ ہولی تھیں۔ لگژری کار میں بیٹھتے سب کے احساسات خوشگوار ہورہے تھے۔

درخشاں، آنئور کی قسمت پر رشک وحسد میں مصروف تھی اور جب آنئور نے ڈرائیور کو نزدیکی آئس کریم پارلر

چلنے کو کہا تو اس نے یہ کہہ کر معذرت کرلی کہ عرشمان ولی کی ہدایت کہیں اور کی ہے اور وہ ٹیبل بھی بک کرا چکا ہے۔ اس کے لیے آسانیاں وہ شخص اس کی سوچ سے پہلے ہی کر دیتا تھا۔ وہ ریلیکس ہو کر بیٹھ گئی تھی اور جب گاڑی مہنگے ریسٹورنٹ پر رکی تو وہ سب باہر سے ہی دیکھ کے دنگ رہ گئیں۔

"ہائے اللہ! مجھے تو بہت ڈر لگ رہا ہے آپی میرا ہاتھ پکڑو۔ کہیں اس چکنے فرش پر سب کے سامنے سلپ ہو کر گر ہی نہ جاؤں۔"

باوردی گارڈ نے دروازہ کھولا تو روبی چمچماتے فرش پر ڈر ڈر کے قدم رکھتی آنسور کے کان میں منمنائی۔

آنسور نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا تو اس کی چال کی لڑکھڑاہٹ دور ہوئی۔

"آپ تو بہت پُراعتماد نظر آرہی ہیں آپی۔ خوب پریکٹس کروادی ہے عرشمان بھائی نے۔"

وہ سراہ رہی تھی۔ وہ سب پہلی بار اتنے مہنگے ریسٹورنٹ میں موجود اردگرد سے متاثر ہوئی، بے اعتمادی کا شکار نظر آرہی تھیں۔

عرشمان ولی کے حوالے سے ویٹر احترام سے انہیں ان کی ٹیبل تک لے گیا تھا۔

"تو بہ ایسی جگہوں پر کبھی آنا نہیں ہوا۔ ہم تو گلی کی نکڑ سے آئس کریم کھا کر ہی خوش ہو جاتے تھے۔ یہاں تو خوداعتمادی کی اتنی کمی محسوس ہو رہی ہے جیسے ہر کوئی ہمیں ہی دیکھ رہا ہے۔ حالانکہ ایسا ہے نہیں۔"

سونی بھی اپنے تاثرات بیان کر گئی۔

"ایسا صرف اس لیے لگ رہا ہے کیونکہ تم ایسا محسوس کر رہی ہو۔ تم پہلی بار ایسی جگہ پر آئی ہو۔ یہ صرف تم جانتی ہو باقی سب نہیں۔ کانشس نہ ہو، ریلیکس فیل کرو۔ آئس کریم کھاتے ہوئے بڑے لوگوں کا لی کرتا ہے لیکن وہ اوہ نو وِن سور کہہ گزر جاتے ہیں جب کہ ہم سے گر جائے تو ہم خود کو ہی لعن طعن کرنے لگتے ہیں کہ کھانے کی تمیز نہیں...... وغیرہ۔"

آنسور بڑی خوب صورتی سے انہیں احساس دلا گئی تھی کہ وہ سب ریلیکس ہو کر انجوائے کریں۔ احساس کمتری میں مبتلا نہ ہو جائیں اور اس کے لفظوں کا خاطر خواہ اثر ہوا تھا۔ سب کے اعصاب جو کھچاؤ کا شکار تھے۔ نارمل ہونے لگے۔

"ہم سب تو پہلی بار آئے ہیں یہاں۔ تم تو آتی جاتی رہتی ہوگی۔"

"ہاں تقریباً تمام اچھے ریسٹورنٹ، ہوٹل دیکھ لیے۔ عرشمان روز ہی رات کو باہر نکلتے ہیں لے کر۔"

درخشاں کے سوال کا اس نے خوش دلی سے جواب دیا تھا۔ روبی سونی کو مینو کارڈ سے فلیور پسند کرنے کا کہہ رہی تھی۔ ویٹر کے آنے پر خوداعتمادی سے آرڈر لکھوانے لگی تو ہاجرہ نظر ہی نظر میں اس کی خوشیوں کو نظر نہ لگنے کی دعا کرنے لگیں۔ آئس کریم انجوائے کرتے وہ سب خوش نظر آرہی تھیں۔

"آپی میں اب فالودہ کھاؤں گی۔ بہت مزے کی ہے۔" اپنی آئس کریم ختم کر کے اس کے کپ سے فالودہ کھاتی روبی نے فرمائش کر دی۔

"کیا ندیدہ پن ہے روبی۔" روبی کی فرمائش پر ہاجرہ گھر کنے لگیں تو آنسور نے ویٹر کو اشارے سے بلایا روبی چہک رہ گئی۔

"کھانے دیں نا اماں، بل عرشمان کے اکاؤنٹ سے ہی جائے گا۔ پھر میرے پاس بھی ڈیبٹ کارڈ ہے۔ پیسوں کی فکر نہ کریں۔ درخشاں، سونی تم لوگوں کے لیے منگواؤں؟"

ہاجرہ کو سمجھاتی وہ ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئی جو درزیدہ نظروں سے ہاجرہ کو دیکھ رہی تھیں۔ مبادا وہ انہیں ہی نہ سنا دیں کہ ان کا بھی دل چاہ رہا تھا آئس کریم سے بھی کسی کا پیٹ بھرا ہے۔

"ماشاءاللہ! بڑی جلدی ترقی کی ہے تم نے۔ میں بھی پیسوں کی وجہ سے بیٹھی تھی کہ مہنگے ریسٹورنٹ کی آئس کریم بنگڑ کی قلفی سے تو کہیں زیادہ مہنگی ہی ہوگی، لیکن جب پیسوں کی ٹینشن نہیں ہے تو منگوالو۔"

درخشاں نے متاثر ہوتے ہوئے کہا۔ پہلی بار اس کے لہجے میں آنسور کے لیے نفرت نہیں تھی۔ وہ مسکرا کر ویٹر کا انتظار کرنے لگی۔

"تم سب نا کہیں جانے کے لائق نہیں ہو۔ بل عرشمان کے کھاتے سے ہی جائے گا کہ اس نے بکنگ کروائی ہے لیکن کیا سوچے گا اتنا بل دیکھ کے کہ ندیدے لوگ ہزاروں کی آئس کریم، فالودہ کھا گئے۔" ہاجرہ کے چڑ کے بولنے پر آنسور ہنستے ہوئے انہیں تھام گئی۔

"عرشمان ایسا کچھ نہیں سوچتے آپ ٹینشن نہ لیں۔ آپ کے لیے اپنے والا فلیور منگواتی ہوں، ٹرائی کریں، بہت مزے کا ہے۔"

انہیں بہلاتی وہ دوبارہ آرڈر کر گئی تھی۔ ہنسی مذاق میں آئس کریم کھاتے اس کی نظریوں ہی دائیں سائیڈ پر قدرے دور کی ٹیبل پر اٹھ گئی تھی اور جیسے ٹھٹک گئی۔ دو آنکھیں معنی خیزی سے اس پر ٹکی ہوئی تھیں۔ تیور بھی کچھ اچھے نہ لگ رہے تھے۔ اتنے عرصے بعد کاشان کو چند فٹ کے فاصلے پر خود پر نظریں جمائے دیکھ کر اس کے ہاتھ پاؤں سے جان نکلنے لگی تھی۔ وہ بھی اسے پہچان گیا تھا یہ اس کے چہرے پر صاف صاف درج تھا۔

☆☆☆

اس انتہائی فیصلے کی وجہ کیا ہے۔ مجھے بھی نہیں بتاؤ گی تم۔ فریاد صاحب کے اصرار پر وہ رک گئی تھی۔ کپڑے بیگ سے نکال کر پھر سے وارڈ روب میں رکھ دیے اور سستی سے اپنی جگہ پر لیٹ گئی۔ شاہ میر نے ٹھنڈے دماغ سے سوچنا شروع کیا تو اسے اتنے بڑے فیصلے کی کوئی نہ کوئی وجہ لگنے لگی۔

اس کا ستا چہرہ، روئی روئی آنکھیں سانولی رنگت میں مزید سیاہی لگنے لگی تو اسے افسوس ہونے لگا۔

"آئے نو، اسٹرونگ میکہ ہونے کے باوجود تم آج تک ماں کی باتیں برداشت کرتی ہو لیکن ایک ماں کی وجہ سے اتنا بڑا فیصلہ کیا ہے تو اس کی کوئی وجہ تو ہوگی۔ ورنہ گھر میں ڈیڈ، عرشمان اور اب آنسور سے بھی تمہاری اچھی بنتی ہے۔ آئی نو تم خود بہت اچھی نیچر رکھتی ہو۔" غصہ اترا تو اسے حمنی کی خوبیاں نظر آنے لگیں۔

"میں نے کہا نا، وجہ اتنی بڑی ہے کہ مجھے بولتے ہوئے حیا آئے گی اور سب مجھے سائیکو کہیں گے۔" وہ دکھی لہجے میں کہتے پھر سے آبدیدہ ہوگئی۔ اسے رہ رہ کر یہ احساس کچوکے لگا رہا تھا کہ اس کی کوکھ آج تک ماہ پارہ کی نفرت کی وجہ سے سونی تھی۔ وہ خود بھی کچن کا رخ نہیں کرتی تھی۔ مختلف میڈ کھانے پینے کی چیزوں پر مامور تھے۔ نوری سے پہلے کوئی اور ملازمہ تھی۔ جانے ماہ پارہ کس کس کو اس کے پیچھے لگائے بیٹھی تھیں اور اب دو دن سے نوری منظر سے غائب تھی۔ نوکر ذات تھی۔ بات کھلنے پر جان کے لالے پڑے تو اس نے گاؤں بھاگنے کی بات کرنے میں دیر نہیں لگائی۔ حالانکہ ماہ پارہ کی یقین دہانی تھی کہ وہ اس کے ساتھ ہیں۔ اس پر آنچ نہیں آئے گی۔ بس وہ لاعلمی کا ڈھونگ کرتی رہے مگر نوری کچھ زیادہ ہی خوفزدہ تھی جس کی وجہ سے بھاگ گئی۔ ماہ پارہ کو بھی سکون ہوا کہ اگر وہ اچھی پرفارمنس نہ دے پاتی تو ان کا کردار بھی کمزور پڑ جاتا۔

"ماں نے کچھ کہا ہے؟" شاہ میر مختلف حیلے بہانے سے اگلوانا چاہ رہا تھا۔

''میں سونا چاہتی ہوں، میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔'' حمنیٰ رخ پھیر کر آنکھیں موند کر بازو آنکھوں پر رکھ گئی۔ اسے اس بات کا بھی قلق تھا کہ اس کی فیلنگز کو سمجھے بنا شاہ میر نے لڑکے الگ گھر لینے کی مخالفت کی تھی۔ وہ اس کا ساتھ نہیں دے سکا تھا۔

☆......☆

واپس آ کر ہاجرہ تو رات کے کھانے کی تیاری میں جت گئیں کہ دونوں داماد پہلی بار آمنے سامنے ہوں گے۔ سو کھانے پر اہتمام لازم تھا۔ بریانی، قورما، کڑاہی کی پتیلیاں جدید کوکنگ رینج میں چڑھے دیکھ کر درخشاں کو اپنا اسٹیل کا پندرہ سو والا چولہا یاد آ رہا تھا جس کا ایک برنر خراب ہونے کی صورت میں ایک چولہے پر ہی کھانا پکتا تھا جس کی کالک جونے سے ملنے کے باوجود بھی نہیں اتر رہی تھی۔ اکثر تو انہیں رگڑنے کا سوچ کر ہی اس کے ناخنوں میں درد ہونے لگتا تھا۔ خدیجہ بیگم ہی یہ اہم کام انجام دیتی تھیں۔ روبی، سونی بھی ہاجرہ کی مدد کر رہی تھیں۔ اس نے بھی مدد کرنا چاہی تھی مگر ہاجرہ کے انکار پر بالکونی سے تار پر ڈالے سوکھے کپڑے اتار کر انہیں تہہ کرنے لگی۔

درخشاں سیل فون میں گیم کھیلنے لگی تھی۔ کپڑے تہہ کر کے الماری میں رکھتے اس کا ذہن الجھا ہوا تھا۔ کاشان کو دیکھ کر اسے بے پناہ خوف محسوس ہو رہا تھا۔ وہ جب کبھی دل سے ہنستے مسکرانے لگتی تھی۔ ماضی کے ڈراوے اسے ہراساں کر جاتے تھے۔ پراگندہ سوچوں سے کبھی کبھی جی اس قدر گھبرانے لگتا تھا کہ سوچتی تھی عرشان ولی کو سب کچھ بتا دے مگر اس کا انتہائی ردعمل جان کر چپ رہ جاتی تھی۔

عرشان چیزوں سے لدا پھدا داخل ہوا تو اتفاق سے سیڑھیوں پر آصف بھی مل گیا۔ اسے اپنے خالی ہاتھ پر شرمندگی ہونے لگی۔ دونوں ہی اس گھر کے داماد تھے۔ وہ رتبے کے لحاظ سے بڑا تھا مگر حیثیت نے اسے چھوٹا ثابت کر دیا تھا۔ جس طرح عرشان ولی نے خوش دلی سے گلے لگایا اور مدد کر دو کہتے کچھ شاپر اسے تھمائے تو آصف اس کے مزاج میں غرور کا عنصر نہ دیکھ کر ریلیکس ہوا۔

دونوں آگے پیچھے گھر میں داخل ہوئے تھے۔ دیکھنے والے کو لگ رہا تھا دونوں اپنے اپنے شاپر اٹھائے آ رہے ہیں۔

''اتنا تکلف کرنے کی کیا ضرورت تھی بیٹا۔'' ہاجرہ نے آصف کے ہاتھ سے شاپر لیتے سرزنش کی۔

''عرشان لے کر آئے ہیں۔'' آصف شرمندگی سے پردھیمی آواز میں بول گیا۔ چہرے پر کمتری کی سیاہی پھیلنے لگی۔ کہاں وہ جمعہ، جمعرات، بازار میں معمولی سا اسٹال لگانے والا اور کہاں اربوں کا بزنس چلانے والا عرشان ولی۔

''ایک ہی بات ہے برو۔'' عرشان ولی نے خوش دلی سے کہا تو آصف مسکرا دیا۔

''اماں کیا پکایا ہے۔ پہلے یہ بتائیں۔ صبح سے میٹنگ کی ٹینشن میں آپ کے بیٹے نے لنچ تک نہیں کیا۔'' خوب صورت ریسٹورنٹ میں ان سب کی شام خوشگوار بنانے والا گھر میں کیا پکا ہے کا سوال کر کے انہیں اہم بنا گیا۔ وہ اس قدر عام سے لہجے میں دل جیت لیتا تھا کہ خود بخود خاص ہو جاتا تھا۔

''بریانی، قورما، کڑاہی، شامی کباب اور میں نے رائتہ سلاد بنا رہی ہوں۔ سونی نے پہلے ہی پڈنگ بنا کر ٹھنڈی ہونے کے لیے رکھ دی ہے۔'' روبی نے کھیرا کاٹتے اس کے علم میں اضافہ کیا۔ جو کچن کے کاؤنٹر کے پاس کھڑا تھا۔

''یعنی آج ڈائٹنگ پلان کی رج کے پستی ہونے والی ہے۔''

''اگر یہ سب کھا کر تمہیں مشکل ہو گی تو مجھے بتا دو کچھ اور بنا لیتی ہوں یہ آئنور بھی نا، کچھ نہیں بتاتی کہ تم کیا

کھاتے ہو۔'' ہاجرہ کو اس کی باتیں سن کر فکر لگ گئی۔ وہ ہنس دیا۔

''میں سب کھا لوں گا اماں، بس مرغن کھانے کے بعد جم میں ایکسٹرا ٹائم دینا پڑے گا، آئنور کو کچھ نہ کہیں۔ بہت خیال رکھتی ہے میرا۔''

اس کی آواز سن کر وہ بھی کمرے کی دہلیز تک آ گئی تھی۔ اسے کاؤنٹر کے پاس ہنستے مسکراتے دیکھ کر قریب چلی آئی۔ عرشان ولی نے ایک مسکراتی نگاہ اس پہ ڈالی۔ نظر نہیں آ رہی تھی تو ایک بے چینی لگ گئی تھی اور اب نظر پڑتے ہی ایک سکون اندر سرائیت کر گیا تھا۔

''السلام علیکم!''

وہ اس کے گلے میں جھولتی ٹائی کو دیکھ کر رہ گئی۔ کوٹ یقیناً گاڑی میں پڑا ہوا تھا۔ آصف بھی ساتھ ہی کھڑا تھا اس نے مشترکہ سلامتی بھیجی۔ درخشاں بھی خوش خلقی کی مسکراہٹ پھیلا کر آ گئی۔ روبی سونی بتانے لگیں کہ انہیں آئس کریم کھا کر کتنا مزا آیا۔ وہ دلچسپی سے ان کی رام کہانی سن رہا تھا۔

''لڑکیوں جلدی دسترخوان لگاؤ۔ بچوں کو بھوک لگ رہی ہو گی۔'' ہاجرہ نے دونوں کو مزید تیزی دکھانے کا اشارہ کیا۔

''ابا کو سلام کر کے پہلے فریش ہو جاؤں۔'' بیٹی، داماد کی آمد کی وجہ سے قدوس صاحب بھی آج اسٹور جلدی بند کر آئے تھے۔ دونوں فریش ہو کر قدوس صاحب سے باتیں کرنے لگے اور لڑکیاں دسترخوان لگانے برتن صاف کرنے میں مصروف ہو گئیں۔

☆......☆

''کن سوچوں میں گم ہو مسز؟''

وہ واپسی کے لیے سفر کر رہے تھے۔ آصف اور درخشاں بھی ان کے ساتھ ہی گھر سے نکلے تھے۔ دونوں بائیک پر تھے اور وہ دونوں گاڑی پر۔ درخشاں پہلی بار جل کے منہ بنانے کی بجائے مسکراتے ہوئے انہیں اللہ حافظ کر رہی تھی۔

کھانے کے بعد اس کے اشارہ کرنے پر وہ سمجھ گئی تھی کہ درخشاں کیا کہنا چاہ رہی ہے لیکن عرشان ولی کو کچھ سمجھانے سے پہلے جب وہ خود ہی آصف سے باتوں باتوں میں اس کا کام تجربہ اور ترقی کے رموز پر باتیں شروع کر گیا تو جہاں درخشاں کے کان کھڑے ہو گئے وہیں آصف کچھ شرمندہ سا ہو گیا۔

''شرمندگی کیوں بھائی؟ اپنے پیشے کی خود عزت کریں جوتوں کا کاروبار کوئی چھوٹا کاروبار نہیں امپورٹڈ جوتوں کی ڈیلنگ ملکی اور بین الاقوامی سطح تک ہوتی ہے۔ اور پھر کتنا ہی امیر کبیر بندہ ہو سب ہی جوتوں کے بناء ننگے پاؤں کہیں سفر نہیں کر سکتے ان کے اونچے سر بھی جوتوں کی دکان پر جھکتے ہیں۔''

آصف کی شرمندگی، جھجک دور کرنے کو وہ جتنی بڑی مثال دے گیا اس پہ سب کی نظر میں اس کے لیے فخر کا رنگ نمایاں ہو گیا۔ درخشاں بھی از حد متاثر ہوئی۔ ساتھ ہی عرشان ولی نے پارٹنرشپ کے ساتھ کاروبار کا آغاز آصف کے 80 فیصد اور اپنے 20 فیصد منافع پر کرنے کی بات کی تو آصف اس کی آفر پر نہ، نہ کر سکا۔ انویسٹمنٹ عرشان ولی کی تھی اور محنت آصف نے کرنا تھی۔ بیس فیصد اپنا، عرشان ولی نے یہ بھی آصف کی عزت نفس کا خیال رکھ کر کیا تھا۔ ورنہ وہ صرف پیسے دیتا تو شاید وہ زیر بار سمجھ کر کمتری میں گھر کر انکار ہی کر دیتا۔ کہ وہ خوددار انسان تھا۔ سب کی نظر میں اس کی قدر و منزلت مزید بڑھ گئی کہ وہ ہمیشہ سے دوسروں کے لیول پر آ کر مدد کرتا تھا۔

☆......☆

''شکریہ آپ نے آصف بھائی کے لیے اتنی اچھی آفر دی۔ میں آپ سے بات کرنا ہی چاہ رہی تھی اس حوالے سے۔'' واپسی میں اس کی پکار پر خود کو سنبھالتے وہ تعریف کر گئی۔

''تم جو سوچتی ہو، میں وہ کر گزرتا ہوں۔ اتنا مت سوچا کرو۔'' وہ مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ سے اسٹیئرنگ سنبھالتے اسے قریب کر گیا تو اسے بھی خود کو سوچوں سے آزاد کروانا پڑا۔

☆......☆

خود کو نارمل پوز کر کر کے وہ تھک گئی تھی۔ کاشان کو دیکھے کئی دن بیت گئے تھے مگر وہ اب تک اس خوف سے نکل نہیں پا رہی تھی۔ کاشان کی نظریں نیزے کی طرح چبھ گئی تھیں۔ وہ جس طرح اسے لگژری کار میں مالکن کی طرح بیٹھے دیکھ کر حیران ہوا تھا اگر آنسور کے علم میں نہ ہوتا کہ وہ عرشان کا دوست رہ چکا ہے تو وہ اس کی جلن، حیرانی پر خوش ضرور ہوتی لیکن اب......

''بس بہت ہو گیا، مجھ سے اب مزید یہ اذیت نہیں جھیلی جائے گی۔ میں آج عرشان کو سب کچھ بتا دوں گی۔''

تھکے اعصاب سے اس نے ایک فیصلہ کیا تھا مگر عرشان آفس کے بعد گھر آنے کی بجائے اسے ہی باہر آنے کا میسج کر گیا۔ وہ پورچ میں گاڑی میں موجود تھا۔

وہ حیران ہوئی اس کے حکم پر جلدی جلدی تیار ہو کر آئی تو وہ گاڑی میں منتظر تھا۔

''اتنی دیر لگا دی مسز؟'' اس کے لیے خوش دلی سے دروازہ کھولتے اس نے شکایت کی۔

''اتنی ایمرجنسی میں پلان بنائیں گے تو انتظار تو کرنا پڑے گا نا کہاں کے ارادے ہیں؟'' وہ اسے دیکھے گیا تھا۔ نکھرے ستھرے حلیے میں وہ اپسرا لگ رہی تھی۔ اس کے بیٹھنے کے بعد عرشان ولی نے گاڑی کو مین گیٹ سے نکال کر سڑک پر ڈال دیا تھا۔

''بس تھوڑی سی آوارہ گردی کرنے کا دل ہے۔ بڑی اچھی موووی لگی ہوئی ہے۔ پہلے وہ دیکھیں گے پھر شاپنگ اور ڈنر۔''

وہ یوں آناً فاناً پلان کر جاتا تھا اور اسے ساتھ دینا پڑتا تھا۔ وہ تو کبھی کسی سینما کے اندر تک نہیں گئی تھی لیکن اتنے بڑے مال کے اندر سینما کا تو اس کے علم میں بھی نہیں تھا۔ اندھیرے ہال میں بڑے سے پردے پر چلتی فلم لوگوں کی ہوٹنگ، سیٹی کو عرشان ولی کے پہلو میں بیٹھ کر دیکھتے اس نے بہت انجوائے کیا تھا۔

فلم بلاشبہ بہت اچھی تھی۔ وہ پرسکون چہرے کے ساتھ نکلی تھی۔ عرشان ولی کا رخ اب شاپنگ کی طرف تھا۔

تب ہی اچانک ٹخنوں سے اونچی جینز فٹنگ سلیولیس شرٹ میں ملبوس ہاتھ میں امپورٹڈ پرس جھلاتی دوسرے ہاتھ میں سگریٹ اور سیل فون تھامے زویا ان کے سامنے آ گئی۔

''کیسے ہو عرشان ولی؟'' زویا اسے دیکھتے ہی اٹھلائی تھی۔ چیزوں کو دیکھتی آنسور نے آواز پر سرعت سے پلٹ کر دیکھا تھا۔ زویا کی نظر جب آنسور پر پڑی تو اس کی آواز چیخ سے مشابہہ نکلی۔

''تم!'' آنسور تو اسے دیکھ کر پہلے ہی حواس کھونے لگی تھی۔ اس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے تھے۔

''مسز عرشان ولی۔''

عرشان نے اسے بازو سے پکڑ کر قریب کر لیا۔

زویا بری طرح چونک کر باری باری دونوں کے چہرے دیکھتی شاکڈ رہ گئی تھی۔

(جاری ہے)

مہرین کنول

آؤ عید منائیں

آسمان پر سورج کی تپش نے زمین کو گرما کے رکھ دیا تھا۔ فضاء میں حبس ہو رہا تھا۔ پسینے میں شرابور شازمین درختوں کے جھنڈ میں بنے کوریڈور کی طرف بیٹھی اپنی دوستوں کے پاس چلی آئی جہاں ہلکی ہلکی ہوا بھولے بھٹکے آجاتی تھی۔

''واہ ثمر! اس بار بھی تمہاری عید کی تیاری مکمل ہوگئی ہے زبردست۔'' انعم نے ستائشی نگاہوں سے ثمر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''ارے بڑے لوگ آہی گئے۔'' ثمر نے ہاتھ ملاتی ہوئی شازمین کی طرف ہنستے ہوئے کہا۔

''بڑے بڑے لوگ چھوٹے چھوٹے لوگوں کو بولا بڑا کہیں شرمندگی ہوتی ہے۔'' شازمین نے مسکرا کر جواب دیا۔

''ارے شازمین! تم بتاؤ تمہاری عید کی تیاری کہاں تک پہنچی۔'' انعم نے پوچھا اور ثمر دلچسپی سے شازمین کی طرف دیکھنے لگی۔

''ابھی تو کالج کی آج سے چھٹیوں کی نوید سنی ہے۔ آج رمضان کا چاند نظر آئے گا تو پھر امی کے ساتھ بازار جا کر عید کا جوڑا لاؤں گی جو بہت خوب صورت ہے دو دن پہلے ہی امی کے ساتھ مارکیٹ میں دیکھا ہے۔'' ثمر کے چہرے پر ناگواری کے تاثرات ابھرے تھے۔ انعم اور ثمر ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرادیں۔

''واؤ شازمین! اب تو عید کے دن ثمر نے عید ملن پارٹی کا پروگرام بنایا ہے۔'' انعم نے شازمین کی معلومات میں اضافہ کیا۔

ثمر ایسی لڑکی تھی جس کا شمار ان امیر لڑکیوں میں ہوتا تھا جو سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوتیں ہیں تو نت نئے کپڑے جوتے، جیولری کی باتیں کرتے وقت کا پتہ ہی نہ چلا اور کالج کی چھٹی ہوگئی ثمر کے بنگلے کے قریب ہی شازمین کا گھر تھا۔ اس لیے اکثر وہ اسے ڈراپ کر دیا کرتی تھی۔ کار میں بیٹھ کر اے سی کی کولنگ نے شازمین کو اندر تک تازہ دم کر دیا تھا۔ ثمر کو دیکھ کر اسے ہوک اٹھتی تھی کہ اس کے پاس بھی یہ آسائشیں آجاتیں۔ شازمین ایسی لڑکی نہ تھی کہ اسے دولت کا لالچ ہو یا اسے کبھی کوئی چیز نصیب نہ ہوئی ہو۔ وہ مڈل کلاس طبقے سے تعلق رکھتی تھی مگر جب سے اس کے کالج میں ثمر آئی تھی کچھ کشش یا احساس جانے کیا تھا وہ ثمر سے کافی حد تک متاثر ہوئی تھی۔

''شازمین! میری زندگی آگئیں تم۔'' شازمین کی ماں راحیلہ بیگم شازمین کو داخل ہوتا دیکھ کر بول پڑیں۔ شازمین نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا تھا۔

''امی! یہ ہمارے گھر اس وقت لائٹ آرہی ہے کمال ہوگیا۔'' وہ ایک طرف صوفے پر بیٹھ کر جوتوں کے تسمے کھولتے ہوئے بولی۔

''بیٹا! ہم نے جنریٹر قسطوں پر خرید لیا ہے تاکہ رمضان میں روزہ رکھنے میں پریشانی نہ ہو۔'' راحیلہ

نے پانی کا گلاس شازمین کو تھماتے ہوئے کہا جسے سرعت سے شازمین نے تھام لیا تھا۔

"شکر ہے اب رمضان اچھے گزریں گے۔" شازمین ٹھنڈا پانی کا گلاس لے کر تشکر سے بولی۔

"اچھا بیٹا! تم نہا دھو کر فریش ہو جاؤ میں کھانا لگا دیتی ہوں۔ پھر ایک گھنٹہ آرام کر کے تیار ہو جانا مارکیٹ چلنا ہے سحری کا سامان لانا ہے۔" راحیلہ بیگم نے تھپکی دے کر کہا۔

☆......☆

"توبہ ہے پھل سبزیوں کی قیمتیں رمضان آتے ہی آسمان سے باتیں کرنے لگ گئیں۔" گھر پر قدم رکھتے ہی راحیلہ بیگم بڑبڑائیں۔

"پنکھا کھولو۔" شازمین نے فوراً پنکھا آن کیا۔

"اف گرمی اور حبس بارہ بارہ گھنٹے لوڈ شیڈنگ ہو رہی ہے رمضان میں اور اس شدید گرمی میں الٰہی توبہ غریب کیسے گزارا کرتے ہوں گے۔" راحیلہ بیگم نے افسوس سے کہا ابھی تو تیسرا روزہ تھا اور یہ حال ہوا تھا۔ افطاری کے بعد مغرب کی نماز ادا کی اور راحیلہ بچیوں کو لے کر عید کی شاپنگ کرنے چلی گئیں۔

☆......☆

"40,000 روپے کا عید کا سوٹ بیٹا شازمین! تمہارے ابا کے پاس فالتو پیسہ نہیں ہے گھر کا خرچا اس مہنگائی میں کس طرح پورا ہوتا ہے۔ اس پر اللہ کا شکر ادا کرو۔" راحیلہ نے شازمین کو سرزنش کی۔

"امی! ثمر کے گھر عید ملن پارٹی ہے میں اگر 40,000 روپے والا سوٹ نہیں پہن کر جاؤں گی تو بہت بے عزتی ہوگی میری۔" شازمین روہانسی ہو رہی تھی۔

"میری بچی تمہارے بہن بھائیوں کی عید کی تیاری مکمل ہو چکی ہے اور 40,000 روپے کے عید کے جوڑے کے لالچ میں تم اپنا آپ بھول گئی ہو۔ تیرے ماں باپ اس گھر کا خرچ اٹھا لیتے ہیں اس پر صبر و قناعت سے کام لو۔ روزہ، افطار، بجلی، جنریٹر کی قسطیں اور عید کی تیاری الگ۔ کتنا خرچہ ہو جاتا ہے۔" شازمین ماں کو بغور سننے لگی۔

"بیٹا! ہر عید پر تم کافی حد تک قیمتی جوڑا پہنتی آئی ہو۔ تمہارے پاپا نے پندرہ ہزار روپے تمہارے عید کے جوڑے کے لیے دیے ہیں۔ یہ رمضان کا مہینہ تو مسلمانوں کی تربیت کا مہینہ ہے کہ کیسے اپنے آپ کو برائی سے روکنا ہے اور صبر اور برداشت سے کام لینا ہے اور عزت اور ذلت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔" راحیلہ بیگم کی باتوں کا اثر ہی تھا کہ وہ اپنے آنسو پونچھ کر تیار ہوئی اور راحیلہ بیگم کے ساتھ مارکیٹ چلی گئی۔

☆......☆

"عید مبارک امی!" پرپل کلر کے شیفون کے سادے سوٹ میں جس پر سلور کلر کا نفیس کام ہوا تھا شازمین دلکش اور پیاری لگ رہی تھی اس پر ہم رنگ چوڑیوں اور جیولری نے سوٹ کی قیمت اور بڑھا دی تھی۔

"ماشاء اللہ بیٹا! بہت پیاری لگ رہی ہو۔" راحیلہ بیگم جو شازمین کے ہاتھوں کے بنے شیر خورمہ کو ایک باؤل میں سجا رہی تھیں۔ شازمین کو دیکھ کر خوشی سے سرشار ہو کر بولی تھیں۔

"شازمین! ثمر کا کتنی بار فون آ چکا ہے گاڑی بھی بھیج دی ہے اس نے۔"

"میں نے بریانی کی ٹرے اور شیر خرمہ کا باؤل سجا دیے ہیں۔" امی کی بات سن کر شازمین بولی۔

"بیٹا! پہلے سے پہلے ہوائیاں اڑانے کی کیا ضرورت تھی کہ 40,000 روپے کا سوٹ پہنو گی۔ ایسا نہیں کرتے۔ چلو اب خوشی خوشی جاؤ ورنہ یہ بہت بری بات ہوگی۔ اگر نہیں جاؤ گی۔" راحیلہ بیگم شازمین کی جھینپ محسوس کرتے ہوئے بولیں۔

"بیٹا! اللہ نے جتنا دیا اسی پر خوش ہونا سیکھو۔" شازمین کو راحیلہ کی باتوں نے حوصلہ دیا تو وہ مسکرا کر خوشی خوشی ثمر کے بنگلے کی طرف روانہ ہو گئی۔

☆......☆

ثمر کے خوب صورت سے بنگلے کے باہر خوب صورت سے باغ میں شاندار پارٹی کا اہتمام تھا۔ سب دوست زرق برق خوب صورت قیمتی سے قیمتی لباس میں چہل پہل میں اور خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔ ثمر کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ اس لیے شازمین انعم کو دیکھ کر اس کی طرف چلی آئی جو خوشدلی سے ملی تھی۔ تھوڑی دیر میں ثمر ان کے درمیان موجود تھی جو قیمتی سوٹ پہنے ہوئے تھی وہ پیاری تو لگ رہی تھی مگر جب اس نے طائرانہ نظر محفل میں ڈالی تو سب سے منفرد اور پیاری لگنے والی شخصیت پر نظر ٹھہر گئی اور وہ شخصیت شازمین کی تھی اس لیے وہ اس کے پاس چلی آئی۔

"عید مبارک ثمر!" شازمین نے ثمر کو گلے لگا کر کہا۔

"عید مبارک شازمین! ویسے تمہارا سوٹ تو مجھے 15,000 کا لگ رہا ہے تم نے تو 40,000 کی مالیت کا سوٹ پہننے کا اعلان کیا تھا۔"

"ہاں مگر اس سے زیادہ مجھے یہ سوٹ اچھا لگا۔" شازمین نے جھینپ مٹاتے ہوئے کہا۔

"یہ سن کر ثمر نخوت سے منہ پھیر کر دوسری طرف چلی گئی۔

☆......☆

رات کو ڈنر پر ثمر اور ممی پاپا اور دادا مل بیٹھے تھے۔ دوپہر کی عید پارٹی کی ناگواریت کی ہلکی سی لہر ثمر کے چہرے پر نمودار ہوئی تھی۔

"بیٹا! آج تمہاری عید ملن پارٹی تو بڑی شاندار ہوئی تھی اور وہ لڑکی پرپل کلر کے سوٹ والی بڑی پیاری لگ رہی تھی تمہاری دوست۔" مسز وقار نے پسندیدگی کا لب و لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا۔

"مما یہ وہی لڑکی تھی شازمین! جو کہہ رہی تھی 40,000 والا مہنگا سوٹ پہنوں گی عید پر۔ یہ مڈل کلاس کی لڑکیاں ہماری برابری کرنے کی سوچ تو رکھتی ہیں پر اوقات ان کی وہی ہوتی ہے پندرہ ہزار روپے کا سوٹ والی بڑی آئی مجھے تو یہ ہی پسند آیا تھا ہنہ۔" ثمر نے جل بھن کر کہا۔

"بری بات ایسے نہیں کہتے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے تو شکر ادا کرو تکبر سے بچو۔ عید کی سچی خوشی ستے مہنگے کپڑوں پر منحصر نہیں بلکہ نیک اعمال میں ہے۔ وہ بچی اپنی سفید پوشی کے لیے بول گئی ہوگی اور تم ایسے طور اختیار کر رہی ہو۔" ثمر کے دادا تھوڑے برہم ہوئے تھے۔ ثمر کرسی دھکیل کر اٹھ کر جانے ہی والی تھی کہ دادا جان نے ثمر کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"ثمر بیٹا! ناراض نہیں ہوتے دیکھو بیٹھو آج عید کا دن ہے موڈ خراب نہ کرو۔ میں تمہیں آج کچھ بتاتا ہوں۔" ثمر چپ چاپ بے دلی سے دادا جان کی بات مان کر بیٹھ گئی تھی۔ دادا ثمر کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور بولنا شروع کیا۔

"حضرت علیؓ نے عید کے دن رو رو کر برا حال کر لیا پھٹے کپڑے نہ پہنے اور سوکھی روٹی کھانے لگے۔ کسی نے پوچھا کہ آج تو عید ہے آپ نے کوئی تیاری نہیں کی آپ نے فرمایا کہ عید تو ان کی ہے جن کو اللہ سبحان تعالیٰ نے معاف کر دیا۔ اسی طرح لوگ عید کے دن خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں آئے تو دیکھ کر حیران رہ گئے کہ خلیفہ وقت خوشی کے دن رو رہے ہیں۔ پوچھا اے امیر المومنینؓ آپ کیوں رو رہے ہیں۔ عمر فاروقؓ نے فرمایا۔ یہ عید کا دن بھی ہے اور وعید کا دن بھی ہے یہ عید کا دن اس کے لیے کہ جس کی نماز و عبادات قبول ہو گئیں اور وعید (خوفناک) کا دن اس کے لیے جس کی عبادات اس کے منہ پر ماری گئیں۔ میں اس خوف سے رو رہا ہوں کہ میری عبادت رمضان قبول ہوئی یا مردود ہو گئیں۔" یہ سن کر ثمر کے آنکھوں میں آنسو آ گئے دادا جان کی باتوں کا

اثر ہوا تھا ثمر اپنے کیے پر پشیمان نظر آرہی تھی۔ دادا جان نے ثمر کی آنکھوں میں آئے آنسو ہاتھ سے صاف کیے اور پھر بولے۔

''ان پیاری ہستیوں کے نزدیک عید کا دن اللہ کا شکر ادا کرنے کا دن تھا اور اس کو راضی کرنے کا دن تھا۔ اس لیے ان کو اچھے کپڑوں کی فکر نہیں ہوتی تھی۔ جیسے ہم سوچتے ہیں بلکہ ان کی نظر میں اگر اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادات قبول کرلی تو وہ ان کے لیے عید کا دن تھا۔ اس بات کی کسی کو آج کے دور میں فکر نہیں۔ مگر اس دور کو یاد رکھ کر تو ہر امیر غریب عید کی سچی خوشی پا سکتا ہے۔''

''دادا جان! مجھے معاف کردیجیے۔ تکبر نے مجھے یاسیت میں ڈبو دیا تھا۔ اب میں اللہ کا شکر ادا کرتی ہوں کہ اس نے مجھے اتنی نعمتیں عطا کی ہیں۔ آئندہ آپ کو شکایت کا موقع نہیں ملے گا۔'' ثمر نے شرمندگی سے کہا۔

''شاباش بیٹا! اب مسکراؤ۔'' دادا جان کی بات مانتے ہوئے ثمر مسکرادی اور اپنے کمرے میں آگئی۔

☆......☆

رات کے پہر آئسکریم کھائی جارہی تھی شازمین کے موبائل کی مسلسل بیل بج رہی تھی۔ اس نے آئسکریم کا کپ ایک طرف رکھ کر موبائل آن کیا۔ دوسری طرف ثمر تھی۔

''ہیلو شازمین! کیا ہو رہا ہے یقیناً ہلہ گلا ہو رہا ہوگا۔'' ثمر نے پوچھا تھا۔

''ہلہ گلہ کیا ہم تو آئسکریم کھا رہے ہیں ہلہ گلہ تو تم لوگ کرتے ہو۔'' شازمین کی بات پر ثمر نادم ہوئی تھی۔

''شازمین مجھے تمہاری بہت یاد آرہی تھی۔'' ثمر نے دل کی بات کہی۔

''خیریت ثمر؟'' شازمین نے ثمر کا سنجیدہ لہجہ محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

''شازمین میں اپنے رویے پر شرمندہ ہوں مجھے معاف کردو۔'' روہانسی آواز سن کر شازمین کا دل بھر آیا۔

''ارے ثمر! چھوٹی موٹی باتوں کو دل سے نہیں لگانا چاہیے۔ میں درگزر کرچکی ہوں تم میری بہت پیاری دوست ہو۔'' شازمین کی بات سن کر ثمر خود کو ہلکی پھلکی محسوس کر رہی تھی۔

''اچھا شازمین! عید انجوائے کرو اللہ حافظ۔'' بند فون کو شازمین تکتی رہ گئی۔

صبح ٹیرس پر خوب صورت پنک کلر کے سوٹ میں ہم رنگ چوڑیاں اور ایئر رنگ پہنے وہ بے حد پیاری لگ رہی تھی۔ نیچے غیر معمولی شور سن کر وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آئی تھی۔ اور شازمین کا چہرہ خوشگوار حیرت سے کھلا رہ گیا سامنے ثمر دیگر دوستوں کے ہمراہ اس کے گھر میں موجود تھی۔

''عید مبارک شازمین!'' ثمر نے شازمین کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔ ''عید مبارک۔'' شازمین اتنا ہی بول سکی اس کی حیرت جوں کی توں دیکھ کر ثمر نے خود ہی بولا۔

''یار شازمین! میں تمہیں سرپرائز دینا چاہ رہی تھی۔ سوچا تمہارے گھر آکر تمہارے ساتھ عید مناؤں تو یہ بہت پیارا سرپرائز ہوگا۔''

دیگر دوست کچن میں کچھ پکانے چلی گئیں۔

''آج خوب ہلہ گلہ کریں گے۔'' ثمر کی بات سن کر شازمین کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔

''ارے لڑکی رو کر رلانے کا ارادہ ہے کیا؟ لگتا ہے تم مجھ سے ابھی بھی ناراض ہو۔'' ثمر نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

''ہاہاہا۔'' شازمین ہنس دی اور بولی۔

''آؤ مل کر عید منائیں۔'' شازمین نے ثمر کا ہاتھ تھام کر کہا تھا۔ سب دوست مل کر گھر والوں کو پکوان سرو کرنے لگیں اور راحیلہ بیگم شازمین اور ثمر کی کایا پلٹنا دیکھ کر مسکرادیں۔ آیئے ہم بھی امیری غریبی کے فرق کو مٹائیں مل کر عید منائیں۔

......☆......

عائشہ مری

میرے پینوا

اوائل جنوری، وہ سرد صبحیں، بے کیف راتیں، ٹھنڈی شامیں، بچھڑی محبت، جھوٹے وعدے اور تنہا راتیں، کیا تھی اس کی زندگی، فقط ان سناٹوں اور تنہائیوں کے سوا، اس ایک وعدے کا پاس رکھتے برسوں بیت گئے، ایسی بے کیف بے رونق صبحیں شامیں ان کتابوں کے اوراق بدلتے ان پھولوں کو کتابوں میں قید کرتے کتنے برس بیت گئے، وہ جنوری ایک بار پھر پلٹ آئی، وہ یادیں جنہیں کبھی اس نے خاک آلود ہونے نہ دیا، ان پر برسوں کی دھول جمنے لگی، دلوں پر غلاف چڑھنے لگی محبتوں کے نشان دھندلانے لگے، بار وفا کا بوجھ تنہا اٹھائے



اٹھائے اب وہ عاجز آ چکی تھی۔

”مجھے اس نام نہاد رشتے کے طوق سے آزادی چاہیے“۔ وہ اسماء بیگم کے روبرو تھی۔

”کیا سارا بوجھ مجھے تنہا اٹھانا ہوگا اور کب تک؟“

اسماء بیگم بالکل خاموش رہ گئیں۔

”تم عباس کو آ لینے دو پھر اس سے بات کر لو، ایم شور تمہاری جو غلط فہمی ہے دور ہو جائے گی، میں نہیں چاہتی جلد بازی میں تم کوئی غلط فیصلہ کرو جس کا پچھتاوا تمام عمر ڈستا رہے“۔

”غلط فہمی میں، میں اب تک مبتلا تھی ما! عباس کو کبھی مجھ سے لگاؤ تھا ہی نہیں ورنہ مجھے اس قید میں جکڑ کے کبھی چھوڑ کر نہ جاتا، اس کے نزدیک یہی وقعت تھی میری، پر اب سب کچھ ختم ہو جانا چاہیے“۔

”اچھا تم ریلیکس ہو، پرسکون ہو جاؤ، میں کرتی ہوں کچھ“۔ انہوں نے امادیہ کو پرسکون کرنے کی کوشش کی۔

”مجھے اس نام نہاد رشتے سے چھٹکارا چاہیے اور یہی میرا آخری فیصلہ ہے“۔ وہ اپنا فیصلہ سنا کر جا چکی تھی۔ ٹنڈ منڈ درختوں پر موت کے سناٹے اترتے



معلوم ہو رہے تھے، قدم شکستہ اور حوصلے پست تھے، پر وہ تابوت میں آخری کیل ٹھونک کر آ گئی تھی اب واپس پلٹنے کی کوئی راہ نہ تھی۔

ڈائیورس پیپر پر سائن کرتے قلب کی حرکت ساکن ہونے لگی، پر اب دل کی ماننا اس نے چھوڑ دیا تھا۔ برسوں کے جڑے رشتے ایک پل میں یونہی اجنبی ہو جاتے ہیں، وہ کب تک اس فراق میں بیٹھی رہتی، سات سال، سات سال کم نہیں ہوتے اور ان سات برسوں سے وہ دل و جان سے اس رشتے کو نبھا رہی تھی کہ شاید وہ پلٹ آئے، اپنی بھولی بسری محبت، جھوٹے وعدے ہی سہی پر خود سے وابستہ اس رشتے کی کشش ہی اسے پلٹنے پر مجبور کر دے پر اس کا انتظار انتظار ہی رہا۔

وہ جنوری کی ایک سرد شام تھی، ٹھٹھرتی سردیاں، لمبی کالی راتیں کالا نصیب لکھنے اسی کے لئے آئیں تھیں۔ عباس معظم نے دوسری شادی کر لی اور ابھی کچھ دن قبل تو اس کی بات ہوئی تھی عباس سے کتنا خوش لگ رہا تھا وہ، کتنی بے تابی تھی ماویہ کے لئے اس کے انداز میں، اور وہ محبت، سب کچھ ایک خوبصورت خواب تھا جو جانے پر محو ہو گیا جیسے عباس کی دوسری شادی کے بعد اس نے عباس سے تمام تعلق ختم کر لئے اور اپنے جہاں میں ایسے کھو گئی جیسے کبھی کسی عباس معظم کو جانتی ہی نہ ہو۔

پر جنوری کی اس سرد رات اس ساکن خاموش جھیل میں تلاطم برپا ہو گیا جب ایزد آفندی نے اسے پرپوز کیا تھا۔ ایزد آفندی، اس کا کولیگ اس کے وعدوں میں ایفاء کرنے کا عزم تھا، وہ سب کچھ جانتے ہوئے اسے دل و جان سے اپنانے کو تیار تھا دل کا جہاں پھر سے آباد ہونے لگا، محبت کی مرجھائی کلی پھر سے کھلنے لگی، زندگی ایک نئے ڈگر پر چل پڑی، انجام سے بے خبر۔

"تم عباس سے ڈائیورس لے لو، وہ شخص قطعی تمہارے قابل نہیں، اگر اسے تمہاری ذرا سی بھی پروا ہوتی تو قطعی تمہیں اس رشتے میں جکڑ کر نہ جاتا، اس کے نزدیک اس کا مستقبل اس کا کیریئر ہر چیز سے بڑھ کر تھا"۔ اس بات سے وہ پہلے ہی بخوبی آشنا تھی پر اس کی بے وفائی، وہ چاہ کر بھی ایزد کی باتوں کو جھٹلا نہ پائی، اسمارا بیگم نے جب سنا فوراً سے بیشتر عباس کو اطلاع دی۔

"پھپھو! اگر یہی اس کا آخری فیصلہ ہے تو یہی سہی"۔ عباس کی بات نے صحیح معنوں میں ان کے ہوش اڑا دیئے۔

"دیکھو عباس! ضد نہ کرو، تمہاری دادی ہم سب یہاں تمہارے منتظر ہیں، تم واپس آ جاؤ ایک بار، وہ پاگل پن کر رہی ہے پر تم تو سمجھدار ہو اور اسے تم ہی روک سکتے ہو"۔ اسمارا بیگم کا بس نہ چل رہا تھا کہ کیسے اسے منائیں۔

"کیا میرے آنے سے سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا پھپھو، نہیں ناں، اور پھپھو یہ اس کی زندگی کا فیصلہ ہے جس میں وہ خود مختار ہے، وہ تو مجھ سے بات کرنے کی بھی روادار نہیں، پھپھو مانا کہ میں نے دوسری شادی کر کے اس کے ساتھ زیادتی کی ہے پر وہ سب میری مجبوری تھی اور اب جبکہ میرے قدم مضبوطی سے جمے میری برسوں کی محنت اور کوشش رنگ لائی، اب سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس امید پر کیسے پلٹ سکتا ہوں کہ شاید وہ سب کچھ بھلا کر مجھے معاف کر دے اور سب کچھ پہلے کی طرح ٹھیک ہو جائے"۔ اسمارا بیگم اس کی بات پر بالکل خاموش رہ گئیں۔

دن یونہی بیتنے لگے بے بے سے فی الوقت سارا معاملہ پوشیدہ رکھا گیا، بے بے کو عباس سے بے حد لگاؤ تھا اور وہ نہیں چاہتی تھیں کہ اس کے اس فیصلے سے انہیں ٹھیس پہنچے۔

☆......☆......☆

خلع نامے پر دستخط کرتے اس کی بے چینی و اضطراب کم ہونے کی بجائے بڑھنے لگا۔

"اب بھی کچھ نہیں بگڑا، پیپرز پر عباس کے سائن ہونا ابھی باقی ہیں، تم چاہو تو اب بھی سب ٹھیک ہو سکتا

ہے، عباس بھی اپنے کیے پر شرمندہ ہے اور اس عورت سے اس نے محض مجبوری کے تحت شادی کی تھی اور اب تو اس بات کو کئی برس بیت چکے"۔ وہ ہر حال میں اسے اس کے فیصلے سے باز رکھنا چاہتی تھیں۔

"کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے کہ آپ میری نہیں بلکہ اس کی مما ہیں، اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود آپ اس کی طرفداری کر رہی ہیں، اگر اسے آنا ہوتا تو پہلے ہی آ جاتا یوں چور دروازوں کا متلاشی نہ ہوتا، خیر آپ ایک مرتبہ ایزد سے مل تو لیں، وہ بہت اچھا لڑکا ہے میں اس فیصلے کے لئے بہت مشکل سے دل کو آمادہ کر پائی ہوں اب پیچھے ہٹنا ممکن نہیں"۔ اس نے اپنا حتمی فیصلہ سنایا۔

"جب تم فیصلہ کر چکی ہو تو اب میں کیا کہہ سکتی ہوں"۔ چادر تہہ کر کے الماری میں رکھتے ان کے انداز میں مایوسی ہی مایوسی تھی۔

ایزد سے پچھلے کئی دنوں سے ان مصروفیات کے تحت بات نہ ہو پائی تھی، اب جا کے موقع ملا۔ موسم کی مناسبت سے لانگ کوٹ مفلر اوڑھے وہ آئینے میں اپنا جائزہ لینے لگی۔ شام کے سائے ارض پر پھیلنے لگے اس وقت تو ایزد اپنے فلیٹ پر ہوتا تھا۔ لاہور کی سڑکوں پر دھند اترنے لگی، منہ سے بھاپ اڑاتے کافی شاپس پر اس وقت لوگوں کا جم غفیر تھا۔ زندہ دل لوگ، بے فکری، انہیں دیکھ کر بھی حسرت کیا کرتی پر اب زندگی کا نیا باب کھلنے والا تھا، خوشیاں بہار اس کی منتظر تھیں۔ وسط جنوری کی ایک سرد شام، پر رونق، پرکیف، اس کے لئے ایک نیا در وا کرنے والی تھی اس بات سے قطعی بے خبر، ایزد کے فلیٹ کا دروازہ خلاف توقع کھلا تھا، دھیما دھیما میوزک ماحول کو خوابناک بنا رہا تھا، وہ چھوٹے قدم اٹھاتی اندر داخل ہوئی، اس کے قدم اس کے روم کی جانب بڑھے پر کمرہ خالی تھا، ٹیرس کے پردے ہولے سے ہلنے لگے، وہ دبے قدموں بنا آواز پیدا کیے آگے بڑھی۔

"تم میرے لئے کیا ہو ثمر! تمہیں آئیڈیا نہیں تم اپنے پیرنٹس کو انکار کر دو تم اس لڑکے سے شادی نہیں کرو گی، آئی ریئلی لو یو ثمر اور وہ شخص قطعی تمہارے قابل نہیں، اگر کسی نے ہمارے درمیان آنے کی کوشش کی تو I'll him، انڈر اسٹینڈ"۔ ایزد کے الفاظ پر اس کے اردگرد جیسے دھماکے ہونے لگے۔

"اوہ ڈونٹ بی سلی، میں ڈیڈ کو منا لوں گی، ویسے اس ماویہ کے ساتھ تمہارا کیا سین چل رہا تھا، کہیں تم اس کی طرح میرے ساتھ بھی فلرٹ تو نہیں"۔ اس کی بات پر ایزد کا جاندار قہقہہ ابل پڑا۔

"اوہ سیریسلی ایسا کچھ بھی نہیں ہے، وہ پاگل لڑکی اور میں"۔ اس کے ہتک آمیز انداز پر اس کا چہرہ جھلس سا گیا۔

"میرے لئے اپنے ہزبینڈ تک کو چھوڑنے کے لئے تیار ہے بے وقوف عورت، اچھا ہوا اس کے ہزبینڈ نے اسے چھوڑ دیا، ایسی عورتیں یہی ڈیزرو کرتی ہیں"۔ اس کے لہجے میں ماویہ کے لئے حقارت ہی حقارت تھی۔

"ایسی عورتیں جو اپنے شوہر کی نہ ہو سکیں کسی اور کی کہاں ہوں گی"۔ ماویہ کا چہرہ مارے تذلیل کے سرخ ہو گیا جیسے کسی نے تیزاب کے چھینٹے اس کے چہرے پر گرا دیئے ہوں۔

"اینی ویز اس کا معاملہ اور تھا پر تمہارے معاملے میں واقعی سیریس ہوں، تم کہو تو اپنے پیرنٹس کو بھیج کر پرپوز کر دوں"۔ تیزاب اس کے چہرے پر کیا گری اس کا وجود جیسے جھلسنے لگا، بے جان ہوتے قدموں سمیت اور بے حس وجود لئے وہ کیسے گھر پہنچی یہ صرف وہی جانتی تھی، اپنے ہاتھوں سے اپنا گھر اجاڑ کے وہ تنہا بے اماں کھڑی تھی۔ وہ مما کے گلے لگ کے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔

"میں نے سب ختم کر دیا میری وجہ سے سب ختم ہو گیا، اپنے ہاتھوں سے میں نے اپنا آشیانہ بکھیر دیا، تنکا تنکا کر دیا، عباس بھی مجھے معاف نہیں کریں گے، بے بے مجھ سے نفرت کرنے لگیں گی، میں یہی ڈیزرو کرتی ہوں مجھ سے نفرت کی جائے"۔ مما اس کے بالوں میں

نرمی سے انگلیاں پھیرتے اسے بہلانے لگیں لیکن ان کی سوچیں کہیں اور مرکوز تھیں۔

☆..........☆..........☆

عباس کو واپس لوٹے تین دن ہو چکے تھے پر اب تک اس سے اس کا سامنا نہ ہو پایا تھا۔ وہ خود بھی نجانے کیوں اس سے گریز برت رہی تھی۔ ایزد کے واقعے اور زندگی کے تلخ حقائق سے روشناس ہونے کے بعد زندہ رہنے کی وہ موہوم سے امید بھی دم توڑ گئی تھی، اسے مزید جینے کی چاہ نہ تھی، وہ خود کو سب کا مجرم گردان رہی تھی۔ آفس سے اس نے ریزائن دے دیا تھا اور خود کو ایک کمرے میں جیسے مقید کر لیا، اس میں ہمت نہ تھی کہ عباس کا سامنا کر پاتی، کتنے بلند و بانگ دعوے کیے تھے سب ریت کی مانند ہاتھ سے پھسل گئے اور وہ تہی داماں رہ گئی۔

سرما کی نرم پڑتی دھوپ بڑے دنوں بعد کھلی ہوا کا موقع ملا تھا۔ عباس سویرے ہی کسی کام کے لئے نکل گیا تھا تو وہ جھکے سے چھت پر نکل آئی، اب تو کسی کام میں بھی دل نہ لگتا تھا، ہنسنا مسکرانا جیسے وہ بھول بھال گئی، فقط ایک سال کے تلخ تجربے نے اس کے ماضی کے ساتھ حال اور مستقبل کو بھی نگل لیا تھا۔ اسما را بیگم اپنے تئیں اسے بہلانے کی سعی کرتیں، اسے مصروف رکھنے کی کوشش کرتیں پر سوچیں وہیں ٹھہری گئی تھیں۔ عباس کا ذکر آتے ہی وہ چور سی بن جاتی، اس نے خود کو خول میں جیسے بند کر لیا تھا، اسے اردگرد کی اب پروا نہ تھی، لمبے بال کمر پر بکھرے، شال شانوں پر پھیلائے اس کی گلابی رنگت تمتما رہی تھی، کبوتروں کو دانہ ڈالتے آہٹ پر وہ پلٹی عباس سامنے ہی کھڑا تھا اور اسے ہی دیکھ رہا تھا، آہستگی سے چلتا اس کے مقابل آیا۔

"آپ کے یہاں سلام کرنے میں بھی کنجوسی برتی جاتی ہے کیا، پھپھو بتا رہی تھیں تم مجھ سے بہت خفا ہو، اتنی کہ ملنا تو دور سلام کرنے کی بھی روادار نہیں"۔ وہ سر جھکا کر دوبارہ اپنے کام میں مگن ہو گئی۔ کبوتر جو اس کے قدموں کی آہٹ سے اڑ گئے پھر رفتہ رفتہ جمع ہونے لگے۔

"مجھے پتہ ہے ماویہ! میری غلطی بہت بڑی تھی پر میرا تصور اتنا بھی نہیں کہ تم اس حد تک متنفر ہو جاؤ، میرے وعدے، میرے جذبوں کی سچائی میں کہاں کمی رہ گئی جو تم، یمنی سے شادی صرف نیشنلٹی حاصل کرنے کے لئے کی تھی، میرا ویزا ایکسپائر ہو چکا تھا اور کوئی آپشن بھی نہیں تھا۔ بہت کٹھن وقت گزار کے بہت مشکل سے اپنی پوزیشن بنا سکا ہوں، عملی زندگی میں قدم رکھنا اتنا آسان نہیں پر صرف اپنی محنت و لگن سے آج اس مقام پر پہنچ پایا ہوں۔ پتا ہے مما اور پاپا کی ڈیتھ کے بعد کن حالات سے گزرا ہوں، کتنا مشکل وقت تھا وہ، صرف اکیلی بے بے کیا کیا کرتیں، پر اب سب ٹھیک ہو جائے گا، اپنی اولاد کو آئیڈیل لائف دینا چاہتا ہوں تاکہ ترستی ہوئی میری طرح۔ یہاں سے جاتے وقت تمہارے حقوق اپنے نام محفوظ کر لئے کیونکہ تم صرف میری تھیں، اپنے قدم مستحکم کرنا چاہتا تھا اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر کچھ کر دکھانا چاہتا تھا، تمہارا ساتھ میرے حوصلے کا سبب تھا، امیدی کرنیں تم سے وابستہ، کیسے تمہیں کسی اور کا ہونے دیتا، بچپن سے صرف تمہیں ہی اپنی لائف پارٹنر کے روپ میں دیکھا تو کیسے ممکن تھا تمہارے علاوہ کسی اور کے متعلق سوچتا بھی۔ جب پھپھو سے تمہارے فیصلے کے متعلق سنا تب لگا سب ختم ہو گیا، میری برسوں کی محنت اکارت چلی گئی، جس کے لئے یہ سب کچھ کیا اگر وہی نہیں تو یہ سب کچھ بے معنی ہے، میں نے اپنا فیصلہ قدرت کے سپرد کر دیا"۔

"سوری عباس! پر اب ان سب باتوں کا کوئی فائدہ نہیں، جو ہونا تھا سو ہو چکا"۔ وہ آہستگی سے کہنے لگی اور اس کے پاس سے گزر جانے لگی کہ عباس نے غصے سے اسے شانوں سے تھام کر اپنے سامنے لا کھڑا کیا۔

"اتنا غرور اتنا تنتنا، کس لئے تمہارا چہرہ تو چیخ چیخ کر کہہ رہا ہے کہ تم اب بھی مجھ پر مرتی ہو تو یہ ڈھونگ کیسا؟"

"اسٹاپ اٹ عباس! ایسا کچھ نہیں"۔ اس کے ہاتھ جھٹکتے جواباً وہ بھی بپھری۔

"اچھا تو بولو سچ کیا ہے، کیا یہ سچ نہیں کہ تم صرف مجھے جلانے کے لئے سبق سکھانے کے لئے اس آفندی سے ملتی رہیں، اس فلرٹی سے، پھپھو ٹھیک کہتی ہیں تمہیں نہ چہروں کی پہچان ہے نہ لوگوں کو پرکھنے کا ہنر، کم از کم میرے مقابل ڈھنگ کا بندہ تو چنا ہوتا، وہ چھچھوندر نہیں کا"۔ وہ رونا بھول کر اسے دیکھنے لگی۔

"بہت زعم ہے ناں تمہیں اپنے چہرہ شناسی اور قابلیت پر، ہونہہ"۔ وہ دانت پیستے بولی، غصے کے سبب ناک لال ہونے لگی۔

"سو تو ہے"۔ اب اس کا موڈ قدرے بحال ہوا تھا۔

"خوش فہمی ہے تمہاری بلکہ غلط فہمی تھی میری جو تم جیسے ناقابل اعتبار شخص سے اتنی توقعات وابستہ کر لیں، تم پر ٹرسٹ کیا، تم سے محبت کی اور یہی میری سزا ہے کہ ممی اور سب کے سامنے تمہاری وجہ سے اتنی ذلیل و خوار ہوئی، سب غلط ہو گیا، اس ذلیل کمینے شخص کے ہاتھوں بے وقوف بنتی رہی، یہی ڈیزرو کرتی تھی، سب تمہارا قصور ہے اب آ کر معصوم بن رہے ہو"۔ اب کی بار وہ سنجیدہ ہو کر اسے دیکھنے لگا جس کے آنسو رخساروں پر بہہ نکلے۔

"مانا کہ میری وجہ سے یہ سب ہوا پر آئی پرامس، اب میں سب کچھ ٹھیک کر دوں گا، سب کو منا لوں گا پلیز تم رونا بند کرو، تمہارے آنسو میرے حوصلوں کو پست نہ کر دیں، بس تم میرا ساتھ دو سب ٹھیک ہو جائے گا"۔ اس کے گال نرمی سے صاف کرتے وہ کہنے لگا۔

"تم پاگل تو نہیں ہو گئے کیا، ہمارا ڈائیورس ہو چکا ہے، اب سب کچھ ختم"۔ اس کا ہاتھ جھٹک کر وہ غصے سے بولی۔

"اچھا یہ سب تم سے کس نے کہا؟" وہ چونکا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ میں نے ان پیپرز پر سائن نہیں کیے تھے تم اب بھی میری بیوی ہو میرا نام ہمیشہ تمہارے نام سے جڑا رہے گا اور یہی سچ ہے"۔ وہ آنکھیں کھولے بے یقینی سے اسے دیکھنے لگی۔

"تم صرف میری ہو، میں کبھی تمہیں ڈائیورس دینے کے متعلق سوچ بھی نہیں سکتا"۔

"اس کا مطلب تم سب نے میرے ساتھ مذاق..." اس کی گھٹی گھٹی آواز برآمد ہوئی۔

"مجھے بیوقوف بنایا گیا، میرے ساتھ گیم کھیلا گیا، اور میں بے وقوف، اسٹوپڈ"۔ اس کی آواز رندھ سی گئی۔

"پلیز پلیز ماویہ! دیکھو رونا نہیں"۔

"آئی ہیٹ یو عباس! تم واپس چلے جاؤ، تم بہت برے ہو، بہت"۔ وہ اس کی بات کاٹ کر بولی۔

"سیریسلی اگر اب تم روئی تو میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے واپس چلا جاؤں گا"۔ اس کی دھمکی کارآمد ثابت ہوئی، وہ خفگی سے اسے دیکھنے لگی۔

"اچھا اب سب بھلا کر نیا اسٹارٹ کرو جہاں ماضی کا شائبہ تک نہ ہو، نہ آنسو ہو نہ کوئی غم، صرف میں اور تم"۔ اس کے گال پر پھیلتے آنسو اپنی پوروں پر چنتے اس نے کہا۔

"میں وعدوں کا قائل نہیں کیونکہ وعدوں پر میرا اختیار نہیں، پر اگر تم ساتھ دو تو سب پہلے کی طرح ٹھیک ہو سکتا ہے تم میرا ساتھ دو گی ناں"۔ اس کی ٹھوڑی پکڑ کر اونچی کرتے اس نے کسی آس کے تحت پوچھا، اثبات میں سر ہلا کر گویا اپنی رضامندی دے دی گئی۔

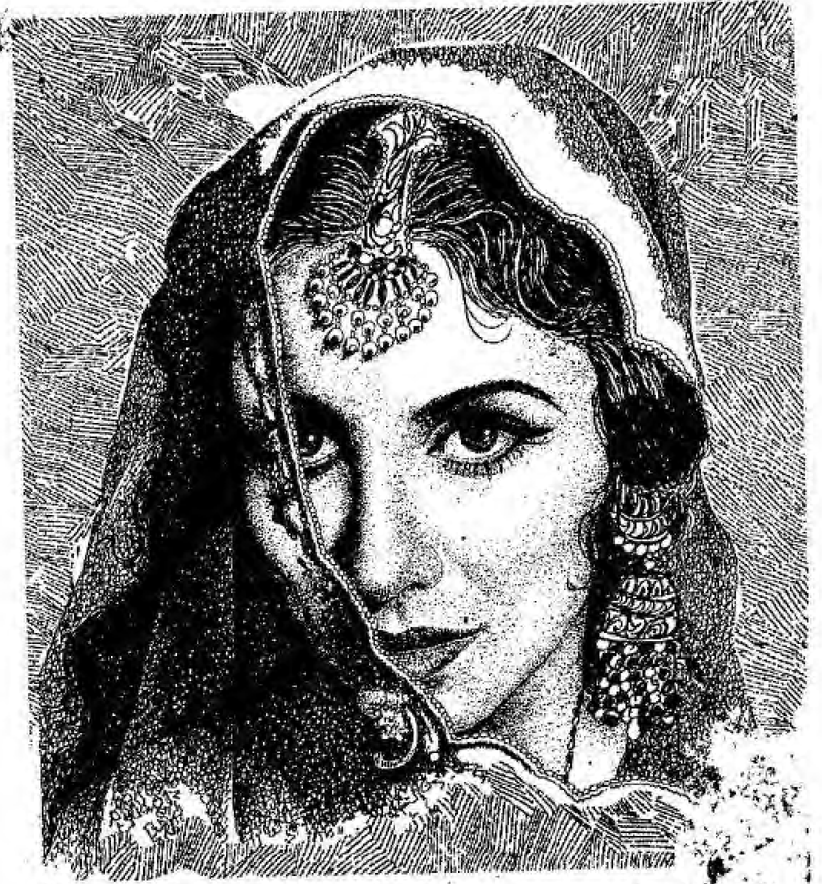
"اور میں اقرار کی قائل نہیں، جہاں خالص جذبے ہوں وہاں محبتوں کو اظہار کی ضرورت نہیں"۔ وہ آہستگی سے اس کے کان میں سرگوشی کرنے لگا۔ درخت پر بیٹھے فاختاؤں کے جوڑے نے ایک دوسرے کی سمت معنی خیزی سے دیکھا گویا ان کی سرگوشیاں سن لی ہوں۔ اس نے مسکراتے ہوئے اپنی پیشانی اس کے کندھے پر ٹکا دی، اب کٹھنائیوں کا سفر تمام ہونے کو تھا، اب زندگی میں عباس کے سنگ خوشیاں ہی خوشیاں اس کی منتظر تھیں۔

☆

عائشہ ذوالفقار

عائشہ نے لکھا ہے

''اور اب جو تم زخموں سے بھر گئی ہو اس کا کیا۔'' وہ بولا۔
''دھیرے دھیرے ٹھیک ہو جاؤں گی۔'' وہ مسکرائی۔
''دیکھو علیکہ رائی میرے پاس ایک اکلوتا بے چارہ سا دل ہے جو تمہارے ہاتھوں ایک خراش تک برداشت



نہیں کر سکتا تو اتنے ڈھیر سارے زخم کیسے کر سکتا ہے۔ تم تو تراشی گئی ہو کسی پتھر سے لیکن میں تو موم کا بنا ہوا ہوں
یار۔ پوچھو اس سے رات کیسے اس کے ہاتھوں میں پگھل رہا تھا میں۔'' وہ کہتا چلا گیا۔
''آئندہ ایسے فون کرنے سے پہلے ہزار بار یہ سوچنا کہ میرا کیا بنے گا۔ تم سے زیادہ اہم جان نہیں ہے میری
''وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔ علیکہ نظریں جھکا گئی۔ تبھی اس کا سیل بجا، عمایہ کی کال تھی۔
''تمہاری دوست کو یاد آئی تمہاری۔'' عکرمہ نے مسکراتے ہوئے اسے فون پکڑایا۔
''اس کی دوست نہیں اپنی وکیل کہا کر۔'' عقبہ ہنسا۔ علیکہ نے مسکراتے ہوئے کال ریسیو کر لی۔
''ایک یہ ہی کام تھا تمہارے کرنے کا۔ ڈان بننا، وہ بھی کر لیا تم نے۔'' عمایہ ہنستے ہوئے بولی۔
''میں نے سوچا بیٹی تو بن نہیں سکی۔ ڈان ہی بن جاؤں۔'' علیکہ مسکرائی۔

قسط نمبر 4



’’لیکن ڈان کا کام غنڈوں کی ٹھکائی کرنا ہوتا ہے لڑکی۔ وہ خود نہیں پٹ جاتا اب کیا حال ہے تمہاری کمر کا؟‘‘ وہ بولی۔

’’بیٹھنے کے قابل ہوگئی ہوں۔‘‘ وہ دھیرے سے بولی۔

’’تو لے جاؤں تمہیں آکر۔‘‘ اس نے پوچھا۔

’’لے جاؤ۔‘‘ علیکہ، عکرمہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

’’دیکھ لو کہیں تمہارے بڑے بھائی جان کو برا نہ لگے۔‘‘ عمایہ دھیرے سے مسکرائی۔

’’نہیں لگتا، لے جاؤ آکر۔‘‘ علیکہ نے ہنستے ہوئے کال کٹ کردی۔

’’یہاں کیا تکلیف ہے تمہیں۔‘‘ عکرمہ ایکدم اس پر ٹوٹ پڑا۔

’’میری وجہ سے دربدر ہو جاؤ گے تم دونوں۔ میں عمایہ سے کہوں گی وہ دو دن رک جائے گی میرے پاس۔‘‘ علیکہ جانے پر بضد تھی۔ عکرمہ اسے منا نہ سکا۔

’’بہت ضدی ہو تم۔‘‘ وہ ہار مانتے ہوئے بولا۔

’’ہاں مجھے پتا ہے۔‘‘ وہ مسکرائی۔

’’کل سے آفس بھی جانا ہے۔‘‘ اس کے بولتے ہی عتبہ نے اسے خاموش کروادیا۔

’’تمہاری دو دن کی چھٹی منظور کروالی ہے میں نے آرام سے گھر پر ریسٹ کرو۔‘‘

’’وہ کیسے کروالی؟‘‘ علیکہ حیرانی سے بولی۔

’’تمہارا منظور کروایا ہوا ٹینڈر روک کر۔‘‘ عتبہ ہنستے ہوئے بولا۔ آدھے گھنٹے بعد عمایہ آکر اسے اپنے ساتھ لے گئی۔

’’پلیز اس کا خیال رکھنا۔‘‘ عکرمہ نے سو دفعہ اور عتبہ نے ڈیڑھ سو دفعہ اسے کہا تھا۔

☆......☆

اس نے ہولے سے اسٹڈی کا دروازہ بجایا۔ عزین مرزا نے کتاب پر سے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔

’’آجاؤں۔‘‘ وہ اجازت مانگتے ہوئے بولا۔

’’آؤ۔‘‘ وہ دوبارہ کتاب پر جھکتے ہوئے بولے۔ عینیہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا ان کے پاس آبیٹھا۔

’’ایک بات پوچھوں آپ سے۔‘‘ وہ ان کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

’’پوچھو۔‘‘ وہ یونہی کتاب پڑھتے ہوئے بولے۔

’’عکرمہ سے کیا پرابلم ہے آپ کو؟‘‘ انہوں نے چونک کے اس کی طرف دیکھا۔

’’پھر اس کے بعد تم پوچھو گے کہ مجھے عتبہ سے کیا پرابلم ہے۔‘‘ وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

’’نہیں عتبہ سے پرابلم مجھے سمجھ میں آتی ہے۔ عکرمہ سے پرابلم مجھے سمجھ نہیں آئی۔ وہی پوچھنے آیا ہوں۔‘‘ وہ بولتا چلا گیا۔

’’میں صرف اسے ایک بہتر انسان بنانا چاہتا ہوں کامیاب دیکھنا چاہتا ہوں۔ وہ ذرا تیز لہجے میں بولے۔

’’یعنی آپ اس کی تربیت کررہے ہیں۔‘‘ وہ ہنسا۔ عزین مرزا چپ رہے۔

’’آپ بھول گئے ہیں ڈیڈ۔ تربیت بچپن کا حصہ ہوتی ہے جوانی کا نہیں۔‘‘ عزین مرزا دم بخود رہ گئے۔

’’تربیت کا وقت تب تھا ڈیڈ جب وہ چھوٹا تھا۔ جب بورڈنگ جاتے ہوئے آپ کی ٹانگوں سے لپٹ رہا

تھا۔ جب یہ ہفتے روتا ہوا آپ کے پاس بھاگ کر آتا تھا۔ مجھے ابھی تک یاد ہے ڈیڈ آپ کو کیسے بھول گیا۔‘‘ عزین مرزا چپ چاپ اسے سن رہے تھے۔

’’اب کون سی تربیت کررہے ہیں آپ؟ جب وہ 26 سال کا ہوگیا۔ جب آپ کے بغیر رہنے کے قابل ہوگیا۔‘‘ عینیہ کہتا چلا گیا۔

’’تو تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ میں غلط ہوں۔‘‘ وہ بولے۔

’’نہیں، میں یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ آپ ٹھیک نہیں کررہے، سگا بیٹا ہے وہ آپ کا اور آپ پورے آفس کے سامنے اس کی بے عزتی کررہے ہیں۔ ڈیڈ مجھے سمجھ نہیں آئی کہ آپ اس سے کیا چاہتے ہیں۔‘‘ عینیہ کی آواز اونچی ہوگئی۔

’’مجھے نہیں پتا تھا کہ میرے آفس میں اس کے وکیل بھرے پڑے ہیں۔‘‘ انہیں غصہ آگیا۔

’’بات وکالت کی نہیں ہے ڈیڈ، بات آپ کے رویے کی ہے اور صرف عکرمہ کے ساتھ نہیں۔ آپ علیکہ کے ساتھ بھی یہی رویہ رکھتے ہیں۔‘‘ وہ نہ جانے انہیں کیا سمجھانے کی کوشش کررہا تھا۔

’’تم چاہتے کیا ہو آخر۔‘‘ وہ ہار کر بولے۔

’’صرف اتنا کہ اگر آپ اسے لوگوں کے سامنے اپنا بیٹا نہیں کہنا چاہتے تو بے شک نہ کہیں، لیکن یہ تو یاد رکھیں کہ وہ آپ کا ہی بیٹا ہے۔‘‘

’’عمایہ بالکل ٹھیک کہہ رہی تھی آج، آپ نے نہیں رکھا ہوا اسے، وہ خود رکا ہوا ہے۔ کبھی تو سوچیں کہ آپ کے اتنے سخت رویے کے باوجود وہ ابھی تک آپ کے آفس میں کیوں رکا ہوا ہے۔ کہیں اور کیوں نہیں چلا جاتا۔‘‘ عینیہ انہیں سمجھانے کی فل کوششوں میں تھا۔ عزین مرزا بالکل خاموش تھے۔

’’وہ واقعی آج علیکہ کے پاس رکا ہوا تھا ڈیڈ، بہت سوئیر حالت تھی اس کی، پوری کمر زخموں سے بھری پڑی تھی۔ میں آج ہی مل کے آیا ہوں اس سے۔‘‘ وہ کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔

’’بس ہوگئی ختم تمہاری تقریر؟‘‘ عزین مرزا اسے اٹھتا ہوا دیکھ کر بولے۔

’’نہیں ایک ریکویسٹ رہ گئی ہے۔‘‘ وہ بولا۔

’’میرے ساتھ چلیں علیکہ سے مل کر آتے ہیں۔ خون ہے وہ آپ کا۔‘‘ وہ بڑی امید سے بولا۔

’’تم جانتے ہو وہ مجھے اپنے پاؤں کی خاک تک نہیں سمجھتی۔ عکرمہ سے ملنے آجاتی ہے لیکن میرے پاس آتے ہوئے اس کی جان جاتی ہے۔ مجال ہے کہ کبھی اس نے مجھے ڈیڈ کہہ کر پکارا ہو۔ جب اسے نہیں ضرورت تو میں کیوں جاؤں۔‘‘ وہ اپنی ضد پر قائم تھے۔

’’یہی تو میں کہہ رہا ہوں کہ چل کے پوچھیں اس سے کہ وہ کیوں نہیں ملتی آپ سے۔ کیوں آپ کو ڈیڈ نہیں کہتی، کیوں آپ سے اتنا کتراتی ہے۔‘‘ عینیہ آگے کو آیا۔

’’مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے عینیہ اس سے کچھ بھی پوچھنے کی۔ اپنی ماں جیسی فطرت ہے اس کی۔ گھمنڈی اور مغرور، جس دن اسے میری ضرورت ہوئی تو خود ہی آجائے گی سمجھے، اب جاؤ۔‘‘ وہ دوبارہ کتاب پر جھکتے ہوئے بولے۔

’’اب اسے ضرورت نہیں پڑے گی ڈیڈ، اب آپ کو اس کی ضرورت پڑے گی۔‘‘ عینیہ انہیں دیکھتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆......☆

دو گھنٹے سے وہ سونے کی ناکام کوششیں کر رہی تھی۔ رات کے بارہ بجنے والے تھے لیکن نیند نہ جانے کہاں ہوگئی تھی۔ کروٹ بھی بدل لی۔ آنکھوں پر بازو بھی رکھ لیا لیکن نیند مہربان نہ ہوئی۔ آخر تھک ہار کے وہ اٹھ کر باہر آگئی۔ علیکہ گہری نیند سوئی ہوئی تھی۔ وہ ٹیرس پر آکر نیچے فرش پر بیٹھ گئی۔ عجیب بے چینی سی تھی، اضطراب سا۔ اسے لگ رہا تھا جیسے کچھ ہونے والا ہو۔ ریلنگ سے ٹیک لگاتے ہوئے اس نے دھیرے سے آنکھیں بند کیں۔

''آپ کا نام۔''

''عمایہ عادل۔'' جھٹلانے کی لاکھ کوششوں کے باوجود حقیقت یہ تھی کہ آواز عکرمہ نور کی تھی۔

''تم کیوں اپنا آپ داؤ پر لگاتی ہو میرے لیے۔'' نظر انداز کرنے کی ہزاروں کوششوں کے باوجود سچ یہ تھا کہ ذہن کے پردے پر چہرہ بھی اسی کا تھا۔

''میں تمہاری طرح نہیں ہوں عمایہ۔ دیوارِ دل پر عکس بھی اسی کا تھا۔'' انتہائی بے بس ہو کر اس نے دوبارہ آنکھیں کھول دیں۔

''یہ تم کیا کر رہی ہو عمایہ۔'' اس کے اندر سے آواز آئی۔

''پہلے تمہارے دامن میں پریشانیاں اور تکلیفیں کم ہیں کیا جو ان میں ایک اور کا اضافہ کر رہی ہو۔'' کوئی اسے اندر سے روک رہا تھا۔

''رک جاؤ لڑکی ابھی رک جاؤ، تھوڑا اور وقت گزر گیا تو پھر رکنے کا اختیار بھی کھو دو گی۔ ابھی بہت کچھ تمہارے ہاتھ میں ہے عمایہ عادل۔ ڈرو اس وقت سے جب ہر چیز بے اختیار ہو جائے۔'' آوازیں بڑھتی جا رہی تھیں۔

''ہاں مجھے رک جانا چاہیے، مجھے کوئی حق نہیں ہے یہ سب کرنے کا۔'' اس نے جیسے خود سے سرگوشی کی تھی اور پھر ایکدم ریلنگ کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔ اسے لگا دور آسمان پر کوئی ہے جو اسے کچھ کہہ رہا ہے۔ نم ہوئی آنکھوں کے ساتھ اس نے دھیرے سے کروٹ بدل لی۔ کہنے والا بالکل سچ کہہ رہا تھا۔

''اس وقت سے ڈرو عمایہ عادل جب وہ آجائے گی تہس نہس کر دے گی سب کچھ، ملیا میٹ کر دے گی۔ تباہ و برباد کر دے گی۔ اب تو کیا خوار ہوئی ہو تم جو تب ہو جاؤ گی۔ بولنا چاہو گی تو بولا نہیں جائے گا، سننا چاہو گی تو سنا نہیں جائے گا۔ صرف آنسو نکلیں گے۔ صرف آہیں نکلیں گی۔ مضبوطی سے تمہارے گرد شکنجہ کس دے گی وہ ہاتھ پاؤں بھی نہیں مارنے دے گی۔ رحم بھی نہیں کھائے گی۔ ہاتھ جوڑ کر معافی مانگنے سے معاف بھی نہیں کرے گی۔ اسے مت بلواؤ بے وقوف لڑکی۔ وہ آئی تو جینا دشوار کر دے گی۔ سانسیں چوس لے گی تمہاری دھڑکنیں کھا جائے گی۔ زندہ لاش کر دے گی تمہیں رک جاؤ، باز آجاؤ، اسے مت پکارو، اسے مت آواز دو، اگر اس نے تمہاری صدا سن لی تو بے موت مر جاؤ گی۔'' آنسو قطاروں کی صورت میں اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔

☆......☆

وہ اور عکرمہ ایک میٹنگ اٹینڈ کرنے آئے تھے۔ چار گھنٹے کی لمبی اور بور میٹنگ کے بعد دونوں ہی بری طرح تھک گئے۔ جیل سے بھاگے ہوئے قیدیوں کی طرح وہ وہاں سے باہر نکلے۔

''دونوں ٹانگوں کے نیچے سے ہاتھ نکال کر کانوں کو لگا کر میری توبہ ہے جو میں نے آئندہ کوئی میٹنگ اٹینڈ کی تو۔'' عکرمہ غصے سے بھرا پڑا تھا۔

''پھر سر پتا نہیں کیا کہیں گے، عکرمہ تمہیں اچھا کیا لگتا ہے مہینے بعد سیلری لینا۔'' عمایہ مسکرائی۔

''اور میں کہوں گا کہ وہ کسے اچھا نہیں لگتا۔''

عکرمہ نے قہقہہ لگایا۔ وہ دونوں ہنستے ہوئے گاڑی کی طرف آگئے۔

''میں نے آج صاف صاف کہہ دینا ہے کہ آفس کے کام سے کہیں بھیجنا ہو تو یا تو اپنی گاڑی میں بھیجیں یا پھر پیٹرول کے پیسے دیا کریں۔'' وہ گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے بولا۔

''آپ کو پتا تو ہے وہ آگے سے کیا کہیں گے۔'' عمایہ ہنسی۔

''پچھتر ہزار سیلری ہے تمہاری عکرمہ نور۔ پچھتر روپے کا پیٹرول ڈلوانے سے فقیر نہیں ہو جاؤ گے۔'' وہ اس کی بات پر کھل کے ہنسا۔

''عمایہ ایک بات پوچھوں تم سے۔'' وہ چند لمحوں بعد بولا۔

''جی پوچھیں۔'' وہ خوش دلی سے بولی۔

''تم مجھے آپ کیوں کہتی ہو۔ تم کیوں نہیں کہتی۔'' اس نے پوچھا۔

''ویسے ہی عادت ہے میری۔'' عمایہ دھیرے سے بولی۔

''بالکل جھوٹ، عادت سب کے لیے ہوتی ہے تم صرف مجھے آپ کہتی ہو، باقی کسی کو نہیں۔'' عکرمہ نوراً بولا۔

''میرا دل نہیں کرتا آپ کو تم کہنے کے لیے۔'' وہ ہولے سے مسکرائی۔

''کیوں بھلا؟'' عکرمہ حیرانی سے بولا۔

''مجھے لگتا ہے اگر میں آپ کو تم کہوں گی تو آپ کی بہت بے ادبی ہو جائے گی۔'' اس کی بات پر عکرمہ نے کھل کے قہقہہ لگایا۔

''یار تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے میں اللہ معاف کرے کوئی مقدس ہستی ہوں۔''

''ہو سکتا ہے آپ میرے لیے مقدس ہستی ہوں یا شاید اس سے بھی بڑھ کر۔'' اس کی بات پر عکرمہ چپ رہ گیا۔

''پلیز عمایہ مجھے اس قدر بلند مقام نہ دیا کرو۔ میں کسی طرح اس کے قابل نہیں ہوں۔'' وہ بولا۔

''ہم کس قابل ہیں یہ ہم نہیں ہمارے ارد گرد والے پتا لگاتے ہیں۔ وہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ہمیں سر آنکھوں پر بٹھائیں یا پیروں کی دھول بنائیں۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''تو تم نے مجھے سر آنکھوں پر کیوں بٹھایا ہے۔'' اس نے پوچھا۔

''جس دن یہ مجھے پتا چل گیا۔ اس دن آپ کو بھی بتا دوں گی۔'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

''چلو پھر میری ایک بات مانو......'' وہ کچھ دیر بعد بولا۔

''آپ ایک کی بجائے سو منوا لیں۔'' وہ ہنسی۔

''میری خاطر مرزا صاحب سے نہ لڑا کرو۔'' وہ دھیرے سے بولا۔

''کیوں؟'' وہ حیران ہو کر بولی۔

''کیوں کہ یہ جاب تمہاری ضرورت ہے، شوق نہیں ہے۔ میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ مجھ سے فالتو اور فضول شخص کے پیچھے تم اس سے ہاتھ دھو بیٹھو۔'' وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔

’’فالتو اور فضول کس نے کہا ہے آپ کو۔‘‘ وہ اس کی بات پکڑتے ہوئے بولی۔

’’میں نے خود کہا ہے۔‘‘ وہ بولا۔

’’آئندہ کہا تو پھر میں آپ سے بھی لڑوں گی عکرمہ۔‘‘ وہ دھیرے سے مسکرا کر بولی۔

’’وعدہ کرو میری بات مانو گی۔ اب عزین مرزا سے ٹکر نہیں لو گی۔‘‘ وہ اسے سیدھے رستے کی طرف لانے کی ہزارہا کوششیں کر رہا تھا۔

’’یعنی آپ یہ چاہ رہے ہیں کہ وہ آپ کی پوری شدت سے بے عزتی کریں، پورے اسٹاف کے سامنے آپ کو لعنت ملامت کریں اور میں دوسروں کی طرح چپ چاپ اپنے کیبن میں بیٹھ کر تماشا دیکھوں، ہے ناں۔‘‘ وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

’’ہاں میں یہ ہی چاہتا ہوں۔‘‘ وہ فوراً بولا۔

’’پھر مجھ میں اور باقیوں میں کیا فرق رہ جائے گا عکرمہ نور۔‘‘ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

’’کیا فائدہ میرے ہونے کا جب میرے سامنے کسی میرے جیسے کی مٹی پلید ہو اور میں چپ رہوں۔‘‘ عکرمہ خاموش رہ گیا۔

’’میں سب کچھ جانتے بوجھتے آنکھیں بند نہیں کر سکتی۔ عکرمہ یہ کیا طریقہ ہے کہ پہلے تو انتہائی بے دردی سے بچپن قتل کر دیا، پھر خود سے اتنا دور کر دیا کہ رونے کی آواز تک نہ پہنچے، شکل تک دیکھنا گوارا نہیں کیا۔ پھر جب عادت ہو گئی تو احسان دھر کے واپس بلا لیا۔ جب اپنی منوانے کے دن تھے تب تو دور کر دیا اور اب جب ماننے کے دن ہیں تو منوانا یاد آ رہا ہے۔ عکرمہ یہ سب صرف آپ کے ساتھ ہی نہیں ہوا میں نے بھی سہا ہے لیکن مسئلہ یہ ہے کہ میں اپنے بابا کے آگے ویسے نہیں بول سکتی جیسے عزین مرزا کے آگے بول لیتی ہوں۔ بالکل ویسے جیسے آپ اپنے ڈیڈ کے آگے نہیں بول پائے۔‘‘ اس کی بات پر عکرمہ نے چونک کے اسے دیکھا۔

’’تمہیں کیسے پتا وہ میرے ڈیڈ ہیں۔‘‘

’’دنیا میں صرف ایک شخص ایسا ہوتا ہے عکرمہ جس کی ہزارہا جھڑکیوں، طعنوں، گالیوں اور زیادتیوں کے باوجود انسان اس شخص کے آگے بول نہیں پاتا بس سر جھکا کے سب کچھ سنتا رہتا ہے۔ جیسے میں اپنے بابا کے آگے نہیں بول پاتی۔ جیسے آپ عزین مرزا کے آگے نہیں بول پائے۔ عکرمہ بول نہ سکا۔

’’جانے انجانے میں ان کے آگے بول کے آپ کو نہیں بچاتی عکرمہ میں شاید ان سے اپنا بدلہ لیتی ہوں۔‘‘ وہ دھیرے سے بولی۔

’’اب دوبارہ نہ کہیے گا کہ مرے نہ لڑا کرو۔‘‘ وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرائی۔

’’لڑو بھئی جتنا مرضی لڑو۔ بس بعد میں مجھے نہ کہنا کہ تمہارے پیچھے نوکری چلی گئی۔‘‘ عکرمہ بولا۔

’’نہیں کہتی۔‘‘ وہ ہنستے ہوئے بولی۔

☆......☆

’’عشاء کی نماز پڑھ کے وہ اپنا کھانا گرم کرنے نیچے آئی تھی۔ باقی سب لوگ اندر تھے۔ ٹرے میں کھانا رکھ کے اس نے فریج سے ٹھنڈے پانی کی ایک بوتل نکالی اور کچن سے باہر آ گئی۔ عادل اور عبیرہ کے کمرے کے آگے سے گزرتے ہوئے وہ اپنا نام سن کر یکدم ٹھٹک گئی۔

’’لیکن عبیرہ یہ بھی تو سوچو کہ اس کی عمر نکلی جا رہی ہے آنے والے کچھ سالوں میں شادی کی عمر نکل جائے

گی۔‘‘ عادل صاحب کی۔ مدھم سی آواز اس کے کانوں تک پہنچی۔

’’بس کریں عادل، وہ ابھی پورے 23 سال کی بھی نہیں ہوئی، ابھی سے شادی کر کے اس کے لیے اور پریشانیاں کھڑی کیوں کر رہے ہیں۔‘‘ عبیرہ کی بات سن کے وہ دم بخود رہ گئی۔ اسے یقین نہ آیا کہ وہ اس کی فیور کر رہی تھیں اس نے دھیرے سے ٹرے چارپائی پر رکھ دی۔

’’جب تک جی سکتی ہے تب تک تو اسے اپنی مرضی سے جی لینے دیں۔ بعد میں تو پتا نہیں کیسا نصیب ہو گا۔ خدا نہ کرے میرے جیسا ہوا تو ہمیں ہی کوسے گی۔‘‘ عبیرہ عادل پر چڑھ دوڑیں۔

’’ضروری تو نہیں ہے جو محرومیاں تمہیں ملی ہیں وہ اسے بھی ملیں عبیرہ۔ ہو سکتا ہے اس کا نصیب اس کی پچھلی ساری اذیتوں اور محرومیوں کا ازالہ کر دے۔‘‘ عادل صاحب اپنی بات پر قائم تھے۔

’’بہت اچھا رشتہ بتایا ہے اعجاز نے مجھے۔ لڑکا میرا دیکھا بھالا بھی ہے۔ Lesco میں جاب کرتا ہے۔ اچھی پڑھی لکھی فیملی ہے ان کی۔‘‘ عبیرہ میرا کیا بھروسا آج ہوں کل نہیں ہوں گا۔ اپنے جیتے جی عمایہ کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں میں۔‘‘ عادل صاحب کہتے چلے گئے۔ عمایہ کے حلق میں کچھ اٹکا۔ عادل صاحب پوری طرح اس کی شادی کروانے کے درپے تھے۔

’’کچھ نہیں ہوا ہے آپ کو عادل، اللہ کے کرم سے ٹھیک ہو جائیں گے آپ، آنے والے وقت میں اس سے زیادہ بہتر رشتہ مل جائے گا عمایہ کو آپ فکر کیوں کرتے ہیں۔‘‘ عبیرہ انہیں تسلی دیتے ہوئے بولیں۔

’’تمہیں اس رشتے پر کیا اعتراض ہے؟‘‘ انہوں نے پوچھا۔

’’مجھے رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے عادل مجھے اس قدر جلد بازی پر اعتراض ہے۔‘‘ وہ فوراً بولیں۔

’’23 سال کی عمر بالکل موزوں ہے شادی کے لیے۔ کوئی جلد بازی نہیں ہے عبیرہ۔‘‘ وہ ان کی بات سمجھنے سے قاصر تھے۔

’’عادل آپ میری بات کیوں نہیں سمجھ رہے۔ عمایہ کی شادی کے بعد ہم لوگ کیا کریں گے۔‘‘ عبیرہ کی تیز آواز پر وہ ٹھٹک گئی۔

’’ہر ہفتے ہزاروں کا خرچہ ہوتا ہے آپ کے چیک اپ پر، گھر کا خرچہ الگ ہے، بچوں کی فیسیں، کاپیاں، کتابیں اوڑھنے اور پہننے کا خرچہ الگ ہے۔ کون اٹھائے گا اتنے خرچے۔‘‘ وہ دم بخود کھڑی رہ گئی۔ اس نے کیسے سوچ لیا کہ عبیرہ اس کے حق میں کچھ بہتر سوچ سکتی ہیں۔

’’ساری عمر نہ میں نے نوکری کی ہے اور نہ کروں گی۔ مجھ سے نہیں در در جا کر خوار ہوا جاتا اور آپ اپنی حالت دیکھیں۔ اٹھا سکتے ہیں آپ اتنا خرچہ۔‘‘ وہ ان پر چڑھ دوڑیں۔

’’کمپنی مجھے ہر مہینے......‘‘ عبیرہ نے فوراً ان کی بات کاٹ دی۔ ’’کیا دیتی ہے کمپنی آپ کو، کچھ بھی نہیں۔ سارا گھر وہ چلاتی ہے عادل۔‘‘ عبیرہ کی آواز بھی خاصی اونچی ہو گئی۔ نہ جانے کیوں اس کی آنکھوں میں پانی بھرا تھا۔ علیکہ درست کہتی تھی ان رشتوں سے اسے صرف خود غرضی ملے گی اور کچھ نہیں۔

’’کر دیں اس کی شادی، بسا دیں اس کا گھر، اس کے بعد خود کیا کریں گے آپ، بھیک مانگنے کی نوبت آ جائے گی، خدا کا واسطہ ہے آپ کو عادل، میرے بچوں کو کسی قابل ہو جانے دیں۔ پھر بیاہ دیں اسے۔ مل جائے گا اسے کوئی نہ کوئی۔‘‘ عبیرہ ایکدم اپنی اصلیت پر اتر آئیں۔

’’تب تک چالیس کی ہو جائے گی۔‘‘ عادل صاحب مدھم سی آواز میں بولے۔

”تو پھر کیا ہوا۔ آج کل چالیس والیوں کو بھی رشتے مل جاتے ہیں۔ بس نوکری ہونی چاہیے۔“ وہ تیز لہجے میں بولیں۔

”چالیس والیوں کو پھر بچوں والے ہی ملتے ہیں۔“ وہ تاسف سے بولے۔

”تو پھر کیا ہوا۔“ ”میں نے نہیں کی آپ سے۔ آپ بھی تو بچوں والے تھے۔“ عبیرہ ان کے سر چڑھ کر بولیں۔

”میرے بچوں کو کسی مقام تک پہنچا دے پھر کرے شادی وہ، میں نے کون سا ساری عمر اس کی کمائیاں کھانی ہیں۔“ عبیرہ سخت لہجے میں کہتی ہوئی شاید لیٹ گئی تھیں۔ وہ چپ چاپ ٹرے اٹھا کر اوپر آ گئی۔ بھوک بالکل ختم ہو گئی تھی۔ چند لقمے زہر مار کرنے کے بعد وہ چپ چاپ سونے لیٹ گئی۔

☆......☆

اسے آفس آتے جاتے ایک ہفتہ ہو گیا تھا۔ اب اس کی حالت بھی قدرے بہتر تھی۔ اس دن بھی ہاف ٹائم چل رہا تھا جب عارب اپنا کپ اٹھا کر عتبہ کے پاس آ بیٹھا۔ وہ حسب معمول کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے سونے کی تیاریوں میں تھا۔

”عتبہ سن یار۔“ وہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا۔

”ہوں۔“ عتبہ منہ پر اخبار ڈالتے ہوئے بولا۔

”علیکہ کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے۔“ اس نے دھیرے سے پوچھا۔ اس کی بات پر چند قدم دور بیٹھے عاطف کے کان بھی کھڑے ہو گئے۔

”میں اپنا خیال تجھے کیوں بتاؤں۔“ عتبہ اونگھتے ہوئے بولا۔

”تو اپنا خیال مجھے بتائے گا تو میں اپنا خیال تجھے بتاتا ہوں۔“ عارب کے کہتے ہی عتبہ نے اس کی طرف دیکھا۔

”تو میرا خیال بھاڑ میں جھونک اور اپنا بتا۔“ وہ اخبار ایک طرف پھینکتے ہوئے بولا۔

”علیکہ اکیلی رہتی ہے ناں۔“ عارب اور آگے کو ہوا۔

عاطف کے کان مزید کھڑے ہو گئے۔

”ہاں یہ بات میرے کان میں گھس کے کیوں پوچھ رہا ہے۔“ عتبہ حد درجے بدمزہ ہو گیا۔

”کافی عرصہ ہو گیا ہے نہ اسے اکیلے رہتے ہوئے۔“ عارب مزید اس کے قریب ہو گیا۔

”ہاں تو میرے اوپر تو مت چڑھ۔“ عتبہ پیچھے ہٹتے ہوئے بولا۔

”یار وہ اتنی خوب صورت ہے اچھی بھی بہت ہے۔ بس غصہ ذرا زیادہ کرتی ہے لیکن بعد میں ٹھیک بھی ہو جاتی ہے۔ اسے کسی کی ضرورت ہے یار۔“ عارب کی آواز انتہائی مدھم ہو گئی۔ عاطف اٹھ کے قریب آ گیا۔

”کس کی ضرورت ہے اسے۔“ عتبہ ہونقوں کی طرح بولا۔

”کسی ایسے کی جو اس کی ڈھال بن سکے۔ جو اس کا خیال رکھ سکے یار۔“ عارب نہ جانے کیا کہنا چاہ رہا تھا۔

”تو کھل کے نہیں کہہ سکتا کہ کیا بات ہے۔“ عتبہ نے اسے گھورا۔

”علیکہ نے شادی کب کرنی ہے یار۔“ عارب سیدھی بات کی طرف آیا۔ عاطف کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”یہ علیکہ کو پتا ہو گا جا کے اس سے پوچھو۔“ عتبہ کلس گیا۔ ”وہ میں پوچھ لیتا ہوں۔ تو یہ بتا دے کہ تو نے تو نہیں

کرنی نہ اس سے۔“ عارب صاف بات کرتے ہوئے بولا۔

”تو نے کرلی ہے۔“ عتبہ نے جواباً اس سے پوچھا۔

”میں یہی تو تجھ سے پوچھ رہا ہوں عتبہ کہ میں اس سے شادی کرلوں۔“ عارب جیسے مشورہ مانگ رہا تھا۔

”اگر میں کہوں کہ میں نے کرنی ہے تو......“ عتبہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

”تو پھر کی کیوں نہیں اب تک۔ اتنا عرصہ ہو گیا ہے تم دونوں کو ساتھ کام کرکے۔ اگر تو راضی ہے تو کر کیوں نہیں لیتا اس سے شادی۔“ عارب کھل کے بولا۔ عتبہ چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”تو یہ سمجھ کہ میں کچھ نہیں چاہتا۔ میں ہوں ہی نہیں۔ میری جگہ تو خود کو رکھ اور جا کر اس سے پوچھ لے۔“ وہ عارب کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولا۔ وہ بے چارہ کچھ دیر تو اسے دیکھتا رہا پھر دھیرے سے بولا۔

”وہ مان جائے گی۔“

”جا کے پوچھ لے۔“ عتبہ اسے حوصلہ دیتے ہوئے بولا۔ عارب کا رخ عاطف کی طرف ہو گیا۔

”تو کیا کہتا ہے۔“ وہ ہولے سے بولا۔

”تیری مرضی ہے یار۔ دیکھ لے غصہ نہ کر جائے۔“ عاطف بولا۔

”غصہ کیوں کرے گی، شادی نہیں کرنی ہے کیا اس نے۔“ عارب تیزی سے بولا۔

”عارب بادشاہ میں تجھے کہہ رہا ہوں نا کہ ہمت کر اور جا، وہ سامنے بیٹھی ہے۔ جا کر اس سے پوچھ لے ابھی پتا چل جائے گا۔“ عتبہ اسے زبردستی کھڑا کرتے ہوئے بولا۔

وہ چند لمحے اِدھر اُدھر دیکھتا رہا، پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

”تیرا کیا خیال ہے عتبہ۔ کیا کرے گی وہ۔“ عاطف اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

”آرام سے اس کے سوال کا جواب دے گی اور کیا۔“ عتبہ دوبارہ کرسی پر دراز ہوتے ہوئے بولا۔

”جواب سن کر یہ کبھی بھی سکون سے نہیں بیٹھے گا۔“ عاطف نے اندازہ لگایا۔

”تو پھر بھگتے گا۔ بحث تو وہ رضوی صاحب کی بھی برداشت نہیں کرتی۔“ عتبہ دور جاتے عارب کی پشت دیکھتے ہوئے بولا۔ وہ دھیرے دھیرے چلتا ہوا علیکہ کی طرف آ گیا۔ وہ چائے پیتے ہوئے باقی کولیگز سے باتیں کر رہی تھی۔

”علیکہ، تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے؟“ وہ اس کے پاس کھڑا ہوتے ہوئے بولا۔

”ہاں عارب بولو۔“ علیکہ خوشدلی سے بولی۔

”تم برا تو نہیں مانو گی۔“ وہ دوبارہ بولا۔

”نہیں مانتی بولو۔“ وہ چائے کے گھونٹ بھرتے ہوئے بولی۔

عاطف اور عتبہ کو ساری گفتگو سنائی دے رہی تھی۔

”علیکہ تم نے شادی کب کرنی ہے؟“ اس نے پوچھا۔

”جب میری مرضی ہو گی تب۔“ وہ آرام سے بولی۔

”اور کس سے کرنی ہے۔“ عارب نے پھر پوچھا۔

”وہ بھی میری مرضی۔“ علیکہ چائے کا کپ ختم کرتے ہوئے بولی۔

”تم مجھ سے شادی کرو گی۔“ عارب نے لمحوں میں اسے پروپوز کیا تھا۔ علیکہ ایک لمحے کو حیران رہ گئی۔

''نہیں۔'' کچھ دیر بعد اس نے مختصر سا جواب دیا۔
''کیوں؟'' عارب نے فوراً پوچھا۔
''میری مرضی۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے بولی۔
''کوئی وجہ تو ہوا نکار کی۔'' عارب یار نہیں مان رہا تھا۔
''میں تمہیں وجہ دینی ضروری نہیں سمجھتی۔'' وہ سرسری سے انداز سے بولی۔
''میری جگہ عتبہ ہوتا تو بھی تم انکار کر دیتیں۔'' عارب غلطی کر رہا تھا۔
''لیکن تمہاری جگہ عتبہ نہیں ہے۔ جس دن وہ آئے گا میرے پاس، تو جواب تم بھی سن لینا۔'' علیکہ کھڑی ہو گئی۔

''علیکہ آخر کمی کیا ہے مجھ میں میرے پاس اپنا گھر ہے، جاب ہے، صاحب جائیداد ہوں، وعدہ کرتا ہوں تم سے کہ شادی کے بعد تمہیں بہت خوش رکھوں گا۔'' عارب آگے کو آیا۔
''تمہاری ساری باتوں کی بہت قدر کرتی ہوں میں عارب لیکن میں تم سے شادی نہیں کر سکتی۔'' علیکہ اب بھی اسے اطمینان سے سمجھاتے ہوئے بولی۔
''تو کیا ساری عمر بس دس دس ہزار کے بدلے ڈنر......'' عارب کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی علیکہ کا ہاتھ اٹھ گیا۔
''دیکھا میں نے کہا تھا نا کہ خود بھگتے گا۔'' عتبہ نے عاطف کی طرف دیکھ کر کہا۔ عارب گال پر ہاتھ رکھے دم بخود رہ گیا۔
''تمہارے دس ہزار اتنا ہی پھدک رہے ہیں نہ تو جاؤ جا کر پورا شہر خرید لو ان سے۔ تم جیسوں کا ویسے بھی ایک سے گزارہ نہیں ہوتا۔ بیوی کے بعد بھی ہزاروں چاہیے ہوتی ہیں تمہیں اور ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا عارب چوہدری...... ! علیکہ زہرہ تمہیں اس پورے شہر کے کسی بازار، کسی مال، کسی سیل، یا کسی نمائش پر نہیں ملے گی جو دس ہزار دے کر خرید لو۔'' علیکہ نے اسے انگلی اٹھا کر کہا تھا عتبہ زیر لب دھیرے سے مسکرا دیا۔

☆......☆

وہ پانی کی بوتل لینے نیچے آیا تھا۔ سیڑھیاں اترتے ہوئے ایکدم ٹھٹک گیا عزین اور عروہ دونوں لاؤنج میں بیٹھے کچھ ڈسکس کر رہے تھے۔
''یہ آپ دونوں یوں چھپ چھپ کر میرے خلاف کیا سازشیں کر رہے ہیں۔'' وہ فریج سے بوتل نکالتے ہوئے با آواز بلند بولا۔
''یہ ہی کہ تمہیں کچھ پلا کر تمہاری زبردستی شادی کروا دیں اس امریکن نیشنلٹی والی سے۔'' عروہ ہنستے ہوئے بولیں۔ وہ پانی پی کے ان کے پاس آ بیٹھا۔
''دیکھیں آپ کی سروس کتنی سست ہے۔ ایک ذرا سا کام کہا تھا آپ سے ابھی تک نہیں کیا۔'' وہ ان کے کندھے پر سر رکھتے ہوئے بولا۔
''وہ کام میں نے نہیں تمہارے ڈیڈ نے کرنا ہے۔'' عروہ اس کا منہ عزین کی طرف موڑتے ہوئے بولیں۔
''بھئی مجھے عثمان کہیں ملے گا تو کروں گا بات، ایسے کیسے ڈائریکٹ جا کے رشتہ مانگ لوں۔'' وہ چڑ گئے۔
''تو ڈائریکٹ رشتہ مانگنے میں کیا حرج ہے۔'' عینیہ فوراً بولا۔

''وہ سمجھے گا میں تمہارے کہنے پر بات کر رہا ہوں۔'' عزین مرزا نے اپنا موقف بیان کیا۔
''حرج تو اس میں بھی کوئی نہیں ہے۔'' عینیہ بولا۔
''اچھا میرا دماغ مت کھاؤ کر لوں گا۔'' وہ اسے ٹالتے ہوئے بولے۔
''دیکھ لیں آپ لوگ اس سے نہ ہوئی تو کسی سے بھی نہیں کروں گا میں۔'' وہ عروہ کی گود میں سر رکھ کے لیٹتے ہوئے بولا۔ عروہ دھیرے سے مسکرا دیں۔
''عزین ایک اور ضروری بات کرنی تھی میں نے آپ سے شکر ہے یاد آ گئی۔'' عروہ رخ ان کی طرف موڑتے ہوئے بولیں۔
''عفاف کا پتا ہے آپ کو۔'' انہوں نے پوچھا۔ عزین مرزا نے صرف اثبات میں سر ہلا دیا۔
''پچھلے دنوں اس کا اکلوتا بیٹا امریکہ سے واپس آیا ہے۔ اچھا خاصا ہینڈسم اور خوب صورت لڑکا ہے۔ عفاف اس کے لیے لڑکی ڈھونڈ رہی ہے......'' عینیہ ان کی بات پر ٹھٹک گیا۔
''تو پھر......'' عزین سمجھ نہ سکے۔
''تو پھر کیا عزین...... ! چار ملٹی نیشنل فرمز کا اکلوتا وارث۔ ...قدر شاندار بنگلہ ہے ان کا گاڑیوں کی الگ بہتات ہے۔ آپ علیکہ سے بات کریں ناں۔'' وہ ا... بات کی طرف آئیں۔ عینیہ کے لبوں پر مسکراہٹ کھل گئی۔ اسے تھوڑا بہت اندازہ تھا علیکہ اور عتبہ کے آپس کے رشتے کے بارے میں۔
''چاروں نہ سہی ایک آدھ فرم تو اس کے نام کرے گا ناں اور پھر آپ سوچیں ناں کتنی ویلیو بڑھ جائے گی۔'' عروہ انہیں پوری طرح اکسا رہی تھیں۔
''تمہیں لگتا ہے عفاف مان جائے گی؟'' انہوں نے پوچھا۔
''عفاف کو کون منا رہا ہے۔ میں تو کبھی نہ اس چڑیل کے منہ لگوں۔ علیکہ سے کہیں اس کے بیٹے کو منائے۔'' عروہ نے اب اپنا مطلب واضح کیا۔
''تم تو ایسے کہہ رہی ہو جیسے اس کا بیٹا تیار بیٹھا ہے ماننے کے لیے۔'' عزین ذرا تیز لہجے میں بولے۔
''چلیں فوراً نہ سہی آرام سے منا لے اسے، اتنے سالوں سے انڈیپنڈنٹ زندگی گزار رہی ہے۔ لڑکے پٹانے تو آتے ہی ہوں گے اسے۔ آخر کو بیٹی کس کی ہے۔'' عروہ کا لہجہ کڑوا ہو گیا۔
''میری بیٹی ہے وہ۔'' عزین کو اچھا نہیں لگا۔
''آپ ایسے تو نہیں ہیں اور کچھ آئے نہ آئے اپنی ماں کی طرح ڈورے ڈالنے تو آتے ہی ہوں گے اسے، سالوں سے اِدھر اُدھر ہی تو منہ مار رہی ہے۔ ایک ہی دفعہ اچھی جگہ مار لے۔'' عروہ کے لہجے میں صرف نفرت تھی۔
''تم اتنی تلخ مت ہوا کرو۔ جو کچھ عبیرہ نے کیا وہ تم نے بھی تو کیا ہے۔ بس ذرا بہتر طریقے سے اس سے زیادہ بہتر زندگی گزار رہی ہو تم۔'' عزین نے انہیں جھڑکا۔
''علیکہ کو بلا کے اس سے بات کریں۔'' وہ موضوع پر آتے ہوئے بولیں۔
''وہ کبھی نہیں مانے گی۔'' عزین اسے جانتے تھے۔
''ویسے بڑے ہی آوارہ اور بگڑے ہوئے ہیں آپ کے دونوں بچے۔ آپ کے ہاتھوں سے نکل گئے ہیں مرزا صاحب۔'' عروہ انہیں بھگو کر لگاتے ہوئے بولیں۔

''ہاں تمہارا تو جیسے بڑا شریف اور سدھرا ہوا ہے۔ پورے اسٹاف کے سامنے میری بے عزتی کر کے جاتا وہ۔ عکرمہ جیسا بھی ہے سر جھکا کر سنتا ہے۔'' عزین بھڑک کر بولے۔

''تو عکرمہ سے ہی کہیں کہ اس سے بات کرے۔ اتنا جو اس کا بڑا بھائی بنا پھرتا ہے۔'' عروہ کے پاس آگے سے بڑھ کے ایک ترکیب تھی۔

''اچھا میں دیکھتا ہوں۔'' وہ جان چھڑاتے ہوئے بولے۔

''زندگی سنور جائے گی تمہاری بیٹی کی۔'' عروہ نے ان پر احسان دھرا۔

''اوئے بات سن میری۔'' عزین چپ چاپ ان دونوں کی باتیں سنتے عینیہ کو بلاتے ہوئے بولے۔

''اب چغل خود عورتوں کی طرح یہ ساری باتیں مرچ مصالحہ لگا کر عکرمہ کے کانوں میں نہ انڈیل دینا، سمجھا۔'' وہ ان کی بات کے جواب میں صرف قہقہہ لگا کر اٹھ گیا۔

''یہ بھی کم تو نہیں ہے۔'' عزین نے عروہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

''تو آپ کا ہی خون ہے، آپ کون سا کم ہیں۔'' عروہ ساری بات ان کے سر ڈال کے اٹھ گئیں۔

☆......☆

''اور سنا عالی تیری شہزادی راضی ہوئی یا نہیں۔'' وہ اس ویک اینڈ پر گاؤں جانے کے بجائے عرفان سے ملنے آ گیا تھا۔

''کہاں یار، لائن پر آ ہی نہیں رہی۔'' عارب اپنے لیے پیپسی کا گلاس بھرتے ہوئے بولا۔

''یہ تیری پروموشن کی پارٹی نہیں ہے سمجھا۔ جب ہم دونوں اکٹھے گاؤں جائیں گے تو عروج کے ساتھ مل کر اچھی والی پارٹی اڑانی ہے۔'' عارب کی بات پر اس نے قہقہہ لگایا۔

''میری پروموشن تو ہو گئی اب تو بھی کروا لے چندا۔'' عرفان اس کے کندھے پر ہاتھ مار کر بولا۔

''میری پروموشن تو کھٹائی میں جا رہی ہے یار آج عینیہ اسے پروپوز کرنے لے جا رہا ہے ڈنر پر۔'' عارب گلاس میں اپنا غم غلط کرتے ہوئے بولا۔

''اس عتبہ میں کیا نظر آ رہا ہے اسے۔''

''کچھ نہیں یار، یہ بات میں پوچھ لوں تو آگ لگ جاتی ہے۔'' عارب بے بس تھا۔

''اسے بیچ سے ہٹا دے پھر مان جائے گی۔'' عرفان نے مشورہ دیا۔

''کیسے ہٹا دوں اب اسے گولی تو مارنے سے رہا۔'' عارب کا ذہن مسلسل کچھ نہ کچھ سوچ رہا تھا۔

''میری بات سن، یہ جو لڑکیاں ہوتی ہیں ناں انہیں سب سے زیادہ غصہ تب آتا ہے جب ان کے ساتھ بیٹھا لڑکا کسی اور کو دیکھے اور عتبہ کون سا شریفوں کا شہنشاہ ہے۔ اس کے دیکھنے کو تو ہزاروں ہوں گی۔'' عرفان نے اسے ایک نیا راستہ دکھا دیا۔

''علیکہ کے ہوتے ہوئے وہ اور کسی کو نہیں دیکھتا چوہدری۔'' عارب گلاس ختم کرتے ہوئے بولا۔

''چل وہ نہ دیکھے، لڑکی تو اسے دیکھ سکتی ہے ناں۔'' وہ یکدم عرفان کی بات پر چونک گیا۔

''سوچ ذرا عین اس وقت جب ڈنر اپنے عروج پر ہو کوئی لڑکی آ کر اسے اپنے ساتھ لے جائے کیا حالت ہو گی علیکہ کی۔'' عرفان نے اس کا شیطانی دماغ پوری طرح اکسا دیا۔

''اور لاہور میں کونسا سا لڑکیوں کی کمی ہے۔'' عارب نے زور سے قہقہہ لگایا۔

''بھلے وہ اس لڑکی کی باتوں میں نہ آئے، بھلے وہ اس کی باتوں کا یقین نہ کرے لیکن شیشے میں بال تو آ جائے گا نا علیکہ جیسی خود پسند لڑکی کسی صورت اسے معاف نہیں کرے گی۔ مزہ آ جائے گا۔'' عارب سوچ سوچ کے ہی خوش ہوا جا رہا تھا۔

''عتبہ اس کے آگے ہاتھ جوڑے گا۔ اس کے پاؤں پکڑے گا۔ صفائیاں دے گا لیکن علیکہ...... مجھے پتا ہے وہ اس کی ایک نہیں سنے گی۔'' عرفان نے اس کے ذہن کو پوری طرح جگا دیا تھا۔

''اور اگر بات کھل گئی تو؟'' تصویر کا دوسرا رخ بھی ذہن میں رکھ شہزادے۔'' عرفان اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

''کیسے کھلے گی بات۔ عتبہ کو ہوش رہے گا تب ناں علیکہ اس کی کوئی بات سنے گی تب نا اور ویسے بھی سارا لاہور جانتا ہے کہ عتبہ نے کتنی پٹائیں اور کتنی چھوڑ دیں۔'' عارب نے قہقہہ لگایا تھا۔

''دیکھ لے عارب چوہدری بات بگڑ نہ جائے۔'' عرفان تیر چلا کر ڈر رہا تھا لیکن عارب آگ لگانے کو پوری طرح تیار تھا۔

☆......☆

آج پھر اس کا کھانا پینا بند ہو گیا تھا۔ عمایہ نے بمشکل عائزہ اور عینیہ سے نظر بچا کر اسے چائے اور بسکٹ اس کے کیبن میں پہنچائے۔ وہ ابھی پیٹ پوجا کر رہا تھا جب عائزہ نے ایکدم اندر جھانکا۔

''تمہیں سر بلا رہے ہیں۔'' وہ اسے اطلاع دیتے ہوئے بولی۔

''اچھا ٹھیک ہے جاؤ۔'' وہ بسکٹوں کی پلیٹ میز کے نیچے چھپاتے ہوئے بولا۔

''یہ چائے کہاں سے آئی تمہارے پاس۔'' عائزہ حیران ہو کر بولی۔

''جہاں سے بھی آئی ہو تمہیں کیا۔ تم دفع ہو جاؤ باہر۔'' وہ اس پر آنکھیں نکالتے ہوئے بولا۔

''عمایہ نے دی ہے نا، دیکھنا ذرا آج تم دونوں کی شکایت لگاؤں گی۔'' عائزہ اسے دھمکی دیتے ہوئے باہر نکل گئی۔ پوری طرح چائے بسکٹوں سے استفادہ کرنے کے بعد وہ اٹھ کے ان کے کمرے کی طرف آ گیا۔

''آ جاؤں۔''

''آؤ لے آؤ تشریف، آدھے گھنٹے سے تمہیں پیغام بھجوایا ہوا ہے۔'' وہ بری طرح اس پر برس پڑا۔

''ضروری کام کر رہا تھا۔'' وہ ان کے سر پر جا کے کھڑا ہو گیا۔

''بیٹھ جاؤ۔ یوں میرے اوپر پاور پلے مت لے کر کھڑے ہو۔'' وہ کلس کر بولے۔

''علیکہ ٹھیک ہے اب۔'' انہوں نے دھیرے سے پوچھا۔

''آپ خود پوچھ لیں اس سے۔'' وہ سرعت بولا۔

''تم بتا دو گے تو کون سی قیامت آ جائے گی۔'' وہ بھڑک گئے۔

''آپ پوچھ لیں گے تو کون سی قیامت آ جائے گی۔'' زیر لب کہتے ہوئے اس نے ہولے سے اثبات میں سر ہلایا۔

''ٹھیک ہے۔''

''آفس جاری ہے؟'' انہوں نے دوبارہ پوچھا۔

''جی۔'' وہ دھیرے سے بولا۔

''شادی کے بارے میں کیا ارادے ہیں اس کے۔'' وہ ان کی بات پر چونک پڑا۔
اس کے ارادوں کی اس کو خبر ہوگی مجھے کیا پتا۔''
''تم نے پوچھا نہیں اس سے۔'' وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔
''نہیں مجھے آپ کی طرح ہر دوسرے بندے کے کاموں میں سر کھسیڑنے کی عادت نہیں ہے۔'' وہ رکھائی سے بولا۔
''عکرمہ تمہارے خیال سے مجھ میں کوئی خوبی بھی ہے۔'' وہ کلس کر بولے۔
''آپ کو پتا ہے میں ہر بات کا جواب بڑی سوچ بچار کے بعد دیتا ہوں۔'' وہ اپنا آپ بچا گیا۔
''ویسے تو بڑا کرتے ہو اس کا، یہ خیال نہیں آیا کہ بہن کی شادی والی عمر ہوگئی ہے۔''
''تو میں کیا کروں؟'' وہ تنگ آ گیا۔
''پوچھو اس سے کہ کب شادی کرے گی۔'' وہ فوراً بولے۔
''میں نے نہیں پوچھنا۔ آپ خود پوچھ لیں۔'' وہ صاف ہری جھنڈی دکھا گیا۔
''دیکھو عکرمہ میرے پاس ایک دو پرپوزلز ہیں اس کے لیے۔ اس کی ماں کو تو اپنے شوہر اور بچوں سے ہی فرصت نہیں ہے جو اس کے بارے میں بھی سوچ لے۔ اسے کہو مجھ سے آ کر ملے۔'' وہ ذرا دھیمے لہجے میں بولے۔
''اصولاً تو یہ بھی اسے آپ کو ہی کہنا چاہیے۔'' اس کے کہتے ہی وہ بھڑک گئے۔
''وہ میری سگی ہوتی تو میں تمہارے ساتھ یوں دماغ نہ کھپا رہا ہوتا۔ سچ کہتی ہے عروہ کہ میرے دونوں بچے میرے قابو سے باہر ہیں۔'' انہیں غصہ آ گیا۔
''اچھا ان کا اپنا بچہ تو بڑا ان کے قابو میں ہے نا۔'' عکرمہ دل میں تن تنا اٹھا۔
''عکرمہ پلیز یار اسے کہو آج یا کل آ کر مجھ سے ملے۔'' وہ بات سمیٹتے ہوئے بولے۔
''میں نہیں کہوں گا۔ جب میرا اپنا دل نہیں کرتا اس گھر میں جانے کو تو اسے کیسے کہوں کہ چلی جاؤ۔'' وہ کسی طور نہیں مان رہا تھا۔
''اور ویسے بھی وہ میری ہر بات نہیں مانتی۔'' عزین مرزا جیسے ہار گئے۔
''ایک نیک مشورہ دوں آپ کو۔'' وہ ان کی صورت حال پر ترس کھاتے ہوئے بولا۔
''عمایہ سے کہیں اس سے بات کرنے کو۔ وہ اس کی بہت اچھی دوست ہے منا لے گی اسے۔'' بے بسی سے دونوں ہاتھوں پر اپنا سر گراتے ہوئے انہوں نے اسے گھورا۔
''ہاں! اب آدھا گھنٹہ میں اس سے بحث کروں۔ بلاؤ اسے اور خود دفع ہو جاؤ۔'' وہ اسے قہر بار نظروں سے گھورتے ہوئے بولے۔ عکرمہ اپنی ہنسی دباتا باہر آ گیا۔
''عمایہ ڈیئر جاؤ اور تمہارے لیے کیس تیار ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولا۔
''اب کیا کر آئے تم۔'' عائزہ اسے دیکھ کر بولی۔
''اس بار کیس میرا نہیں ہے اس کی جگری دوست کا ہے۔ جاؤ بلا رہے ہیں تمہیں۔'' وہ اسے اندر بھیج کے خود دروازے سے کان لگا کر کھڑا ہو گیا۔
''عمایہ بیٹے ایک کام کرنا ہے تم نے۔'' انہوں نے حتی الامکان اپنے لہجے کو سرسری سا رکھنے کی کوشش کی۔
''علیکہ سے کہنا آج کل میں مجھے آ کر ملے۔''

''تو آپ خود کہہ دیں۔'' وہی مرغے کی ایک ٹانگ۔'' انہیں حد سے زیادہ غصہ آ گیا۔
''آدھا دماغ میرا وہ اُلو کا پٹھا چاٹ گیا اب باقی آدھا تم چاٹ لو۔'' وہ زور سے غرائے۔
''تمہیں خدا کا واسطہ اسے کہو مجھے مل لے پلیز۔'' عمایہ کو ہنسی آ گئی۔
''جی میں کہہ دوں گی۔'' مسکراہٹ دبائے ہوئے وہ باہر آ گئی۔ باہر آتے ہی اس کے لبوں سے ہنسی کا فوارہ نکلا تھا۔
''تم دونوں مل کے پاگل کر دو گے سر کو۔'' عائزہ ان دونوں کو گھورتے ہوئے بولی۔
''میرا ارادہ ہے کہ عتبہ کو بھی یہیں ایڈجسٹ کروا لوں۔ پھر وہ سارا دن آفس سے باہر ہی رہا کریں گے۔ اندر قدم آوری ہی نہیں ہوا کرے گی۔'' عکرمہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولا تھا۔

☆......☆

آج اتوار تھا۔ وہ کچھ چیزیں خریدنے مارکیٹ آئی تھی۔ سارا سامان جمع کرنے کے بعد وہ کاؤنٹر پر آ گئی۔
''بھائی اس سارے کا بل بنا دیں۔'' وہ والٹ نکالتے ہوئے بولی۔
کاؤنٹر والا اس سے پہلے کھڑی دو لڑکیوں کا بل بنا رہا تھا۔ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اس نے عمایہ کا سامان اپنے آگے کیا اور ان دونوں کو سلپ پکڑا دی۔
''ساڑھے چار ہزار روپے۔'' عشوہ نے سلپ پکڑتے ہوئے بیگ میں ہاتھ ڈالا۔
''جلدی کرو عشوہ دیر ہو رہی ہے۔'' عوریہ اسے بیگ میں ہاتھ مارتا دیکھ کر بولی۔
''والٹ نہیں مل رہا یار۔'' عشوہ پریشانی سے بولی۔
''مجھے بھی نہیں اٹھانے دیا اور اب تجھے اپنا بھی نہیں مل رہا۔'' عوریہ نے اسے گھر کا۔
''مجھے لگ رہا ہے گھر رہ گیا۔'' عشوہ نے سارا بیگ کاؤنٹر پر الٹ دیا لیکن والٹ نہ نکلا۔ کاؤنٹر میں سیلز مین ان کے پیسوں کے انتظار میں کھڑا تھا۔
''اب کیا کریں۔'' عوریہ بھی پریشان ہوگئی۔
''آپ پلیز آدھا گھنٹہ انتظار کر سکتے ہیں۔ میرا والٹ گھر رہ گیا ہے۔ میں ابھی جا کر لے آتی ہوں۔''
عشوہ کے سارے کارڈز بھی اسی میں تھے۔
''میم آپ کا بل آن لائن ہو گیا، اگر آپ ابھی دے دیں تو مہربانی ہوگی۔'' کاؤنٹر والے نے اپنا مسئلہ بتایا۔ عشوہ اور پریشان ہوگئی۔
''دماغ پتا نہیں کہاں ہوتا ہے تیرا۔'' عوریہ نے اسے زور سے گھر کا۔
''میری بات سنیں۔'' عمایہ نے دھیرے سے عوریہ کا کندھا ہلایا تھا۔
''میں آپ لوگوں کا بل ادا کر دیتی ہوں، آپ بعد میں مجھے پیسے دے دیجیے گا۔'' وہ ان دونوں کی مشکل آسان کرتے ہوئے بولی۔
''اوہ بہت شکریہ دوست، گھر کہاں ہے تمہارا۔ ہم ابھی آدھے گھنٹے میں تمہیں پیسے واپس کر دیں گے۔''
عوریہ اس کا شکریہ ادا کرتے ہوئے بولی۔
''گھر تو کافی دور ہے میرا اور ہو سکتا ہے تم لوگوں کو ملے بھی نا۔'' وہ ان دونوں سمیت اپنا بل بھی ادا کرتے ہوئے بولی۔

''تو اپنا اکاؤنٹ نمبر دے دو۔ میں آن لائن کروا دوں گی۔'' عشوہ شاپنگ بیگز اٹھاتے ہوئے بولی۔ عمایہ نے وہیں کھڑے کھڑے کاغذ پر اپنا اکاؤنٹ نمبر لکھ دیا۔

''یہ لو۔ ویسے میں وہ سامنے عزین انٹر پرائزرز میں جاب کرتی ہوں۔ بھجوانے ہوں تو وہاں بھجوا دینا۔'' اس کی بات پر دونوں نے چونک کے اسے دیکھا۔

''یہ تو زیادہ اچھی بات ہے۔ میں کل خود تمہیں وہیں دے جاؤں گی پیسے، ہم لوگ تھوڑا آگے کیانی انٹرنیشنل میں جاب کرتے ہیں۔'' عوریہ خوش دلی سے بولی۔

''تم خاص طور پر مجھے صرف ساڑھے چار ہزار روپے دینے آؤ گی۔'' عمایہ ان کے ساتھ باہر آتے ہوئے بولی۔

''میرے ایک دو بہت اچھے دوست ہیں وہاں، ان سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔'' عوریہ ہنستے ہوئے بولی۔ عمایہ ان دونوں سے ہاتھ ملا کر باہر آ گئی۔ جب وہ علیکہ کے گھر پہنچی تو دن کے بارہ بجنے والے تھے۔ وہ ابھی تک سوئی ہوئی تھی۔

''اتوار حلال کرنا کوئی تم سے سیکھے۔'' دسویں دفعہ بیل بجانے پر اس نے دروازہ کھولا۔

''اب اتوار کو بھی نہ سویا کروں تو کیا کروں۔'' وہ دروازہ بند کرتے ہوئے اس کے پیچھے ہی اندر آ گئی۔

''تم اتنی صبح...... خیر تو ہے؟'' علیکہ انگڑائی لیتے ہوئے بولی۔

''اتنی صبح نہیں، دن کے بارہ بج رہے ہیں۔'' عمایہ شاپر رکھتے ہوئے بولی۔ علیکہ وہیں کرسی پر بیٹھ گئی۔

''میرے لیے بھی بناؤ گی نا چائے۔'' اس نے دھیرے سے پوچھا۔

''تمہارے لیے ہی تو بنا رہی ہوں۔'' عمایہ بولی۔

''تھینک یو دوست۔'' وہ دونوں بازو مضبوطی سے اس کے گلے میں ڈالتے ہوئے بولی۔

''تم میرا شکریہ ادا نہ کرو، بس ایک بات مان لو۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''حکم کرو مہارانی۔'' علیکہ دوبارہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''تمہارے ڈیڈ تم سے ملنا چاہ رہے ہیں۔'' عمایہ کے کہتے ہی علیکہ کی ہنسی اڑن چھو ہو گئی۔

''آج کل میں جا کر ان سے مل لو۔'' وہ اسے کپ پکڑاتے ہوئے بولی۔

''یہ بات وہ خود بھی مجھ سے کہہ سکتے تھے۔'' علیکہ کو غصہ آ گیا۔

''میں نے کہہ دی تو کیا ہو گیا۔''

''انہوں نے کیوں نہیں کہی؟'' وہ ضد سے بولی۔

''اچھا تم تو اتنی اچھی ہو نا وہ کہتے اور تم مان لیتیں۔'' عمایہ نے اسے گھرکا۔

''میں نہیں جاؤں گی۔'' وہ صاف لہجے میں بولی۔

''کیوں؟'' عمایہ نے پوچھا۔

''بس میرا دل نہیں کرتا اس گھر میں جانے کو۔ ان میاں بیوی کے منہ لگنے کو۔'' علیکہ غصے سے بولی۔

''آفس جانے کو دل کرتا ہے تمہارا۔'' عمایہ نے پوچھا۔

''نہیں کرتا۔'' وہ سچائی سے بولی۔

''لیکن وہاں تو روز جاتی ہو، کیوں۔ کیونکہ زندگی میں بہت سارے کام شوق یا مرضی سے نہیں مجبوری سے کرنے پڑتے ہیں۔'' عمایہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی۔ وہ کچھ دیر چائے کے گھونٹ بھرتی رہی پھر ایکدم کھڑی

ہو گئی۔

''مجھے نہیں جانا اس جہنم میں۔'' وہ اونچی آواز میں بولی۔

''جانا ہے، تھوڑی دیر کے لیے۔'' عمایہ اس کی سنی ان سنی کرتے ہوئے بولی۔

''کہنا کیا ہے انہوں نے مجھے۔'' وہ کلس گئی۔

''مجھے کیا پتا، جا کر وہی تو پوچھنا ہے۔'' عمایہ اسے منانے کی فل کوششوں میں تھی۔

''تم چڑیل ہو۔'' علیکہ تھک کر بولی۔

''اور تم ڈائن ہو۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی۔

''تم میرے ساتھ جاؤ گی۔'' ایک نئی فرمائش۔

''بالکل نہیں، تم اکیلی جاؤ گی۔'' عمایہ نے صاف منع کر دیا۔

''جاؤ پھر میں بھی نہیں جا رہی۔'' وہ جم کے کرسی پر بیٹھ گئی۔

''بے وقوف لڑکی انہوں نے کوئی پرسنل بات کرنی ہو گی۔'' عمایہ نے اس کی عقل پر ماتم کیا۔

''تم جاؤ گی تو میں جاؤں گی ورنہ نہیں۔'' وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

''بھاڑ میں جاؤ۔'' عمایہ اسے ایک لگاتے ہوئے کچن سے باہر نکل گئی۔

☆......☆

''عکرمہ ایک بات پوچھنی ہے تجھ سے۔'' وہ جیسے ہی چائے بنا کر لایا عتبہ دھیمے سے لہجے میں کہتے ہوئے اس کے بالکل پاس آ گیا۔

''عتبہ جب تو اس لہجے میں بات کرتے ہوئے میرے اتنا قریب آ جاتا ہے تو...... میری جان حلق میں آ جاتی ہے، پرے ہو کے بیٹھ۔'' عکرمہ نے اسے پیچھے کو دھکیلا۔

''26 سال ہو گئے ہمیں اکٹھے رہتے اور تجھے ابھی تک مجھ پہ بھروسا نہیں ہے۔'' عتبہ شکوہ کرتے ہوئے بولا۔

''ہاں بھئی سچی بات ہے، نہیں ہے تجھ پر بھروسہ۔ کیا خبر کب لڑکیوں سے تنگ آ کر تو......'' عکرمہ نے مسکراتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''اچھا میری بات کو سن۔'' عتبہ اپنی پریشانی میں مبتلا تھا۔

''علیکہ کو کب پرپوز کروں۔'' اس کی بات پر عکرمہ چپ ہو گیا۔

''بتا نہ کب کروں۔'' عتبہ نے اصرار کیا۔

''پہلے تو مجھے یہ بتا کہ تو پوری طرح راضی ہے اس سے شادی کرنے کے لیے۔'' عکرمہ نے پوچھا۔

''ہاں راضی ہوں۔''

''پیار اب کرتا ہے یا شادی کے بعد کرے گا۔'' اس نے پھر پوچھا۔

''اب بھی کرتا ہوں اور بعد میں بھی کروں گا۔'' وہ سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''وعدہ کر کے اس سے شادی کے بعد اِدھر اُدھر منہ مارنا چھوڑ دے گا۔''

''ہاں وعدہ ہے تیرے سے، چھوڑ دوں گا۔'' عتبہ شاید اپنے حواسوں میں نہیں تھا۔

''اور شادی کے بعد دوائی پینی بھی چھوڑ دے گا۔'' عکرمہ کہتا چلا گیا اور وہ اس کی ہر بات کے جواب میں

ہاں ہاں کرتا چلا گیا۔

"بس پھر کردے پروپوز، کل ہی کردے۔" عکرمہ گھونٹ بھرتے ہوئے بولا۔

"اتنی جلدی۔" وہ حیران ہوا۔

"جتنی جلدی کرے گا اتنا تیرے حق میں بہتر ہے یار، ورنہ اس کا کہیں اور ہو جائے گا۔"

"کہاں ہو جائے گا۔" عتبہ زور سے بولا۔

"ڈیڈ نے بلایا ہے آج اسے کسی پروپوزل کے بارے میں بتانے کے لیے۔" اس کے کہتے ہی عتبہ چونک پڑا۔

"ہائے...... کہیں مان ہی نہ جائے۔" اسے اندیشے ہونے لگے۔

"اور مجھے پکا یقین ہے کہ یہ پھلجڑی تیری ڈارلنگ مام کی چلائی ہوئی ہے۔ ڈیڈ کے ذہن میں اتنے شیطانی خیالات نہیں آتے۔" عکرمہ کا تکا ٹھیک تھا۔

"اب کیا ہوگا۔" عتبہ پریشان ہو گیا۔

"صبر کر کچھ نہیں ہوگا۔"

"یار کیا بھروسہ ان دونوں کا۔ بے چاری کو کچھ گھول کے پلا دیں اور ہر بات منوا لیں۔" عتبہ کا اپنا ذہن شیطانی ہو رہا تھا۔

"عینیہ کو کال کرکے کہوں گا اس کے ساتھ ساتھ رہے۔" اس کے ذہن نے نقطہ اٹھایا۔

"کردے۔" عکرمہ راضی تھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ عینیہ کو کال کرتا اس کی کال آ گئی۔

"کہاں ہے تو اس وقت۔" عتبہ فوراً بولا۔

"دھیرج رکھو سرکار، آپ کی تو ابھی سے سانس پھولنے لگی۔ ابھی تو کچھ ہوا ہی نہیں۔" وہ مسکراتی آواز میں بولا۔

"کیا ہونے والا ہے۔" اس نے دھیرے سے پوچھا۔

"ایک عدد دھواں دھار جنگ ڈیڈ vs علیکہ۔" عینیہ خوب مزے لے رہا تھا۔

"تو نے پروپوز تو کر دیا ہے نا اسے۔" عینیہ کے پوچھنے پر وہ گڑبڑا گیا۔

"ابھی تک تو نہیں۔"

"بس تو پھر خیر منا، آج گئی وہ تیرے ہاتھ سے۔" عینیہ زور سے ہنسا۔

"میں آ رہا ہوں وہاں۔" وہ انتہائی پریشان ہو گیا۔

"ابھی مت آ، لڑائی کا رخ تیرے خلاف ہوتا نظر آیا تو میں تجھے کال کر دوں گا۔" عینیہ نے اسے تسلی دے کر کال کٹ کر دی۔

"پتا نہیں اب کیا ہوگا۔" عتبہ بے حد پریشان ہو گیا تھا۔

☆......☆

رات کے تقریباً آٹھ بجے وہ دونوں عزین ہاؤس پہنچ گئیں۔ تیسری چوتھی مرتبہ ہارن دینے پر چوکیدار نے دروازہ کھولا۔

"چوکیدار بھی اپنے جیسا رکھا ہوا ہے۔ گونگا بہرہ۔" وہ بری طرح کھول گئی۔

"اپنے چہرے کے زاویے تو سیدھے کر لو۔" عمایہ گاڑی سے اترتے ہوئے بولی۔

"یہاں آکر تو پوری جیومیٹری ملیامیٹ ہو جائے۔ یہ زاویے کیا چیز ہیں۔" وہ اندر آتے ہوئے بولی۔

(جاری ہے)

ردا کی ڈائری

علینہ کی ڈائری سے

ایک خوب صورت نظم

اے چاند
جب وہ تیری طرف دیکھیں
تو انہیں کچھ یاد دلانا
مدھر سے کچھ گیت سنانا
اور کہنا
تمہیں کوئی یاد کرتا ہے
تیری آرزو، تیری امید کرتا ہے
کوئی آج بھی
تمہیں دیکھ کر عید کرتا ہے

حنا علی کی ڈائری سے

نامعلوم شاعر کی نظم

اس عید پر وہ میرے ساتھ نہیں
مگر اس کی یادیں اس کی باتیں
سب مجھے یاد ہیں
اس نے بھی مجھے یاد کیا ہوگا
پھر میرے خیالوں میں کھوئے ہوئے
تصور کے لمحے میں، دھیرے سے کہا ہوگا
عید مبارک

ایم جے قریشی کی ڈائری سے

ایک نظم

عید کے آنے میں ابھی چند دن باقی ہیں
کسی کو کسی کے آنے کی لگن ہے
ہر کوئی عید کی تیاری میں مگن ہے
پر میرا حال ایسا ہے
جب سے تم سے بچھڑی ہوں
کیا کوئی ہلال عید
کیا کوئی مبارک باد
گھر کو تیری یادوں سے اس طرح سجایا ہے
تیری شوخ باتوں کے رنگ برنگے پردے ہیں
تجھ سنگ بیتے لمحوں کی ہری بیلوں کو
آنسوؤں کے پانی سے ہرا بھرا رکھ کر
ہر طرف لگایا ہے
خود تو تنہائی اور اداسی کی سیاہ چادر اوڑھی ہے
میری جاگتی آنکھوں میں خواب ایک حسین سا ہے
میرے ٹوٹے دل میں ایک یقین سا ہے
کہ آنے والی عیدوں میں تم لوٹ آؤ گے
مل کے چاند دیکھیں گے
پھر دعا بھی مانگیں گے
پھر سب کی طرح میں بھی گھر کو سجاؤں گی
جب تم لوٹ آؤ گے
عید میں مناؤں گی

رافیہ بشیر کی ڈائری سے

ایک خوب صورت غزل

کہہ دیں وہ محبت سے اگر عید مبارک
مل جائے مرادوں کا ثمر عید مبارک

ممکن ہی نہیں غم سے مفر عید مبارک
حالات مخالف ہیں مگر عید مبارک
اے کاش ہمیں عید ہو ایسی کوئی حاصل
کہتے رہے ہم شام و سحر عید مبارک
ہو جائیں سبھی شکوے گلے دور دلوں سے
وہ کہہ دیں گلے مل کے اگر عید مبارک
جب آپ ہمیں اپنا سمجھتے ہیں تو کہیے
ہنستے ہوئے بے خوف و خطر عید مبارک
محمود وہ ہوتے ہیں بہت قابل عزت
کہتے ہیں جنہیں اہلِ نظر عید مبارک

سعدیہ بشیر کی ڈائری سے

فصیحہ آصف خان کی نظم

کھڑکی کے پٹ کھولے
اداس دل سنبھالے
عجب حوصلے سے ایک ہی سمت دیکھتی
تیری راہ تکتی
تیری آمد کی منتظر میری نم آنکھیں
پھر!
اپنی خالی ہتھیلیوں کو دیکھ کر رو پڑیں
آج انتیسواں روزہ ہے
تم نے آنے کا وعدہ کیا تھا
ہاتھوں پہ حنا لگانے کا وعدہ لیا تھا
آ جاؤ! شام کے آنے سے پہلے
چاند کے بام پہ آنے سے پہلے
لوٹ آؤ کہ ہم بھی عید منائیں
سج سنور کے تجھ کو دکھائیں

ریما نور رضوان کی ڈائری سے

ایک خوب صورت نظم

میری جان، میرے صنم
سرد ہوا کے جھونکوں کے ساتھ
ہماری گاڑی ہائے وے پر
سلو ڈرائیو کرتے ہوئے
مدھم موسیقی اور
دھیرے......
دھیرے......
فیوچر پلاننگ کرنا
یہ لانگ ڈرائیو میں نے
ہمیشہ اپنے سجنا کے سنگ
تصور کی تھی جسے آج
میرے رب نے حقیقت بنا دیا
ڈھول، مٹی، ہائے وے
وسیع و عریض چمکتا
ہوا تار کول کا روڈ
گاڑی میں سونو نگم کی آواز
تم چین ہو، قرار ہو
میرا عشق ہو
میرا پیار ہو
برسوں کیا جس کا میں نے
تم وہی انتظار ہو
میں اپنی قسمت پر
نازاں ہوں
رب کی شکر گزار ہوں
تمہارے ساتھ سجنا
یہ ہائے وے
لانگ ڈرائیو
موسیقی
چھیڑ چھاڑ
نٹ کھٹ شرارت
روٹھنا
منانا
سب بہت اچھا لگ رہا ہے
......☆......

نورین ملک

اشعار

ثوبیہ بشیر ——— کھاریاں
میں نے پردیس میں کیں چاند کو یہ تاکیدیں
ان سے کہنا انہیں لاکھ مبارک عیدیں

عائشہ بشیر ——— کھاریاں
عید کا دن اور اتنا مختصر
دن گنے جاتے تھے اس دن کے لیے

سعدیہ بشیر ——— کھاریاں
فقط کارڈ پر لکھے لفظ ہی سجا لیتے ہیں دل پہ
دیکھا نہ آج تک خوشی سے کبھی چاند عید کا
گزر گئی عیدیں کتنی اپنی اسی گماں میں
ہمارے آنگن میں بھی اُترے گا چاند عید کا

راضیہ بشیر ——— کھاریاں
پھر تصور میں دریچے تیری یادوں کے کھلے
پھر تیرے درد کا احساس ہوا عید کے دن

آنسہ احسان ——— کھاریاں
سنو الفاظ کم ہیں اور تمنائیں ہزاروں
مبارک ہو میری جانب سے تم کو عید مبارک

مریم ماہ منیر ——— لاہور
اک پل میں پوری دنیا جیت لینے کا مزا ہم سے پوچھیے
چار لمحوں کی زندگانی میں اک لمحہ جی لینا ہم سے پوچھیے
جو منزل دل میں ہو اور قدم اٹھتے ہوئے گھبرائیں
جو چل پڑیں تو ان اٹھتے قدموں کا نقشہ ہم سے پوچھیے

سید عروج فاطمہ ——— ملتان
ہے غموں کی فضا راس مجھے
آپ بخوشی کیجیے خود سے جدا مجھے
بس اتنی سی ہے التجا آپ سے
نہ دیجیے خوش رہنے کی دعا مجھے

لاریب گلزار ——— جی ٹی روڈ
سکھا جاؤ ہمیں بھی تیر بے وفائی کا
ایسی ضرب لگائیں گے کہ زمانہ یاد رکھے گا

حفصہ کنول ——— ٹوبہ ٹیک سنگھ
اداس کر دیتا ہے
تیرا نام بھی اب تو

ایمن فاطمہ ——— ملتان
تیری محبت کی خوشبو اٹھتی ہے میری تحریروں سے
میری شاعری کا سارا کمال تیرا ہے

حنا علی ——— سیالکوٹ
اس عید پر پھر ساتھ ہیں میرے
پردیس، تنہائی اور بس تیری یادیں

سنبل ——— لاہور
عید تو ان کی ہوئی جن کو دیدارِ یار نصیب ہوا
اپنی تو عید بھی گزر گئی راہ یار دیکھتے دیکھتے

نادیہ عمران ——— کراچی
غیروں میں ہیں جو شاد انہیں عید مبارک
جن کو نہیں ہم یاد انہیں عید مبارک

معصوم سے ارمانوں کی معصوم سی دنیا
جو کر گئے برباد انہیں عید مبارک

کرن ناز ——— حیدرآباد
عید کے خیال نے خوش تو کردیا ہے لیکن
اب بھی سوچ کر تمہیں دل بہت اداس ہے

ماہ جبیں ——— پشاور
ہم نہ مانیں گے عید آئی ہے
آپ آئے تو عید بھی آئی

مہتاب خان ——— ڈی آئی خان
مصروف ہے خلق عید کی تیاریوں میں اور میں
محو فکر ہوں کہ سب سے ہنس کر ملنا ہوگا

فرحانہ احمد ——— کراچی
تیرے کہنے پہ لگائی ہے یہ مہندی میں نے
عید پر اب تو نہ آیا تو قیامت ہوگی

فاطمہ حسن ——— کوئٹہ
چاند نکلا تو میں لوگوں سے لپٹ کر رو دیا
غم کے آنسو تھے جو خوشیوں کے بہانے نکلے

لاریب ——— ٹوبہ ٹیک سنگھ
سنا ہے پھر عید ہوگی
کسی کو انتظار کسی کو دید ہوگی

تہمینہ فرید ——— اسلام آباد
تحفہ دعاؤں کا تمہیں پہنچے میرا
سدا رہے تمہارے گرد خوشیوں کا گھیرا
مسرتیں تمہیں عید کی مبارک ہوں
تمہاری زیست میں نہ آئے کبھی غموں کا پھیرا

بختاور خان ——— بہاولپور
چاند عید کا دلکش ہے مانتا ہوں
حسنِ جاناں سے مگر ہار جائے گا

مہرین خان ——— ٹنڈو جام
عید کے خیال نے خوش تو کردیا ہے لیکن
اب بھی سوچ کر تمہیں دل بہت اداس ہے

ثمرین احمد ——— کراچی
کچھ تارے تری پلکوں پہ بھی روشن ہوں گے
کچھ رلائے گا مجھے بھی تیرا غم عید کے دن

نجمہ نعیم ——— منڈی بہاؤالدین
وقت تیرا بھی وقت میرا بھی گزر گیا
بس کسی کی عید گزری کوئی عید پر گزر گیا

نینا اسد ——— سبی
کاش کے عید کے ان حسین لمحوں میں
میری ذاتِ گمشدہ تجھے یاد آئے

نمرہ حسن ——— کراچی
دستور ہے دنیا کا مگر یہ تو بتاؤ
ہم کس سے ملیں کس کو کہیں عید مبارک

کاجل حسن ——— کراچی
ہر کوئی اپنے چاند سے تھا محو گفتگو
میں اپنا چاند ڈھونڈتا رہا اور عید گزر گئی

نمروزہ ——— اسلام آباد
عید ملنے ضرور آؤں گا
وعدہ کر کے مکر گیا کوئی

عمیمہ ——— ظہیر کراچی
سدا ہنستے رہو جیسے ہنستے ہیں پھول
دنیا کے سب غم تمہیں جائیں بھول
چاروں طرف پھیلا خوشیوں کے گیت
اس امید کے ساتھ آپ کو عید مبارک

☆

نورین ملک

اس ماہ میں

اس ماہ کے اقتباس

ماضی کے پل

تجربات کی بناء پر کہی ہوئی بات یقیناً بھاری ہوتی ہے میری طرح بھی عثمان بھی اسی کمرے میں تنہا ہوتا ہوگا تو اس کو بھی یہی وصل جذبے تنہائی میں آ کر رلا دیتے ہوں گے۔ میں آئینے میں خود کو دیکھ کر بہت ہنسی، پھر اسی ہنسی پر دل چاہا کہ کوئی ٹوک دے بالکل امی کی طرح کہ کیا ہے کھی کھی کرے جارہی ہے، پھر بعد میں روئے گی۔ رونے کے ذکر ہی سے میں ڈر گئی۔ امی نے ہمیشہ کہا کہ مت ہنس اتنا کہ بعد میں رو دے۔ دل میں یہ وہم چند لمحوں کو آیا پھر میں نے دھیان ہٹا دیا اور پھر مجھے امی اور زرین آپی یاد آ گئیں۔ کتنے دن ہو گئے تھے ان سب سے ملے ہوئے وہ لوگ بھی کیا چیز ہیں مجھے اس دہلیز پر کیوں چھوڑ گئے جیسے کوئی لحد میں اتار کر بے خبر ہو۔ محبت میں اختیار صرف دل کو ہوتا ہے اور دل سدا ہی کا بے اختیار ہے چاہتیں مچل اٹھتیں اور سرخ ربن سے بندھے ہوئے خطوط چھو کر دل چاہا ایک بار صرف ایک بار امی کے گلے لگ کر رو لوں معافی مانگ لوں۔

اقتباس: خوابوں کے انبار تلے از صالحہ محمود
صبا سحر۔ہارون آباد

بدلتے رنگ

زندگی بدلتے دیر نہیں لگتی مگر انسان کو بدلتے وقت لگتا ہے۔ زندگی بدلتے لمحہ لگتا ہے لیکن انسان کو بدلنے کو ایک عرصہ درکار ہوتا ہے۔ انسان کی خواہشات، انسان کی یادیں، خوشی غمی کے بتائے لمحات بدلنا آسان نہیں ہوتا۔ بھولنا آسان نہیں ہوتا۔ ماضی چاہے خوشیوں بھرا ہو یا پھر دکھوں سے بھرپور۔ کسی بھی لمحے انسان کو چین سے نہیں بیٹھنے دیتا۔ ماضی کی خوشیاں، حال کے دکھوں میں ایک ناسور کی سی حیثیت رکھتی ہیں۔ ہر لمحہ، ہر پل نظروں میں گھومتی رہتی ہیں اور حال کے دکھوں میں مزید اضافہ کیے دیتی ہیں اور ماضی کے دکھ، ماضی کے دکھوں کا درد کبھی بھولے نہیں بھلایا جاتا اور جب کوئی انسان ان دکھوں کی وجہ ہو تو اس شخص کا وجود جب نظروں کے سامنے آتا ہے انسان کے اندر ایک آگ سی دہک اٹھتی ہے۔

اقتباس: ہوا میں ڈولتی خوشبو کی صورت۔ از مریم ماہ منیر
عانیہ نیازی۔ ربوہ

اس ماہ کی ہری مرچیں

☆ گاؤں میں نیم کے پیڑ کم ہو رہے ہیں گھروں میں کڑواہٹ بڑھتی جارہی ہے۔
☆ شادی ہال میں خواتین نیم عریاں ہوتی ہیں اور کرسیاں بہترین غلافوں میں۔

☆ زبان میں مٹھاس کم ہو رہی ہے جسم میں شوگر بڑھتی جا رہی ہے۔

☆ اپنی غلطی پر دنیا کے سب سے بڑے وکیل اور دوسرے کی غلطی پر سب سے بڑے جج۔

☆ کسی بزرگ نے سچ کہا تھا کہ جب کتابیں سڑک کنارے رکھ کر بکیں گی اور جوتے کانچ کے شوروم میں تب سمجھ جانا کہ لوگوں کو علم کی نہیں جوتوں کی ضرورت ہے۔

☆ جب بڑوں کا ادب و احترام ختم ہو جائے تب محبت اور خلوص بھی ختم ہو جاتا ہے۔

☆ آج ہم مطلب یا لالچ میں دوسروں کو سلام کرتے ہیں اسی وجہ سے ہم پر سلامتی ختم ہو چکی ہے۔

فاطمہ رضا۔ سیالکوٹ

اس ماہ کی حقیقت

☆ رنگین خواب دیکھنے سے بہتر ہے کہ انسان اپنی زندگی کی بلیک اینڈ وائٹ حقیقتوں کو تسلیم کرلے۔

☆ اناؤں، نفرتوں، خود غرضیوں کے ٹھہرے پانی میں محبت گھولنے والے بڑے درویش ہوتے ہیں۔

☆ بعض رشتوں کے نام نہیں مقام ہوتے ہیں۔

☆ ایک غیبی اصول یہ بھی ہے کہ جو تقسیم کرو گے اسی کی تمہارے پاس فراوانی ہو جائے گی پھر وہ دولت ہو، علم ہو، محبت ہو یا آسانیاں۔

☆ مرد کا کام عورت کو سمجھنا نہیں، اس کو محسوس کرنا، اس کی حفاظت کرنا ہے اور یہ سب باتیں عورت کو کڑے سے کڑے حالات میں بھی جینے کا حوصلہ دیتی ہیں۔

فرح قیوم۔ کراچی

اس ماہ کے اقوال

☆ لوگوں کے عیبوں سے اس طرح غافل ہو جاؤ جیسے سوتے وقت تم دنیا سے غافل ہو جاتے ہو۔

☆ تقدیر کے لکھے پر کبھی شکوہ نہ کیا کر تو اتنا عقلمند نہیں جو خدا کے ارادے سمجھ سکے۔

☆ لوگ چائے کی تھیلیوں کی طرح ہوتے ہیں جنہیں کھولتے ہوئے پانی میں ڈالے بغیر پتا نہیں چلتا ان کا اصل رنگ کیا ہے۔

☆ حسد دراصل خود اعتمادی کی کمی کا نام ہے۔

☆ نمک کی طرح کڑوی بات کہنے والا ہی سچا دوست ہوتا ہے، میٹھی باتیں کرنے والا ہمیشہ چاپلوس ہوتا ہے، کیونکہ تاریخ گواہ ہے کہ نمک میں کبھی کیڑا نہیں لگتا اور میٹھی چیزوں میں کیڑا لگ جاتا ہے۔

☆ الفاظ صرف چبھتے ہیں خاموشیاں مار دیتی ہیں۔

☆ کوئی تمہارا دل دکھائے تو ناراض مت ہونا، کیونکہ قدرت کا قانون ہے جس درخت کا پھل زیادہ میٹھا ہوتا ہے لوگ پتھر بھی اسی کو مارتے ہیں۔

زینب۔ اسلام آباد

اس ماہ دوستی کے بارے میں

☆ محبت اور دوستی میں بہت بڑا فرق ہے اگر تم کسی سے دوستی کر رہے ہو تو یہ جان لو کہ دوستی میں امیری، غریبی چھوٹے بڑے اور ادنیٰ و اعلیٰ کا فرق نہیں رہتا۔ دوستی ایک جذبے کا نام ہے جو اعتماد پر قائم ہے اور اسی جذبے کی وجہ سے انسان اپنے دل کے کئی بوجھ ہلکے کر سکتا ہے۔

☆ دوست کے ساتھ محبت و اعتدال کے ساتھ رہو کیونکہ ممکن ہے کبھی تمہارا بگاڑ پیدا ہو جائے۔ اسی طرح دشمن سے دشمنی حد سے زیادہ نہ کرو کیونکہ ممکن ہے کہ وہ کبھی تمہارا دوست بن جائے۔

☆ دوستی ایک خود پیدا کردہ رشتہ ہے۔

☆ ناراض ہونے کے خیال سے حق بات دوست کو نہ بتانا، دوستی نہیں۔

☆ غریب وہ ہے جس کا کوئی دوست نہیں۔

☆ دوست وہ ہے جو نہ صرف تمہاری اچھی حالت کا دوست ہو بلکہ برے وقت میں بھی تمہارے کام آئے۔

☆ دوستی میں شبہ زہر ہے۔

☆ اگر تم کسی سے محبت کرتے ہو تو یہ [illegible] کہ صرف تم محبت کی خاطر محبت کرو، جو کہ مکمل اور دائمی ہے۔

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

اس ماہ میں

اگر سمجھ میں آئے

☆ اس بات میں سچ چھپا ہوتا ہے جب کوئی کسی کو یہ کہتا ہے "یہ مذاق تھا یار۔"

☆ ایک فیلنگ چھپی ہوئی ہوتی ہے جب کہا جاتا ہے "مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔"

☆ ایک درد چھپا ہوا ہوتا ہے جب کوئی کہتا ہے "اوکے یار۔"

☆ ایک ضرورت چھپی ہوئی ہوتی ہے جب کوئی کہتا ہے "مجھے اکیلا چھوڑ دو یار۔"

☆ ایک گہری بات چھپی ہوئی ہوتی ہے جب کوئی یہ کہتا ہے "شاید ایسا ہو۔"

☆ ایک کہانی چھپی ہوئی ہوتی ہے جب کوئی کہتا ہے۔ "پتا نہیں؟"

☆ ضرور آنسو چھپے ہوتے ہیں جب کوئی کہتا ہے۔ "اللہ ہے نا۔"

کوشش کرو کہ ہمیشہ دوستوں کی فیلنگ کو سمجھو، کیونکہ زندگی میں دوست نہیں بلکہ دوستوں میں زندگی ملا کرتی ہے۔

فرزانہ شوکت۔ کراچی

اس ماہ کچھ دل نے سنا

☆ کچھ لکھاری ایسے ہوتے ہیں جن کے قلم سے نکل کر لفظ لفظ نہیں رہتے، احساسات اور جذبات میں ڈھل جاتے ہیں۔

☆ کچھ سوال ایسے ہوتے ہیں جن کا جواب خاموشی ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ سوال خود جواب ہوتے ہیں بلکہ اپنے جوابوں سے بھی زیادہ جامع، زیادہ [illegible] اور زیادہ بلیغ ہوتے ہیں۔

☆ الفاظ کا تاج محل خواہ کتنا ہی حسین ہو، حقائق کا طوفان اس کو اپنے ساتھ بہالے جاتا ہے جس طرح کوئی آندھی تنکوں کے ڈھیر کو۔

نور بانو۔ کوئٹہ

اس ماہ کی شرارت

اگر میں آپ کو اچھی لگتی ہوں تو یہ آپ کی اچھائی ہے کہ میں آپ کو اچھی لگتی ہوں اور اگر میں آپ کو اچھی نہیں لگتی تو آپ کو میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ آپ اپنے اندر جلدی سے اچھائی پیدا کر لیں تا کہ میں آپ کو اچھی لگ سکوں۔

سدرہ علی۔ حیدر آباد

......☆......

نورین ملک



حضور اکرمؐ نے فرمایا

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''اگر تم اتنی غلطیاں کرو کہ تمہاری غلطیاں آسمان تک پہنچ جائیں تو پھر توبہ کرو تو پھر بھی اللہ تمہاری توبہ قبول فرمائے گا۔''

کھانا کھلانا

حضرت علیؓ فرماتے ہیں۔ ''میں اپنے کچھ ساتھیوں کو ایک ساتھ کھانے پر جمع کراؤں یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں بازار جاؤں اور ایک غلام خرید کر آزاد کر دوں۔''

(حالانکہ ایک غلام کی قیمت ایک ساتھ کھانے سے بہت زیادہ ہے)

سیدہ نورین۔ کراچی

دوسروں کو دینا

حضرت طلحہؓ کی بیوی حضرت سعدیؓ فرماتی ہیں: ''ایک دن حضرت طلحہؓ نے ایک لاکھ درہم صدقہ کیے پھر اس دن ان کو مسجد میں جانے میں صرف اس وجہ سے دیر ہوگئی کہ میں نے ان کے کپڑے کے دونوں کناروں کو ملا کر سیا۔

(لاکھ درہم دوسروں کو دے دیئے اور اپنے اوپر کچھ نہ لگایا۔)

دل آزاری

ہر وہ کامیابی انسان کی ہار ہے جس کا مقصد کسی کو نیچا دکھانا ہو۔ دنیا میں ہر چیز کی تلافی ہے سوائے دل آزاری کے۔

مرسلہ: ثناء ملک۔ کراچی

حضرت علیؓ نے فرمایا

☆ انسان کا اپنے دشمن سے انتقام لینے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی خوبیوں میں اضافہ کرے۔

☆ اگر دنیا بہترین جگہ ہوتی تو یہاں کوئی روتے ہوئے پیدا نہ ہوتا۔

☆ کامیابی حوصلوں سے ملتی ہے حوصلے دوستوں سے ملتے ہیں دوست مقدر سے ملتے ہیں اور مقدر انسان خود بناتا ہے۔

☆ جس نے کسی کو اکیلے میں نصیحت کی اس نے اسے سنوار دیا اور جس نے کسی کو سب کے سامنے نصیحت کی اس نے اسے مزید بگاڑ دیا۔

☆ جہاں آپ کی عزت نہ ہو وہاں مت جاؤ چاہے وہاں کھانا آپ کو سونے کی پلیٹ اور چاندی کے چمچ میں ہی کیوں نہ دیا جائے۔

☆ گناہوں کا ترک کرنا توبہ کرنے سے زیادہ بہتر ہے۔

☆ خوشی انسان کو اتنا نہیں سکھاتی جتنا غم سکھاتا ہے۔

☆ نیک بننے کے لیے ایسے ہی کوشش کرو جیسے حسین بننے کے لیے کوشش کرتے ہو۔

☆ جسے تقدیر پر یقین ہوتا ہے وہ اپنے اوپر نازل ہونے والی مصیبتوں سے نہیں گھبراتا۔

مرسلہ: نوشین مدثر۔ لاہور

بیٹی کی اہمیت

☆ بیٹی کی ذات اگر مقدس نہ ہوتو اللہ تعالیٰ کبھی ہمارے نبی کریمؐ کی اولاد کا سلسلہ حضرت فاطمہؓ سے شروع نہ کرتے۔

☆ نبی کریمؐ کا فرمان ہے جس شخص کی بیٹیاں ہوں اس کو برا مت سمجھو کیونکہ میں بھی بیٹی کا باپ ہوں۔

☆ اولاد کے لیے جو بھی چیز لاؤ پہلے بیٹی کو دو۔

☆ اللہ تعالیٰ جب کسی سے خوش ہوتا ہے تو اس کو بیٹی عطا کرتا ہے اور جب کسی کو خوش کرتا ہے تو بیٹا عطا کرتا ہے۔

☆ اللہ جب خوش ہوتا ہے تو کسی کے گھر مہمان بھیجتا ہے جب زیادہ خوش ہوتا ہے تو بارش برساتا ہے اور جب مزید خوش ہوتا ہے تو بیٹی سے نوازتا ہے۔

☆ بیٹی رحمت کا دروازہ، بخشش کا ذریعہ اور جہنم کی ڈھال ہے۔

مرسلہ: امبرین حیدر۔ اسلام آباد

دکان

تمہارا بھائی کیا کر رہا ہے۔

اس نے دکان کھولی تھی۔

کیسی چل رہی ہے؟

معلوم نہیں۔

کیوں کیا بھائی سے ملاقات نہیں ہوتی؟

ہوتی ہے، وہ پانچ ماہ کے لیے جیل میں ہے۔

ارے وہ کیوں؟

اس نے ہتھوڑے سے دکان کھولی تھی۔

مرسلہ: حنا علی۔ ملتان

عمر

آپریشن کے لیے بے ہوشی کا ٹیکہ لگانے سے پہلے ڈاکٹر نے مریضہ سے پوچھا۔

''آپ کی عمر؟''

مریضہ نے کہا۔ ''28 سال۔''

ڈاکٹر نے کہا۔ ''محترمہ آپ کو یقین ہے نا کہ آپ کی یہی عمر ہے کیونکہ میں آپ کی عمر کے حساب سے آپ کی بے ہوشی کی دوا مقرر کروں گا۔''

مریضہ نے کہا۔ ''30 سال۔''

ڈاکٹر نے پھر کہا۔ ''آپ دیکھ لیجیے دوا کی کم یا زیادہ مقدار سے مریض کو آپریشن کے دوران ہی ہوش میں آجاتا ہے یا پھر کومے میں چلا جاتا ہے۔''

مریضہ۔ ''38 سال۔''

ڈاکٹر نے پھر کہا۔ ''اگر آپ عمر غلط بتائیں گی تو دوا کی کم و بیش مقدار کا سیدھا اثر گردوں پر پڑتا ہے اور وہ فیل بھی ہو سکتے ہیں۔''

مریضہ نے چیختے ہوئے کہا۔ ''49 سال اور اب بھلے آپریشن تھیٹر سے میری لاش ہی کیوں نہ نکلے میں اس سے زیادہ عمر بالکل نہیں بڑھاؤں گی۔''

مرسلہ: ماہ نور۔ فیصل آباد

انسان اور درخت

انسان اور درخت کا بھی بہت قریبی رشتہ ہے۔ انسان کی طرح درخت بھی کبھی سکھ سے نہیں رہتے۔ انہیں بھی دکھ، سکھ، ہجر و وصال کی کیفیت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ موسم بہار ان کو انتظار کی گھڑیاں دے جاتا ہے۔ اس میں پتے بھی درختوں کو خزاں کے زخم سہنے کے لیے تنہا چھوڑ

دیتے ہیں۔ یہ پتے بھی انسان کی طرح خود غرض اور ساتھ چھوڑنے والے ہیں کیونکہ یہ پھل اور پھولوں کی موجودگی میں تو درختوں کا ساتھ دیتے ہیں مگر جب پھل اور پھول نہ ہوں تو یہ بھی ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ اس خود غرضی پر انہیں یہ سزا ملتی ہے کہ ان کو ساری زندگی پاؤں تلے روندا جاتا ہے بقول شاعر

اڑا کے لے گئی پتے خزاں کے تیز ہوا
شجر تمام ماتم دکھائی دیتا ہے

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

یاد رکھیں

☆ کسی کو اپنا کہنے سے پہلے سوچ لو کہ کیا تم اسے اپنائیت کا احساس دلا سکو گے۔

☆ محبت ایک ایسا نشہ ہے جو دانا اور نادان کو ایک ہی طرح مسحور کرتا ہے۔

☆ حاسد تمہاری خوشی سے غمگین ہوتا ہے یہ اس کے لیے کافی ہے، تمہیں انتقام کی ضرورت نہیں وہ خود اپنی آگ میں جل رہا ہے۔

☆ ہر انسان ایک بند کتاب کی مانند ہے، جس کا سرورق کچھ ہوتا ہے اور اس کے اندرونی صفحات پر کچھ اور تحریر ہوتا ہے۔

☆ جو لوگ مطالعہ نہیں کرتے، ان کے پاس سوچنے کے لیے بہت کم باتیں ہوتی ہیں اور بولنے کے لیے بالکل نہیں ہوتیں۔

☆ محبت ایک ایسا کھیل ہے جس سے انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

☆ چراغ باتیں نہیں کرتے، روشنی دیتے ہیں۔ روشنی کا مینار سمندر کی سطح پر اپنی مہربان روشنی پھیلا دیتا ہے اور ملاح اسے دور ہی سے پہچان لیتے ہیں۔ آپ کی شخصیت بھی آپ کے اعمال سے ظاہر ہونا چاہیے، باتوں سے نہیں۔

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

بدی کو بدی سے نہیں نیکی سے دور کریں

ایک ولی اللہ کا باغ میں سے گزر ہوا۔ ایک لڑکا پتھر مار کر پھل توڑ رہا تھا۔ اسے شرارت سوجھی۔ اس نے ولی اللہ کے پتھر دے مارا۔ ولی اللہ نے دعائیں دیں۔ لڑکا حیران ہوا اور پوچھا۔ ”آپ کو میں نے پتھر مارا آپ نے مجھے دعائیں دیں۔ ایسا کیوں ہے؟“ ولی اللہ نے جواب دیا۔ ”بیٹا آپ نے پتھر درخت کو مارا اور درخت نے اپنا پھل دیا۔ ہمیں پتھر مارا، ہم نے اپنا پھل دیا۔“

سیدہ عروج فاطمہ۔ ملتان

نور علم

☆ جو شخص علم رکھے مگر اس پر عمل نہ کرے ایسا بیمار ہے جس کے پاس دوا تو ہے مگر وہ علاج نہیں کرتا۔

☆ انسان علم کا بہت زیادہ بوجھ اٹھانے کے باوجود خود کو پھول کی طرح محسوس کرتا ہے۔

☆ علم کو روٹی کمانے کا ذریعہ نہ بناؤ، علم آپ اپنا صلہ ہے۔

☆ علم خواہ کتنا ہی زیادہ حاصل جائے مگر ہمیشہ اس کو تھوڑا ہی خیال کرو۔

☆ جو نوجوان ایمانداری سے کچھ وقت مطالعے میں صرف کرتا ہے تو اسے اپنے نتائج کے بارے میں بالکل متفکر نہیں ہونا چاہیے۔

☆ کتب خانہ روحانی معالج کی حیثیت رکھتا ہے۔

فرزانہ شوکت۔ کراچی

......☆......

ادارہ

ذرا پیار سے کہنا

ماں

انسانوں سے بھری ہوئی اس دنیا میں
بہت سے لوگ دیکھے ہیں
مگر ماں جیسی وفا میں نے
کسی میں نہیں دیکھی
بیماری جب اچانک
آ کر گھیر لیتی ہے
پھر یہ بھی ممکن ہے
تمہارے چاہنے والے
بے زار ہو جائیں
مگر یہ یاد رکھنا تم
ماں تو ایسی ہستی ہے
جو مرتے دم تک
نہ بے زار ہوتی ہے
نہ ساتھ چھوڑتی ہے

سیدہ عروج فاطمہ

ردا ڈائجسٹ

ردا ڈائجسٹ تم آغاز ہو میرا
تم ہی تو مان ہو میرا
نہیں دکھ دے سکتی تم کو کبھی
تمہارے اعتبار کو ٹھیس
پہنچا سکتی نہیں
میں جو کچھ ہوں میرا نام میری پہچان
پیارے ردا تمہاری ہی مرہون منت ہے
تم نے ہی تو میرے لفظوں کو قابل توجہ جانا
میری ٹوٹی پھوٹی داستانوں کو
کہانیوں کو تم نے خود میں مہارت سے سمویا
اک نام اک پہچان
پیارے ردا
سب سے بڑھ کر عزت سے نوازا مجھ کو
جان کر نہیں کر سکتی تمہاری دل آزاری
رب نہ کرے کہ کبھی ہو مجھ سے ایسا
اپنے آغاز کو کبھی بھول نہیں سکتی
پیارے ردا تم میرا مان ہو
اعتبار ہو تم کو ٹھیس پہنچا نہیں سکتی

ریما نور رضوان

غزل

کب سے ہے منتظر ترا باد صبا کے ساتھ
آ موسم بہار میں ناز و ادا کے ساتھ
روشن ہے مرے ہاتھ میں انصاف کا چراغ
ممکن نہیں ہے دوستی ظالم ہوا کے ساتھ
اہل جفا کا سارا زمانہ ہے معتقد
دنیا کو اختلاف اہل وفا کے ساتھ
کہتا ہے اور اپنا بدلتا نہیں مزاج
اک عمر کٹ گئی ہے مری بے وفا کے ساتھ
منزل سے دور کر دیا مجھ کو ضمیر نے

ملتا نہ تھا مزاج مرا رہنما کے ساتھ
دیتا ہے سب کے ہاتھ سے سب کا خدا اسے
پیش آؤ مسکرا کے ہمیشہ گدا کے ساتھ
اس کے لیے حکیم جہنم کی آگ ہے
جس نے کیا شریک کسی کو خدا کے ساتھ

حکیم خان حکیم

دستک

میں نے اپنی سب سے محبوب شخصیت کے
دروازے پر دستک دی ٹھک......
ٹھک......ٹھک
کون ہے اس نے پوچھا
میں یہ سن کر پلٹ گیا......جب اس نے
میری دستک ہی نہ پہچانی تو اب اس سے
ملاقات کا کیا فائدہ

فرزانہ شوکت

ابھی ٹھہر جاؤ

ابھی عید ہے ابھی تم نہ جاؤ
ٹھہر جاؤ کچھ پل، کچھ دیر یونہی
ابھی دنیا کے دیکھنے کو تماشا ہے
ابھی کچھ لمحے یونہی دنیا کی نظروں کو الجھنے دو
سمجھ اور نا سمجھی میں جو فاصلہ ہے
اسے قائم رہنے دو
کچھ ہی لمحوں میں دنیا بھول جائے گی
اور اک نئے تماشے کو دیکھنے
دنیا چل نکلے گی
پھر ہمارا تمہارا قصہ
ایک قصہ پارینہ بن جائے گا
لوگ ہمیں بھول کر
نئے قصے میں دلچسپی لیں گے
پھر تم چلے جانا مگر کچھ دیر یونہی
ابھی ٹھہر جاؤ کہ ابھی عید ہے

مریم ماہ منیر

مقدر

محبت، موت، جیون میں
کیسے کب؟ کس سے ملنا ہے؟
کسے کب کس کو ملنا ہے؟
مقدر میں لکھا یہ فیصلہ نہ تم جانو، نہ ہم جانیں
فقط بے اختیاری ہے
جو ہم سب کا مقدر ہے
جسے چاہو اُسے کھو دو
جسے پاؤ نہ اس کی چاہ ہو
کوئی بے وقت مرتا ہے
کسی کو زندگی جیتے ہوئے
عمریں بیت جاتی ہیں
کہیں شہنائی بجتی ہے
کہیں پہ ماتم ہوتے ہیں
کسی کاندھے پہ میت ہے جنازہ ہے
کسی پہ سرخ ملبوس میں لپٹی ہوئی دلہن کی
ڈولی ہے
کسے پل میں خوشی دے دے
کسے غم جھیلنے کو دے
نہ تم جانو نہ ہم جانیں
مقدر جانتا ہے سب

سباس گل

غزل

سنا ہے آج بھی اس کے شہر میں
چرچا ہے ہماری دیوانگی کا
ہر زبان پہ تمسخر ہے ہماری محبت کا
سنا ہے آج بھی اس کے شہر میں
حسن بکتا ہے بازاروں میں
محفل لوٹتی ہے نم کناروں میں
سنا ہے آج بھی اس کے شہر میں
بے وفائی کا راج ہے
محبت آج بھی بدنام ہے
سنا ہے آج بھی اس کے شہر میں
درد بکتا ہے بازاروں میں
خوشیاں رلتی ہیں ہزاروں میں

لاریب گلزار

غزل

اپنی آنکھوں سے یہ منظر نہیں دیکھا جاتا
کانچ کے جسم پہ پتھر نہیں دیکھا جاتا
تم نے پھر زخمی کیا امن کے سودائی کو
چھاؤں میں بیٹھا کبوتر نہیں دیکھا جاتا
میرے اندر جو رواں رہتا ہے غم کا لشکر
جسم سے وہ کبھی باہر نہیں دیکھا جاتا
دسمبر ہی کی تاریخ دکھاتا ہے مجھے
مجھ سے منحوس کیلنڈر نہیں دیکھا جاتا
پتھر پھینکتے ہی دھڑک اٹھتے ہیں دل ان کے امتیاز
کیا ابابیلوں کا لشکر نہیں دیکھا جاتا

ایس امتیاز احمد

غزل

چلتے چلتے راستے انجان کیسے ہو گئے
منزلوں سے قبل ہم بے جان کیسے ہو گئے
کس نے پھیلایا اندھیرا جگنوؤں کی راہ میں
تتلیوں کے راستے ویران کیسے ہو گئے
میں نے اپنی زندگی تجھ دی محبت کے لیے
پھر جہاں میں عشق کے فقدان کیسے ہو گئے
جن کو میں نے زندگی بھر ایک پل چاہا نہیں
نام ان کے پھر میری پہچان کیسے ہو گئے
ہاں جنہوں نے خون بہایا تھا کبھی اجداد کا
آج ان سے امن کے پیمان کیسے ہو گئے
حکمراں کرتا ہے دعویٰ جب یہاں انصاف کا
قافلے پھر بے سروساماں کیسے ہو گئے
جھک رہے ہیں زور وزر کی سمت میں ساجد یہ کیوں
سوچتا ہوں عدل کے میزان کیسے ہو گئے

سید ساجد

نظم

ہمارا اور تمہارا، یہ رشتہ کبھی
ٹوٹے نہیں، ٹوٹے نہیں
ساتھ یہ تیرا میرا، نہ کبھی بھی
چھوٹے نہیں، چھوٹے نہیں
رہیں ہم ساتھ یوں ہی
دیکھیں تو رشک کریں
دوست کیا دشمن سبھی
ان گاتی ہوئی فضاؤں میں
چاند کے سنگ سنگ، چلتے ہوئے بادلوں میں
ہوا پنے سپنوں کا محل
جہاں تپتی دھوپ نہ ہو
جہاں آنکھ میں آنسو نہ آئے کبھی
تتلیوں سی پرواز کے
پر لگے ہوں گاڑیوں میں سبھی
جس وادی میں پھولوں سی
مسکان سے لوگ ہوں سبھی
اے زندگی تو!
خوابوں کا سفر
طے کر حقیقت میں کبھی

زروہ وصمان

......☆......

دوستوں کے نام پیغام

ردا کے قارئین کے نام!

آپ تمام ریڈرز کی تہہ دل سے مشکور ہوں جن کے پیغامات اور رائے سندیسے کی صورت مجھ تک پہنچتے رہتے ہیں تو ادھر سوشل میڈیا پر مجھے روز پانچ سے چھ لوگوں کے پیغامات ملتے ہیں کہ ''عشق کی داستان'' کو اپ لوڈ کریں اور میں سب سے معذرت کرکر کے تھک جاتی ہوں کہ ''ہم ردا کی پالیسی کا احترام کریں گے۔'' آپ سب جس بے چینی سے ہر ماہ قسط کا انتظار کرتے ہیں، اسے پسند کرتے ہیں اس کے لیے میرے پاس شکریہ کے لفظ کم ہیں۔ نوشین مدثر، گیتی آرا، عطیہ کنول، عانیہ نیازی اور وہ تمام نام جو شاید میں لکھ نہیں پائی آپ سب کی پسندیدگی کا بے حد شکریہ۔ شازیہ مری! آپ کی تجویز بہت اچھی ہے۔ میں آپ کا مفہوم اچھی طرح سمجھ گئی ڈیئر! لیکن میری پوری کوشش ہے کہ میں کہانی کا منطقی انجام تحریر کرسکوں، کرداروں کی داستاں کو اتنا منفرد لکھ سکوں کہ آپ خود کہہ اٹھیں واقعی داستاں جدا رہی۔ بہت محبت۔ عانیہ نیازی! آپ کے خلوص، آپ کی پسندیدگی میرے لفظوں کا سحر چھا گیا ''کہو مجھ سے محبت ہے'' میری چند تحریروں میں سے ایک ہے جو دل کے بے حد قریب ہے آپ کو عام ڈگر سے ہٹ کر یہ تحریر کیسی لگی، اختتام پڑھنے کے بعد مفصل رائے سے ضرور نوازیے گا۔ پسندیدگی کے لیے عنایت مند۔ میرے تمام پڑھنے والے ضرور رائے دیں کہ انہیں یہ تحریر کیسی لگی اور آپ ایسے منفرد موضوعات پر لکھی تحریر پڑھنا چاہتے ہیں جو عام ڈگر سے ہٹ کر ہوں جیسے ''کہو مجھ سے محبت ہے؟'' سندیسہ ضرور لکھے گا کہ ادارے کی محنت ہوتی ہے اور رائٹر کو اپنی تحریر پر آپ سب کی آراء کا انتظار رہتا ہے۔ رب العزت کی بے حد شکر گزار کہ اس نے اتنے اچھے قاری دیئے، مقروضِ محبت۔

ریحانہ آفتاب۔ کراچی

سعدیہ بشیر کے نام

کلائیاں اس کی ہیں کسی اور کے ہاتھوں میں
خدا کرے ہو تم جس کے لیے عید کی چوڑیاں

ملک جوادنواز۔ ڈیرہ اسماعیل خان

پیاری [illegible] صالحہ آپی کے نام

دعاؤں کی بھیڑ میں اک دعا ہماری ہوگی
جس میں مانگی ہر خوشی تمہاری ہو گی
جب بھی تمہیں کوئی خوشی ملے
تو سمجھ لینا دعا قبول وہ ہماری ہو گی

پیاری صالحہ آپی! آپ کی صحت، سلامتی کے لیے سدا دعا گو رہتی ہوں۔

ریمان نور رضوان۔ کراچی

پاک آرمی کے نام

چاندرات کے پر کیف لمحات میں
عید کے پرلطف لمحات میں
ہر پل، ہر لمحہ ہمیں
انہیں یاد کرنا ہے
پاکستانی فوج کے جوانوں کو
ہمیں یاد رکھنا ہے
ماؤں کے جو آنکھ کے تارے ہیں
نجانے کتنے بہن بھائیوں کے
وہ لاڈلے ہیں
باپ کے کہلاتے جو راج دلارے ہیں
نجانے کتنے بچوں کے وہ پیارے ہیں
بس!
اتنا جان کے سب اٹھائیں ہاتھ
جتنے ہیں وہ فوجی سارے
ہمارے پاکستان کے سہارے ہیں وہ
شہید ہوئے جو اس جنگ میں
ان پر ہمیں فخر کرنا ہے
کہلائے جو غازی اس میدان میں
ہمیں انہیں سلام کرنا ہے
ہاتھ اٹھائیں دعا کے لیے جب بھی ہم
انہیں نہیں بھولنا ہے
چاندرات کے پر کیف لمحات میں
عید کے پرلطیف لمحات میں
ہر پل، ہر لمحہ ہمیں
انہیں یاد کرنا ہے
پاکستان کے فوجی جوانوں
ہمیں یاد رکھنا ہے

ایم جے قریشی۔ ڈی آئی خان

وطن کی مٹی کے نام

اے میرے وطن کی مٹی
کیسے کہوں عید مبارک
تیری اس مٹی میں
بہت معصوم بے گناہوں کے
خون پانی کی طرح بہہ رہے ہیں
کیسے کہوں، ہم وطنوں عید مبارک
میری ماؤں کے جگر گوشوں کے
جوان لاشوں پر
آہ وزاری، بے بسی ہے

شائقہ بے نظیر۔ لیہ

ملک جوادنواز کے نام

لو آج ہم تم سے نکاح عشق کرتے ہیں
[illegible] تم سے محبت ہے محبت ہے محبت ہے

سعدیہ جواد۔ کھاریاں

سیدہ روح فاطمہ کے نام

میرے ہاتھ اٹھے ہیں
رب کی بارگاہ میں
تو سدا ہنستی رہے
کھلکھلاتی رہے
تو سدا شاد و آباد رہے
یہ دوستی بنی رہے
میں تیری تو میری
دعاؤں میں شامل رہے
آمین ثم آمین

ریما نور رضوان۔ کراچی

☆



ارقا کباب

اجزاء:

بکرے کا قیمہ : آدھا کلو
بریڈ کرمبز : ایک کپ
پیاز (کٹی ہوئی) : ایک عدد
ٹماٹر : دو عدد
ہرا دھنیا : آدھا گٹھی
کالی مرچ : آدھا چائے کا چمچہ
مکھن : چھ کھانے کے چمچے
زیرہ (پسا ہوا) : ایک چائے کا چمچہ
لیموں (جوس) : دو تین کھانے کے چمچے
نمک : حسب ضرورت
لال مرچ پاؤڈر : حسب ذائقہ
کوکنگ آئل : حسب ضرورت

ترکیب: قیمہ، پیاز، مکھن، ٹماٹر، ہرا دھنیا، کالی مرچ، لال مرچ، لیموں کا جوس، اور بریڈ کرمبز چوپر میں اچھی طرح چوپ کرلیں۔ اب اس مکسچر کو 30 منٹ کے لیے فریج میں رکھ کر سیخ کباب کی شکل میں بنالیں۔ پسند کے مطابق کباب گرل یا فرائی کر کے سلاد کے ساتھ سرو کریں۔

کرسپی ایگ پراٹھے

اجزاء

انڈے : دو عدد
آٹا (سفید) : چار پراٹھوں کے لیے
دودھ : 300 ملی لیٹر
نمک : حسب ذائقہ
گھی : حسب ضرورت

ترکیب: آٹے میں گھی ڈال کر ہاتھوں سے اچھی طرح مسلیں۔ اب دودھ اور انڈے پھینٹ کر اس میں آٹا گوندھ لیں۔ آمیزے کے پیڑے بنائیں اور گھی لگا کر پراٹھے پکالیں۔ گرم گرم سرو کریں۔

لاہوری سموسے

اجزا

سفید چنے : ایک کپ
میدہ : دو کپ
پیاز (چوپڈ) : ایک عدد
لہسن : دو جوئے
لال مرچ (کٹی ہوئی) : ایک چائے کا چمچ
سفید زیرہ : دو چائے کے چمچے
میٹھا سوڈا : آدھا چائے کا چمچ
دہی : دو کھانے کے چمچ
چاٹ مصالحہ : آدھا چائے کا چمچ
ادرک لہسن پیسٹ : دو کھانے کے چمچے
نمک : حسب ذائقہ
آئل : فرائنگ کے لیے

ترکیب: چنوں کو سوڈا ملے گرم پانی میں بھگو کر رکھ دیں، پھر درمیانی آنچ پر ابال لیں۔ میدہ، نمک، ایک چمچ سفید زیرہ اور دو کھانے کے چمچ آئل اچھی طرح مکس کرلیں۔ اس آمیزے کو ٹھنڈے پانی سے گوندھ کر بیس منٹ کے لیے رکھ دیں۔ اب ایک چمچ آئل کو

پین میں گرم کر کے پیاز فرائی کرلیں۔ پھر اس میں لہسن، زیرہ اور لال مرچ ڈال کر بھون لیں۔ اس کے بعد دہی اور ابلے ہوئے چنے ڈال کر ڈھک دیں۔ دہی کا پانی خشک ہو جائے تو اسے اچھی طرح بھون کر خشک کرلیں۔ گندھے ہوئے میدے کی سموسہ پٹی بنائیں اور اس میں چنے بھر کر کناروں کو بند کردیں۔ اب کڑاہی میں آئل گرم کر کے سموسوں کو گولڈن فرائی کرلیں۔ املی کی چٹنی کے ساتھ سرو کریں۔

ملائیشین پراٹھے

اجزاء

میدہ (چھنا ہوا) : آدھا کلو
انڈہ : ایک عدد
مکھن : دو کھانے کے چمچے
چینی : ایک کھانے کا چمچہ
بیکنگ پاؤڈر : پون چائے کا چمچہ
نمک : حسب ذائقہ
انڈہ (پھینٹا ہوا) : لگانے لیے

بھرنے کے اجزاء

انڈے (ابلے اور چوپ کیے ہوئے) : چار عدد
پیاز (چوپ کی ہوئی) : ایک عدد
لہسن (چوپ کیے ہوئے) : پانچ جوے
موزریلا پنیر (کدوکش) : سو گرام
پسی ہوئی لال مرچ : ایک چائے کا چمچہ
کٹی ہوئی کالی مرچ : آدھا چائے کا چمچہ
نمک : حسب ذائقہ
تیل : تلنے کے لیے

ترکیب: پیالے میں آٹے کے اجزا ملا کر اسے گوندھ لیں۔ اس کے پیڑے بنا کر چوکور روٹیاں بیلیں، ایک پیالے میں بھرنے کے اجزاء ملالیں۔ بیلی ہوئی روٹیوں کی ایک جانب پیالے کا تھوڑا تھوڑا آمیزہ پھیلائیں اور اسے دوہرا کر کے بند کرلیں۔ ان کے کناروں کو انڈہ لگا کر بند کردیں۔ برش کی مدد سے انڈہ اس کے اوپر لگائیں۔ پراٹھوں کو توے پر دونوں جانب سے سینک کر درمیان سے تکونے کاٹ لیں۔ سرونگ ڈش کو سلاد پتوں سے سجائیں اور پراٹھے رکھ کر پیش کریں

چٹ پٹا چیز پکوڑا

اجزاء

کاٹیج چیز (کیوبز) : ایک کپ
بیسن : ایک کپ
پیاز (چوپڈ) : ایک عدد
ہری مرچ (چوپڈ) : دو عدد
کڑی پتہ : چار عدد
بیکنگ پاؤڈر : ایک چٹکی
کارن فلور : ایک چائے کا چمچہ
لال مرچ پاؤڈر : آدھا چائے کا چمچہ
نمک : حسب ذائقہ
آئل : فرائنگ کے لیے

ترکیب: بیسن میں پیاز، ہری مرچ، کری پتا، کارن فلور، بیکنگ پاؤڈر، لال مرچ، نمک اور پانی مکس کر کے بیٹر تیار کرلیں۔ چیز کیوبز کو اس بیٹر میں ڈپ کر کے آئل میں فرائی کریں۔ افطار کے وقت گرم گرم سرو کریں۔

فروٹ چاٹ

اجزاء

سیب (کاٹ لیں) : دو عدد
کیلے (کاٹ لیں) : چار عدد
انار (دانے نکال لیں) : ایک عدد
پائن ایپل : ایک کپ
آم (کیوبز) : ایک کپ
لیموں کا رس : دو کھانے کے چمچے
نمک : حسب ذائقہ
چاٹ مصالحہ : ایک چائے کا چمچ

ترکیب: تمام فروٹ ایک باؤل میں مکس کر لیں۔ اب اس میں نمک، چاٹ مسالا اور لیموں کا رس شامل کریں۔ افطار کے وقت پیش کریں۔

چھولے چاٹ

اجزاء

چھولے	: ایک پاؤ (رات کو بھگو دیں)
سوڈا	: آدھا چائے کا چمچ
ہرا دھنیا	: آدھا کپ (چوپ کر لیں)
ہری مرچیں	: تین عدد (چوپ کر لیں)
پیاز	: ایک عدد (کاٹ لیں)
املی	: ایک کپ (بھگو دیں اور بیج نکال کر پیسٹ الگ کر لیں)
نمک	: حسب ذائقہ
لال مرچ	: ایک چائے کا چمچ (کُٹی ہوئی)
زیرہ	: ایک کھانے کا چمچ (کُٹا ہوا)
چاٹ مصالحہ	: حسب ذائقہ
چینی	: ایک چائے کا چمچ
ٹماٹر	: ایک کپ (چوکور کاٹ لیں)

ترکیب: چھولوں میں سوڈا ڈال کر رات کو بھگو دیں۔ اس کے بعد چھولوں میں سے سوڈے کا پانی نکال کر دوسرا پانی اور نمک ڈال کر چھولوں کو ابال لیں۔ گل جائیں تو اس کا بچا ہوا پانی نتھار کر چھولوں میں املی کا پیسٹ، نمک، کُٹی ہوئی لال مرچیں، زیرہ، چینی اچھی طرح مکس کر لیں۔ ڈش میں چھولے نکال کر اوپر سے چاٹ مصالحہ چھڑک کر پیش کریں۔

آم کا شربت

اجزاء

آم کی چھلی ہوئی پھانکیں	: ڈیڑھ کلوگرام
عرق گلاب	: ڈیڑھ کلو
چینی	: دو کلو

ترکیب: آم کے گودے کو عرق گلاب میں آدھا گھنٹے تک ہلکی آنچ پر پکائیں۔ اس کے بعد گودے کو باریک کپڑے میں رکھ کر نچوڑ لیں۔ پھر شکر میں پانی ملا کر آگ پر رکھ لیں اور چاشنی بنا لیں۔ اس کے بعد آم کا رس ملا دیں اور ایک گھنٹہ تک ابالیں۔ شربت تیار ہو جائے تو شیشے کی صاف بوتلوں میں بھر لیں۔ حسب ضرورت ٹھنڈے پانی میں مکس کر کے سرو کریں۔

آئسکریم سوڈا شربت

اجزاء

دودھ	: ایک لیٹر
کریم	: ایک کپ
پستہ آئسکریم	: ایک کپ
کنڈینسڈ ملک	: چار کھانے کے چمچے
آئس کریم سیرپ	: چار کھانے کے چمچے
الائچی پاؤڈر	: آدھا چائے کا چمچہ
چائنا گراس پاؤڈر (ایک کپ پانی میں ملا لیں)	: ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب: آئس کریم، دودھ، کریم، کنڈینسڈ ملک اور آئس کریم سیرپ کو بلینڈ کر لیں۔ چائنا گراس پاؤڈر کو جیلی کی طرح بنا کر کیوب کی شکل میں کاٹ لیں۔ آئس کریم سوڈا شربت کو چائنا گراس اور پستہ بادام کے ساتھ سرو کریں۔

بنانا ایپل شیک

اجزاء

سیب (کاٹ لیں)	: ایک عدد
کیلے (چھیل کر کاٹ لیں)	: دو عدد
آئس کیوبز	: ایک کپ
دودھ	: دو کپ
پستہ اور بادام	: تین کھانے کے چمچ
شہد	: دو کھانے کے چمچ

ترکیب: کیلے، سیب، پستہ، بادام اور آدھا دودھ اچھی طرح بلینڈ کر لیں۔ پھر شہد، بقیہ دودھ اور آئس کیوبز ڈال کر مزید بلینڈ کریں۔ ٹھنڈا ٹھنڈا سرو کریں۔ ☆☆

سنگھار

چہرے کی طرح بالوں کی حفاظت اور خوب صورتی کے لیے مختلف ماسک استعمال کیے جاتے ہیں ہم آپ کو مختلف ماسک بتا رہے ہیں۔ ان میں سے اپنے لیے ایک منتخب کر لیں۔

دہی کا ماسک

چار کھانے کے چمچ دہی میں ایک چمچ شہد اور چند قطرے لیموں کے شامل کریں۔ اب اس آمیزے کو بالوں کی جڑوں سے سروں تک لگائیں اور ایک ڈیڑھ گھنٹے کے بعد شیمپو کر لیں۔ یہ ماسک خشک بالوں کے لیے بے حد مفید ہے۔ اس سے دماغ کو سکون ملتا ہے۔ خشکی و سکری سے نجات ملتی ہے۔ بال نرم و ملائم ہو جاتے ہیں۔

انڈے کا ماسک

ایک عدد انڈے میں ایک چائے کا چمچ ناریل یا سرسوں کا تیل شامل کر کے خوب پھینٹ لیں۔ اور پھر بالوں میں مساج کریں یا رات بھر بالوں میں لگا رہنے دیں۔ بعد میں شیمپو کر لیں۔ خشکی ختم ہو جائے گی۔ اور بال گھنے اور نہایت صحت مند معلوم ہوں گے۔

بیسن کا ماسک

آدھی پیالی بیسن میں چند قطرے دودھ اور ایک چائے کا چمچ شہد ملا کر پانی کی مدد سے پتلا پیسٹ بنا لیں۔ اور ایک گھنٹے کے لیے بالوں پر لیپ کر لیں بعد ازاں سادے پانی سے سر دھو لیں۔ چکنے بالوں کے لیے بہت مفید ماسک ہے۔

ملتانی مٹی کا ماسک

ایک پیالی مٹی میں حسب ضرورت پانی ملا کر پیسٹ بنا لیں اور بالوں میں مہندی کی طرح لگائیں اور ایک گھنٹے بعد دھو لیں یہ ماسک چکنے بالوں والی خواتین کے لیے ہے۔ اس ماسک سے بالوں میں فاضل چکنائی کا خاتمہ ہو جائے گا اور بال صحت مند اور گھنے دکھائی دیں گے۔

بال خشک ہونے کی چند وجوہات

☆ بیماری کے بعد۔
☆ بالوں کو بہت زیادہ بلیچ کرنا۔
☆ گرد و غبار۔
☆ گرمی اور تیز دھوپ کی وجہ سے۔
☆ ناموافق اور تیز شیمپو۔
☆ بچے کی پیدائش کے بعد۔
☆ پرمنگ کرواتے رہنا۔
☆ بار بار ڈائی کروانا۔
☆ بالوں کو بہت زیادہ شیمپو کرنا۔
☆ بالوں میں تیل نہ لگانا۔

یہ تمام ایسی وجوہات ہیں جن کی وجہ سے بال خشک اور بے رونق ہو جاتے ہیں۔

صحت مند بالوں کے لیے سر کی مالش

☆ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے بال صحت

مندر ہیں تو ان کے لیے مالش بہت ضروری ہے۔ یوں تو تیل سب لگاتے ہیں سر کی مالش بہت کم لوگ کرتے ہیں۔

☆ اپنے بالوں کو کھلی ہوا میں کھول دیں۔ اور انگلیوں سے (ہتھیلیوں سے نہیں) آہستہ آہستہ سر کی کھال کی مالش کریں۔

☆ انگلیوں کو دائروں کی شکل بناتے ہوئے یعنی گولائی میں گھمایئے۔ سر کے سامنے کے حصے سے یہ عمل شروع کر کے پیچھے تک لے جائیں۔ آپ اس کام میں دوسروں کی مدد بھی لے سکتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ تیل لگا کر ہی مالش کریں۔ لیکن یہ اچھا ہے کہ آپ اپنی انگلیوں کی پوروں پر تیل لگالیں اس کے بعد بالوں میں انگلی ڈال کر کنگھی کی طرح بالوں کو کھینچیں۔

آسان ٹوٹکے آزمایئے

☆ بالوں کو چمکدار بنانے کے لیے لیموں کا رس نکال کر اس کی مالش کر کے تھوڑی دیر کے بعد دھولیں۔ اس کے علاوہ شیمپو کرنے سے ایک یا دو گھنٹے پہلے سر پر تیل کی اچھی طرح مالش کرنے سے بھی بالوں کی چمک بڑھ جاتی ہے۔

☆ ناخنوں کو مضبوط بنانے کے لیے ایک گہری پیالی یا پلیٹ میں زیتون کا تیل ڈال کر اس میں ناخنوں کو ڈبو دیں اس کے بعد نیم گرم تیل میں ڈال کر ناخنوں کو ٹشو پیپر سے صاف کرلیں کچھ دنوں کے بعد ناخن مضبوط ہو جائیں گے۔

☆ گھی کے ایک ڈبے میں پتلی گول پیندے والی کٹوری کے اردگرد مہندی، چینی اور چائے کی پتی ڈال کر ڈبے کو گوندھے ہوئے آٹے سے بند کر کے آگ پر آدھا گھنٹہ کے لیے رکھ دیں آدھے گھنٹے کے بعد لوشن تیار ہو جائے گا۔

☆ روزانہ دو سے تین چمچے شہد دودھ یا پانی میں ملا کر پینے سے چہرے کی خوب صورتی میں اضافہ ہوتا ہے۔

☆ گرمی کے موسم میں گھر سے نکلنے سے پہلے بالوں میں تھوڑا سا لیموں کا عرق لگالیں۔ اس سے آپ کے بال ریشمی اور خوب صورت نظر آئیں گے۔ مزید یہ کہ دھوپ کے برے اثرات سے بھی بہت حد تک محفوظ رہیں گے۔

☆ اگر زیادہ دیر باہر دھوپ میں گزارنے کے باعث آپ ''سن برن'' کا شکار ہو گئی ہیں تو متاثرہ جگہ پر ایلو ویرا کا عرق لگائیں یا ایسا کوئی لوشن لگائیں جس میں ایلو ویرا شامل ہو۔ اس سے نہ صرف آرام آئے گا بلکہ جھلسی ہوئی جلد بھی ٹھیک ہو جائے گی۔

☆ گرمیوں کے موسم میں چونکہ خواتین باریک فیتوں والے سینڈل اور چپلیں پہنتی ہیں جن میں پاؤں زیادہ تر کھلے رہتے ہیں۔ لہٰذا اس موسم میں پیروں کی صفائی ستھرائی اور دیکھ بھال بہت ضروری ہے۔ گھر پر فٹ اسکرب تیار کرنے کے لیے دانے دار چینی اور زیتون کا تیل ملا لیں اور اسے نرمی کے ساتھ پیروں پر رگڑیں۔ اس عمل سے آپ کے پیروں کی مردہ کھال آسانی سے اتر جائے گی اور وہ صاف ستھرے نظر آئیں گے۔

☆ اگر آپ کے پاؤں کے ناخن، نیل پالش لگانے یا کسی اور وجہ سے پیلے ہو گئے ہیں تو پانی کے ٹب میں ہلکا بلیچ ڈال کر اس میں تھوڑی دیر تک پاؤں بھگوئیں۔ ناخنوں کا پیلا پن دور ہو جائے گا۔

☆ گرمی کے موسم میں زیادہ پسینہ آنے کے باعث چہرے کے مسامات کھل جاتے ہیں اور چہرے پر دانے اور مہاسے پیدا ہونے کا خطرہ رہتا ہے۔ لہٰذا دن میں کئی بار منہ دھوئیں اور وقتاً فوقتاً ٹھنڈے عرق گلاب کو چہرے پر تھپتھپائیں۔

......☆......

